اصولِ سیرت نگاری
www.KitaboSunnat.com
تعارف، مآخذ و مصادر
پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی
پہلی جامع و مفصل
کتاب کے اہم مباحث
سیرت النبیؐ
تعریف و تعارف
ارتقاء
سیرت نگاری کے
25 اصول
نایاب معلومات
کا خزانہ
مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی
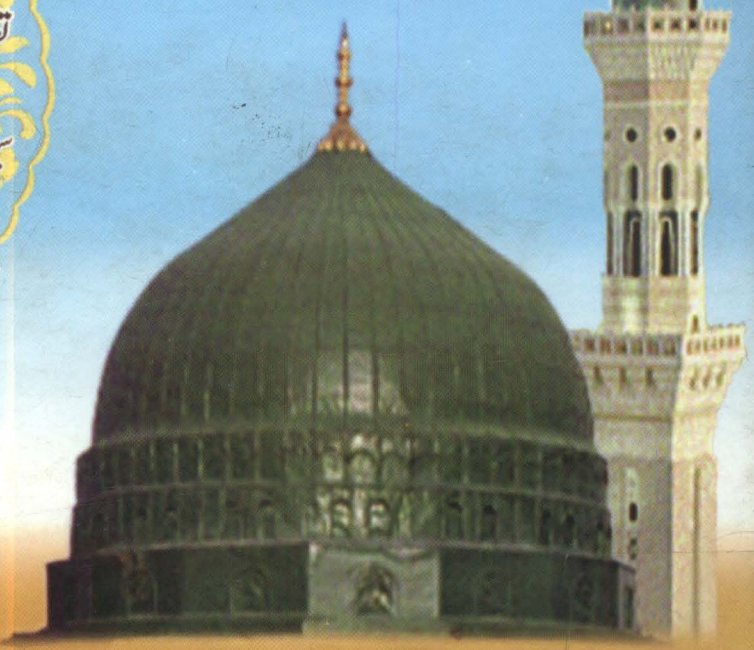
بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر واشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشر واشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (القرآن)

تحقیق تمہارے (عمل) کیلئے اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت بہترین نمونہ ہے

اصول سیرت نگاری

تعارف، ارتقاء، مآخذ و مصادر

مصنف

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

مکتبۂ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

نام کتاب : اصول سیرت نگاری
مصنف : پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی
کمپوزنگ : عبدالماجد پراچہ(C"S-18" ایریا لیاقت آباد کراچی)
ناشر : مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
سنہ طباعت : اپریل ۲۰۰۳ء
قیمت : ۱۰۰ روپے

ملنے کے پتے

۱ ...... مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ،
مکان نمبر ۱۶۲ سیکٹر ۸۔ ایل اورنگی ٹاؤن کراچی ۸۵۰۰
رابطہ نمبر 6659703

۲ ...... درخواستی کتب خانہ گرومندر کراچی

۳ ...... مکتبہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم
ورفعنا لك ذكرك
١٤٢٤ھ

حصہ دوم

حمدِ باریٰ تعالیٰ
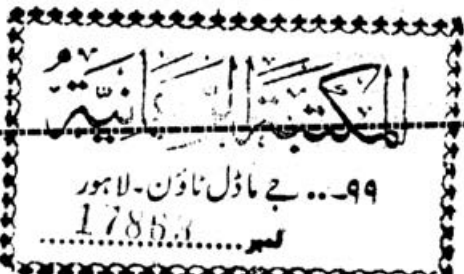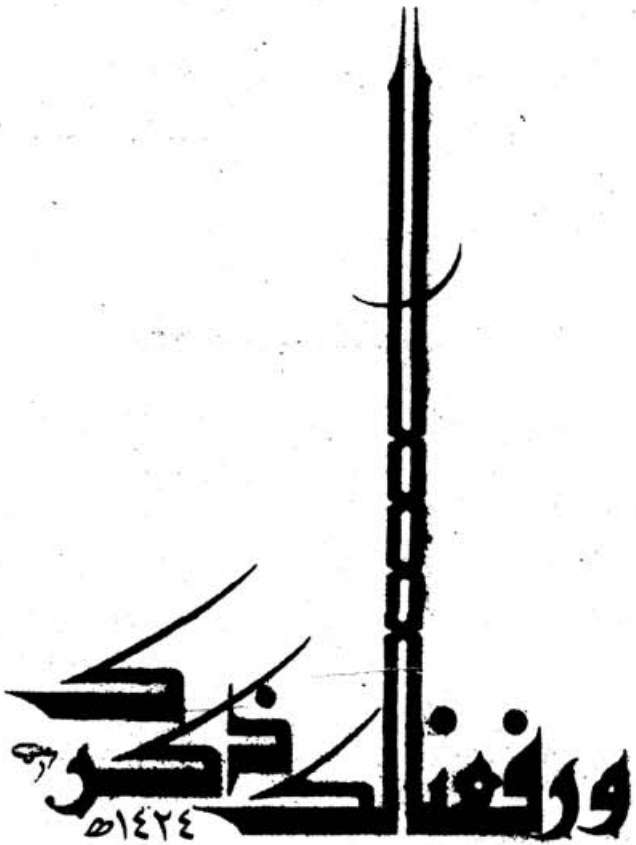
حاجت روا بھی تو ہے، مشکل کشا بھی تو ہے
خلاقِ دو جہاں ہے، سب کا خدا بھی تو ہے

روزِ ازل بھی تیرا شامِ ابد بھی تیری
ہر ابتدا بھی تو ہے ہر انتہا بھی تو ہے

دکھ درد میں تجھی کو مولا پکارتے ہیں
ٹوٹے ہوئے دلوں کا ہاں آسرا بھی تو ہے

تیری تجلیوں سے روشن ہیں ماہ و انجم
دنیا کی انجمن میں نور و ضیا بھی تو ہے

ہے چارہ ساز بھی تو اور کارساز بھی تو
آنکھوں کی روشنی ہے، دل کی دوا بھی تو ہے

توحیدِ باری کا ثمرہ

جس کی اللہ کی رحمت پہ نظر ہوتی ہے
زندگی اس کی امنگوں میں بسر ہوتی ہے

نام اللہ کا لے غم سے نہ گھبرا اے دل
ان دھندلکوں سے نمودار سحر ہوتی ہے

پہلے کرتی ہے یہ اقرار ''هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ''
پھر نسیمِ سحری گرمِ سفر ہوتی ہے

وہ دعا ہاں! وہ دعا جس میں یقیں شامل ہو
کون کہتا ہے کہ محرومِ اثر ہوتی ہے

ہر طرف اس کے ہی جلووں کی ہے رونق ماہر
دل کی دھڑکن سے بھی تائید نظر ہوتی ہے

فہرست مضامین

بائیسواں اصول علم قرأت ولهجات عرب هے ۳۹۰

تیئیسواں اصول: علم آثار قدیمه هے ۳۹۸

چوبیسواں اصول: اسلامی معلومات عامه کا علم هے ۴۰۱

حسن و جمال اور خصائل حمیدہ کے پیکر ﷺ

﴿نعت پیمبر ﷺ﴾

وَاَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي

اے اللہ کے محبوبؐ! میری آنکھ نے آج تک آپؐ سے
زیادہ حسین نہ دیکھا ہے (نہ دیکھے گی)

وَاَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

اور کسی عورت نے آپؐ سے زیادہ جمیل بچہ پیدا نہیں کیا۔

خُلِقْتَ مُبَرَّ اً مِّنْ كُلِّ عَيْبِ

آپؐ کو ہر عیب سے پاک اور مبرا پیدا کیا گیا ہے۔

كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

گویا آپؐ کو خود آپؐ کی منشاء کے مطابق پیدا کیا گیا ہو۔

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا بَرًّا رَّءُ وفًا

اے رسول ﷺ اللہ کے دشمن! تو نے برائی کی ہے،
کس کی؟ محمد ﷺ کی، جو سرتاپا کرم اور نوازش ہیں۔

رَسُوْلَ اللّٰهِ شِيْمَتُهُ الْوَفَاءُ

جس نے ہر ایک پر مہربانی کی ہے، جو اللہ کا رسول ہے،
اور جس کی عادت پاک ہی وفا کرنے کی ہے۔

رَجَوْتُكَ يَابْنَ اٰمِنَةَ لِاَنِّي

اے آمنہ کے لال، میں نے تیری تمنا کی ہے۔

مُحِبٌّ وَالْمُحِبُّ لَهُ الرَّجَاءُ

میں محبت کرنے والا ہوں اور ہر محبت
کرنے والے کی ایک تمنا ہوتی ہے۔

شاعر دربارِ نبوی ﷺ: حضرت حسان بن ثابتؓ

نعت

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
(بانی دارالعلوم دیو بند)

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اس کی — کہ جس پہ ایسا تری ذاتِ خاص کا ہو پیار

جو تُو اُسے نہ بناتا تو سارے عالم کو — نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار

تو فخرِ کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں — امیر لشکرِ پیغمبراں شہ ابرار ﷺ

تو بوئے گُل ہے اگر مثل گُل ہیں اور نبی — تو نورِ شمس ہے گر اور نبی ہیں شمس نہار

حیاتِ جان ہے تو، ہیں اگر وہ جانِ جہاں — تو نورِ دیدہ ہے گر ہیں وہ نورِ دیدۂ بیدار

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں — ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ — کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا شمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں — مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مرغ و مار

جو یہ نصیب نہ ہو اور کہاں نصیب مرے — کہ میں ہوں اور سگانِ حرم کی تیرے قطار

اُڑا کے باد مری مُشتِ خاک کو پسِ مرگ — کرے حضور ﷺ کے روضے کے آس پاس نثار

ولے یہ رُتبہ کہاں مُشتِ خاکِ قاسم کا
کہ جائے کوچہ اطہر میں تیرے بن کے غبار

انتساب

میں اپنی اس کوشش و کاوش کو اپنے نانا اور والدین کے ایثار، محبت و خلوص کا ثمرہ سمجھتا ہوں، جنہوں نے ہر قسم کے حالات کا سامنا کرتے ہوئے اعلیٰ تعلیم دلائی اور میرے اندر بھی ان صلاحیتوں کو بیدار و مہمیز کر کے اولوا العزمی کی راہ پر گامزن کیا۔ اس لئے میں اس کتاب کو اپنے نانا اور والدین کے نام منسوب کرتا ہوں۔

دعا گو ہوں:

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً (الاسراء/۲۴)

ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

استاذ و صدر شعبہ اسلامیات

قائد ملت گورنمنٹ ڈگری کالج لیاقت آباد

قاسم آباد کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

مقدمہ

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا آئینہ

نہ دکان آئینہ ساز میں نہ نگاہ آئینہ ساز میں

انسان مادہ اور روح سے عبارت ہے۔ انسان کے جسم کی نشوونما، بقا اور ترقی کے لئے ہوا، غذا اور بہت سی مادی اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح روح کی بالیدگی، تروتازگی اور ترقی کے لئے روحانی آسودگی اور روحانی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح جسم اپنے موافق حالات میں توانا ہوتا اور اپنی ذمہ داریاں عمدگی سے بجالاتا ہے۔ اسی طرح روح بھی اپنا عمل مساعد ماحول میں مکمل کر پاتی ورنہ نہیں۔

خالق کائنات نے انسان کی مادی اور روحانی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ایسے انتظامات فرمائے ہیں، جن کی موجودگی سے نہ صرف جسمانی ضروریات پوری ہوتی ہیں بلکہ انسان کی روحانی قدریں بھی پروان چڑھتی ہیں۔ میری مراد ''وحی اور نبوت'' سے ہے ابتداء آفرینش کے وقت انسان کے مسائل محدود اور سادہ نوعیت کے تھے، اس لئے احکام الٰہی بھی تھوڑے اور وقتی ہوتے تھے، لیکن انسانی شعور کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ انسانی ضرورتوں میں بے پناہ اضافہ ہوتا رہا، اسی طرح احکام خداوندی میں بھی اضافہ ہوتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو احکام دیئے وہ انسان کی تمام

دینی و دنیاوی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، اس لئے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہیں اور قیامت تک قابل عمل رہیں گے۔

آپ ﷺ کو قرآن کریم کی شکل میں علم کا ایسا معجزہ دیا گیا جو قیامت تک دنیا کو اپنے علوم کے ذریعہ مسحور کرتا رہے گا جس طرح آپ ﷺ جامع العلم و جامع الصفات ہیں، اسی طرح امت مسلمہ نے دیگر امتوں کے مقابلہ پر بہتر انداز میں اپنی نبی کی اطاعت کی۔

مسلمانوں کے علماء اور فضلاء نے ہر دور میں علوم وفنون کی اقسام اور ان کی تاریخ پر کتابیں لکھیں ہیں، ان میں اولیت کا شرف یعقوب بن اسحاق کندیؒ (م ۲۶۰ھ/ ۸۷۳ء) اور ابوزید سہل بلخیؒ (م ۳۲۲ھ/ ۹۳۴ء) کو حاصل ہے، جنہوں نے سب سے پہلے علی الترتیب ''کتاب فی اقسام العلم الانسی'' ''کتاب فی ماہیۃ العلم و اصنافہ'' اور کتاب فی اقسام العلم'' لکھیں۔ بدقسمتی سے یہ کتابیں آج کل ناپید ہیں۔ ان کے علاوہ کتابوں میں اس موضوع پر مندرجہ ذیل مصنفوں کی تصانیف کے نام ملتے ہیں:

۱۔ الفارابی (م ۳۲۹ھ/ ۹۲۹ء) احصاء العلوم
۲۔ محمد بن احمد یوسف خوارزمی (م ۳۸۷ھ) مفاتیح العلوم
۳۔ رسائل اخوان الصفاء (چوتھی صدی ہجری)
۴۔ ابن فریغون (م چوتھی صدی ہجری) جوامع العلوم
۵۔ ابن الندیم (م ۳۷۷ھ) الفہرست
۶۔ ابن سینا (م ۴۲۸ھ/ ۱۰۳۷ء) اقسام العلوم العقلیہ
۷۔ محمد بن خیر اشبیلی (م ۵۷۵ھ) فہرست ماروٰہ عن شیوخہ
۸۔ امام فخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ) حدائق الانوار فی حقائق الاسرار

اس کے بعد دائرۃ المعارف کی طرز پر لکھی جانے لگیں، مثلاً:

۱۔ النویری (م ۷۳۳ھ/ ۱۳۳۳ء) نہایۃ الادب فی فنون الادب
۲۔ القلقشندی (م ۸۲۱ھ/ ۱۴۱۸ء) صبح الاعشیٰ فی صناعۃ الانشاء

متاخرین میں مندرجہ ذیل علماء نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں ہیں۔

۱۔ طاش کوپری زادہ (م ۹۶۸ء/ ۱۵۶۱ء) مفتاح السعادۃ ومصباح الصیادۃ
۲۔ حاجی خلیفہ (م ۱۰۶۷ء/ ۱۵۶۷ء) کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون

۳۔ محمد اعلیٰ تھانوی (م بارہویں صدی ہجری) کشاف اصطلاحات الفنون
۴۔ نواب محمد صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء) ابجد العلوم
۵۔ متاخرین کی تصانیف میں ممتاز ترین کتاب کشف الظنون عن اسامی الکتب و الفنون ہے۔
۶۔ بروکلمان کی تاریخ ادبیات عربی
۷۔ فواد محمد سزگین کی تاریخ علوم اسلامیہ
۸۔ صلاح الدین کی دلیل مولفات الحدیث ﷺ القدیمہ والحدیثہ
۹۔ محمد ماہر حمادہ کی المصادر العربیۃ والمعربۃ
۱۰۔ کشاف الدوریات العربیۃ عبدالجبار کی
۱۱۔ صلاح الدین کی معجم ماالف عن رسول صلی اللہ علیہ وسلم قابل ذکر ہیں۔

مؤخر الذکر کتاب میں سیرت طیبہ ﷺ پر ہونے والے کام کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔ سیرت طیبہ کے ۱۲۳ پہلوؤں پر ہزاروں تصانیف کی شکل میں جو کام ہوا ہے اسے اس گلدستہ میں سجا دیا گیا ہے۔

اس فہرست سے سیرت کے ہر پہلو پر کام کی نشاندہی ہوتی ہے۔ لیکن جو پہلو تشنہ ہے وہ سیرت کے ماخذ و مصدر اور اصول سیرت نگاری کا ہے۔ البتہ کچھ حضرات نے ضمنی بحث کے طور پر اپنی تصانیف ذکر کیا ہے۔ مثلاً

۱۔ شبلی نعمانی نے اپنی سیرت النبی کے مقدمہ میں
۲۔ عبدالرؤف داناپوری نے اپنی اصح السیر کے آغاز میں
۳۔ ڈاکٹر نثار احمد نے نقوش سیرت میں
۴۔ موسوعۃ نظرۃ النعیم جو سیرت طیبہ ﷺ پر پہلی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس نے فقط سطریں صرف کی ہیں۔
۵۔ ڈاکٹر فاروق حمادہ نے مصادر السیرۃ النبویۃ کے نام سے ۱۵۰ صفحات پر
۶۔ ڈاکٹر خالد انور نے اپنے پی ایچ ڈی مقالہ اردو نثر میں سیرت نگاری کے مقدمہ میں

۷۔ ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر نے سیرت نبوی ﷺ کے مصادر و مراجع کے نام سے ۶۲ صفحات پر اس پہلو سے بحث کی ہے۔

ان تمام محققین نے بھی اپنی بحث کو سیرت نگاری کے چند اصولوں تک محدود رکھا ہے۔ سوائے مؤخرالذکر تین شخصیات کے۔ چند سال قبل بہاولپور یونیورسٹی میں سیرت چیئر کے زیر اہتمام انٹرنیشنل سیرت کانفرنس کا اہتمام کیا گیا اور مندوبین کو سیرت طیبہ ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر عنوانات کی ایک فہرست دی گئی تا کہ محققین اپنے پسندیدہ پہلو پر مقالہ تحریر کریں۔ میں نے سیرت طیبہ ﷺ کے ماخذ و مصادر پر مضمون تحریر کر کے کانفرنس کے مندوبین کے سامنے پیش کیا، جسے بعض اہل علم نے بہت سراہا اور میری حوصلہ افزائی کی کہ اس موضوع پر تفصیل سے لکھوں۔ اس لئے کہ یہ ایسا پہلو تھا جس پر میرے سوا کسی مقالہ نگار نے لکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ میں اس وقت کراچی کی ایک عظیم لائبریری

خالد ایم اسحٰق ایڈووکیٹ لائبریری

کا انچارج تھا۔ اس ذخیرہ میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد کتب ہیں اور سیرت طیبہ ﷺ کی ہر اہم کتاب موجود ہے۔ لیکن اصول سیرت نگاری پر کوئی مستقل کتاب نہیں تھی۔ لہٰذا میں نے اس پہلو پر مسلسل مطالعہ و حصول مواد کے سلسلہ کو جاری رکھا۔ طویل کوشش و غور کے بعد یہ ایک طالب علمانہ مطالعہ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ یہ ابتدائی کوشش ہے اسے حرف آخر نہ سمجھا جائے میں کیا میری بساط کیا بقول شاعر

تو آفتاب غار بھی تو پرچم یلغار بھی ۔۔۔ عجز و وفا بھی پیار بھی شہہ زور بھی سالار بھی
طلسم جھوٹے خداؤں کا جس نے توڑ دیا ۔۔۔ رگوں سے جاہلیت کا لہو نچوڑ دیا
مصنف کا قلم خاک لٹائے گا خزانے ۔۔۔ قرآں میں قصیدے تیرے لکھے ہیں خدا نے

حقیقت یہ ہے میں سمجھتا ہوں اگر سیرت نگاری اصولوں کی روشنی میں ہو تو اس سے سیرت میں نکھار اور تنوع پیدا ہوگا۔ روایتی اسلوب سے ہٹ کر عہد حاضر کے اسلوب میں کام کی ضرورت ہے۔ ہم اگر سیرت نگاری میں مذکورہ اصولوں کو پیش نظر رکھیں تو یقیناً عہد حاضر کے قاری کو سیرت طیبہ ﷺ کی طرف بہتر انداز میں مائل کر سکتے ہیں۔

بہت سے واقعات اس وقت تک پوری طرح یا تو سمجھے ہی نہیں جا سکتے، یا اُن کی

صحیح قدر و قیمت نہیں معلوم ہوسکتی، جب تک اُن واقعات کے پیش آنے کے مقام کا جغرافیہ، معاشی و سیاسی حالت وہاں والوں اور اس واقعے میں حصہ لینے والوں کی نفسیاتی، کیفیت، اُس مقام کے ماحول اور ہمسائے کی داخلی اور اثر انداز حالتیں اور دیگر بہت سے امور کا مطالعہ نہ کیا جائے، اوروں کے حالات سے مقابلہ بھی ایک مزید پہلو ہے۔

لکھنے والے کی عقیدت، اہلیت، سہولت، حالات کی مساعدت، وسائل کی فراہمی وغیرہ کا بھی خیال کیا جاتا ہے۔

ایک ہی واقعے سے مختلف ذہن، مختلف نتائج کا استنباط کرتے ہیں۔ سیرت نبویہ اس وقت دنیا کی ہر مہذب زبان میں ملتی ہے۔ اور بعض زبانوں میں ہزاروں کتابیں اس ایک موضوع پر ملتی ہیں۔ اگر مکررات کو حذف بھی کر دیں تو بھی ہر کتاب میں کوئی نہ کوئی خاص پہلو اہمیت رکھتا ہے۔ صرف آپ کی جنگوں ہی کو لیجئے کوئی اُن کا ذکر کہانیوں کے طور پر کرتا ہے۔ کوئی فن حرب کی تاریخ میں ان کو جگہ دینے کے لئے ان کا بیان کرتا ہے۔ کوئی قانون بین الممالک کے قواعد جنگ کی نظیروں کے لئے ان کا مطالعہ کرتا ہے۔ کوئی عربی سپاہی کی نفسیات، قوت برداشت، بہادری، موقع محل سے استفادے کی اہلیت وغیرہ کا مواد ان میں تلاش کرتا ہے۔

کتاب کی خصوصیات

- یہ اپنے موضوع پر پہلی جامع و مفصل کتاب ہے۔
- اس میں سیرت نگاری کے حوالہ سے پہلی دفعہ طالب علمانہ انداز میں نئے پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔
- کتاب جامع اور محققانہ اسلوب میں لکھی گئی ہے۔
- کتاب فرقہ وارانہ مباحث سے محفوظ رہ کر خالص علمی انداز میں لکھی گئی ہے۔
- قرآنی آیات و احادیث کی صحت کا حتی الامکان اہتمام کیا گیا ہے۔
- یہ کتاب چار سالہ جہد مسلسل اور غور و خوض کا ثمرہ ہے۔
- کتاب میں نئے سیرت نگاروں کی رہنمائی کا مکمل اہتمام کیا گیا ہے۔

❀ ...... اصول سیرت کے ان نئے اصولوں پر خصوصی توجہ دی گئی ہے جن کا دیگر محققین نے ذکر نہیں کیا ہے۔

❀ ...... کتاب [illegible] کوشش کی [illegible]

اس موقع پر کمپوزر جناب عبدالماجد پراچہ صاحب اور جملہ احباب جنہوں نے مواد کی فراہمی اور پروف ریڈنگ میں میری بھرپور مدد کی کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔ (جزاکم اللہ خیرا)

قارئین سے گزارش ہے سیرت النبی ﷺ پڑھتے ہوئے جہاں آپ ﷺ کا نام آئے وہاں صلی اللہ علیہ وسلم کہیں، جہاں کسی صحابی کا نام آئے وہاں رضی اللہ عنہ کہیں، جہاں کسی صحابیہ کا نام آئے وہاں رضی اللہ عنہا کہیں جہاں کسی بزرگ کا نام آئے وہاں رحمۃ اللہ علیہ کہیں۔ باادب بانصیب بے ادب بے نصیب۔

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ سیرت کا مطالعہ تمام سیرتوں سے بے نیاز کرسکتا ہے لیکن تمام عظیم ہستیوں کی سیرت کا مطالعہ آپ ﷺ کی سیرت سے بے نیاز نہیں کرسکتا! یہ شاعری نہیں حقیقت ہے، آخر میں دعاء ہے

حرف دُعا ہوں صورت پذیرائی دے مجھے	دیکھوں نظر کی اوٹ وہ بینائی دے مجھے
یادرسولؐ، پیار کی سچائی دے مجھے	مدح نبیؐ، قرینۂ گویائی دے مجھے
کاغذ کی ناؤ ڈال رہا ہوں بہاؤ پر	تنکا بھی پاؤں رکھنے چلا ہے الاؤ پر
میں اور وصفِ شاہِ پیمبر رقم کروں	بادل قلم بنے تو سمندر رقم کروں
کیا کیا میں لوح ارض و سما پر رقم کروں	دنیائیں اور ہوں تو وہ پیکر رقم کروں

ڈاکٹر صلاح الدین ثانی
استاذ وصدر شعبہ اسلامیات
قائد ملت گورنمنٹ ڈگری کالج لیاقت آباد کراچی

سیرت کا دیگر علوم سے تعلق و امتیاز

اس کائنات میں انسانوں کے علاوہ دیگر مخلوقات بھی ہیں، لیکن انسانوں کے علاوہ دیگر مخلوقات کے پاس گزشتہ حالات و واقعات، تجربات و مشاہدات کا کوئی سرمایہ نہیں ہے گویا جس طرح جنگل کی زندگی گزاری جاتی ہے یہ بھی گزارتے ہیں۔ آخر ریچھوں اور بندروں کو کیا معلوم کہ ان کے جد اعلیٰ کون تھے؟ کن کن جنگلوں وادیوں اور پہاڑوں سے چھلانگیں مارتے ہوئے ان کے آباء و اجداد موجودہ مقام تک پہنچے؟ کن کن حالات سے انہیں دوچار ہونا پڑا؟

لیکن ان کے مقابلہ میں انسان ہیں جنہوں نے حتی الوسع کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حال کی تعمیر میں ماضی کے تجربات و واقعات سے نفع اٹھایا جائے اور اس کے لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ گزرے ہوئے واقعات کو محفوظ کرلیا جائے، انسانوں کی اسی کوشش کا نام تاریخ اور آثار قدیمہ ہے۔ اگرچہ ابتداءً اس کی طرف توجہ کم رہی، لیکن آج یہ ایک مسلمہ ناگزیر ضرورت ہے۔ جس کی وجہ سے ہر قوم اپنی توانائی کا بڑا حصہ اس پر صرف کر رہی ہے۔ اپنے گڑے ہوئے مردوں، مدفون ہڈیوں اور کتبوں کو جمع کیا جارہا ہے۔ ایک ایک ٹھیکری کو چن کر جوڑ کر پڑھنے کی کوشش کی جارہی ہے اور انہی پر حقیقی یا خیالی بلند و بالا تاریخی عمارتیں کھڑی کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ گویا تاریخ کی علمی ضرورت کو دنیا کی اکثر قوموں نے تسلیم کرلیا ہے۔

دنیا کی اسی تاریخ کے ایک عظیم الشان، حیرت انگیز انقلابی حصہ کا نام حدیث نبوی و سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ (ملحوظ رہے اصطلاحی تاریخ مراد نہیں) میرا مطلب ہے جن انقلابات و حوادث سے گزر کر نسل انسانی آج ہم تک پہنچی

ہے اس میں ایک ایسا واقعہ جس نے کسی خاص شعبہ حیات ہی میں نہیں بلکہ مذہبی، سیاسی، معاشرتی، اخلاقی تمام شعبوں میں انسانیت کا رخ پلٹ دیا۔ جس سے مغرب و مشرق عرب و عجم سب متاثر ہوئے۔ اس حیرت انگیز انقلاب کی روداد کا نام سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس کسی قوم وامت کے پاس ماضی کا جو بھی سرمایہ ہے وہ وثوق واعتماد میں تاریخ کے اس حصہ جسے ہم حدیث یا سیرت نبوی ﷺ کا عنوان دیتے ہیں مقابلہ نہیں کرسکتا ہے۔

سرمایہ سیرت ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو یا دیگر انبیاء علیہم الصلوٰت والسلام کا اس کے بارے میں قرآن کریم نے واضح حکم دیا ہے:

فاقصص القصص لعلهم يتفكرون (۱)

یعنی لوگوں کو پچھلے قصے سنایا کرو تا کہ وہ سوچیں قصص الانبیاء کو احسن القصص کہا گیا ہے گویا انبیاء کی سیرت بیان کرنے کی طرف خصوصی طور سے متوجہ کیا گیا ہے۔

لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ ﷺ کے احوال زندگی کا عمیق مطالعہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے ضروری ہے بلکہ غیر مسلموں کے لئے بھی ایک فریضہ انسانی کا درجہ رکھتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے تو یہ مطالعہ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ ہمیں خالق کائنات نے اپنی کتاب میں اس بات کا حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں۔ (۲) رسول اُسوہ حسنہ ہے۔ (۳) ہمیں اپنے آپ کو انہی کے رنگ میں رنگنے اور ڈھالنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ لیکن ہم اس حکم کی تعمیل صرف اسی صورت میں کرسکتے ہیں جب کہ سیرت طیبہ سے واقفیت حاصل کرلیں بار بار پڑھیں، سنیں، دوسروں کو سنائیں، خود یاد رکھیں، دوسروں کو یاد دلائیں۔

ایک غیر مسلم کے لئے حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ اس لئے فریضہ انسانی کا درجہ رکھتا ہے کہ نوع انسانی میں سے مرد کامل کا صرف یہی ایک نمونہ ہے۔ (۴) کوئی مانے یا نہ مانے لیکن یہ جان لینا تو ہر آدمی پر فرض ہے کہ ہر پہلو سے کامیاب و کامران اور ہر اعتبار سے ممکن انسان کیسا ہوتا ہے؟ اس لئے کہ ہر شخص میں کامیاب و بامقصد زندگی گزارنے کی

فطری خواہش ہوتی ہے اور اس خواہش کی تکمیل کے لئے کسی کو آئیڈیل تسلیم کرنا پڑتا ہے۔
یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کسے آئیڈیل تسلیم کیا جائے؟ کس کی سیرت وسوانح کا مطالعہ کیا جائے۔ جو انسانی مسائل کے حل میں مکمل رہنمائی کرتی ہو۔ زمین پر زمانہ نا یادگار سے نوع انسانی آباد ہے اور آج بھی لاکھوں اور کروڑوں نہیں بلکہ اربوں آدمی اس دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سب کا قصہ ایک ہی سا قصہ ہے کہ پیدا ہوا، بڑوں نے دیکھ بھال کی، پرورش و پرداخت ہوئی، ایک محدود مدت تک زمین پر زندہ رہا اور بالآخر مرکر پیوند زمین ہوگیا۔ نہ پیدا ہونے میں اختیار و ارادہ کو دخل تھا اور نہ موت میں۔

حیاتِ جاوداں میری نہ مرگ ناگہاں میری

سب کہاں؟ جن چند لوگوں کا حال آپ کو معلوم ہے، ان ہی کی زندگیوں پر غور کیجئے۔ پیدائش اور موت پر تو یقیناً کسی کو بھی اختیار حاصل نہ تھا۔ لیکن سن بلوغ سے موت تک جو کچھ وہ اپنے ارادہ و اختیار سے کرتے رہے، ان اعمال و افکار میں انہوں نے اپنے ارادہ و اختیار کو کس کس طرح استعمال کیا اور وہ اپنے مقاصد زندگی میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہاں! اور یہ بھی دیکھئے کہ انہوں نے ایک رخ کی تکمیل کے لئے زندگی کے دوسرے رخوں کو نظر انداز تو نہیں کر دیا۔ مثلاً ایک شخص روحانی سکون حاصل کرنے کے لئے بیوی بچوں کو چھوڑ کر پہاڑ پر جا بیٹھا، تو اس کی زندگی اور پہاڑ کی چٹان میں کیا فرق باقی رہا۔ وہ نہ ہوا، پہاڑ کی ایک چٹان ہوئی، دوسرا بیوی بچوں اور عیش و عشرت دنیا میں اس طرح الجھا کہ ساری کائنات سے غافل ہوگیا، تو اس کی زندگی اور کتے بلیوں کی زندگی کے مابین امتیاز کیا رہا۔ وہ نہ رہا کتے رہے بلیاں رہیں۔ آدمی کا ہے کو ہوا محض ایک جانور ہو کے رہ گیا۔
انسانی زندگی تو مختلف اور متنوع فرائض و واجبات کا مجموعہ ہے اور ان ہی کی اچھی طرح تکمیل سے زندگی کا کمال وابستہ ہے۔ ایک آدمی پر کچھ فرائض اپنی ذات کی طرف سے عائد ہوتے ہیں۔ کچھ کنبے اور گھرانے کی طرف سے کچھ ہمسایوں اور اہلِ وطن کی طرف سے، کچھ قوم وملت کی طرف سے اور کچھ بنی نوع انسانی کی طرف سے، ان ہی متنوع فرائض و واجبات کی اس طرح متناسب و متوازن ادائیگی کی ایک وجہ سے دوسرا رُخ متاثر نہ ہو اور ایک میں انہماک سے دوسرے کی طرف سے تغافل نہ پیدا ہو جائے، کامیاب و کامران زندگی کہلاتی ہے۔ اپنی ذات سے وابستگی اور اپنی راحت و عافیت کا اہتمام یقیناً ہر انسان کی

اولین تمنا ہے۔ اس حد تک کہ پہاڑوں میں تارک الدنیا کی زندگی بسر کرنے والے سادھو بھی بھوک پیاس کے لئے کچھ نہ کچھ جتن کیا ہی کرتے ہیں اور گرمی سردی سے بچنے کے لئے کوئی نہ کوئی غار تلاش کر ہی لیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی ہی ذات کو مقصود و معبود بنا لے اور زندگی کے دوسرے واجبات سے غافل ہو جائے تو اس کی زندگی کو نمونہ کی کامیاب زندگی نہیں کہا جا سکتا اور نہ ایسی کسی زندگی سے ہمارے لئے کوئی ہدایت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ ؎

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

اب اس تصویر کا دوسرا رخ لیجئے۔ ایک شخص وطن دوستی بلکہ ناپاک وطن پرستی کے نشہ میں سرشار ہو کر اپنے اوپر خود فراموشی کی کیفیت طاری کر لیتا ہے، نہ اپنی ذات کی فکر کرتا ہے، نہ پلٹ کر بیوی بچوں کی طرف دیکھتا ہے۔ حتیٰ کہ ان عمومی فرائض و واجبات کی طرف سے بھی غافل ہو جاتا ہے، جو محض ایک انسان ہونے کی وجہ سے اس پر عائد ہوتے ہیں۔ ایسے شخص کو کوئی ذی ہوش آدمی کامیاب و کامران بھلا آدمی نہیں کہہ سکتا۔ یہ تو ممکن ہے کہ کسی تنگ نظر وطنی حکومت کا اسے سربراہ بنا دیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی شہر کے باغ عام میں آنے والی نسلوں کے دماغوں کو زہرناک بنانے کے لئے اس کا مجسمہ نصب کر دیا جائے۔ مگر ایک بلند نظر آدمی اسے اچھا نمونہ نہیں قرار دے سکتا۔

پھر یہ بھی دیکھئے، ایک آدمی کو اپنی اس مختصری زندگی میں کیسے کیسے متنوع حالات سے گزرنا پڑتا ہے، کبھی دولت کی فراوانی، کبھی غربت کی پریشانی کہیں دوست سے واسطہ پڑتا ہے، کہیں دشمن سے مقابلہ، کبھی صحت و قوت، کبھی بیماری و ناتوانی، آدمی کو کیا کیا نہیں کرنا پڑتا ہے۔ کبھی قوم کا سردار کبھی سردار کا فرماں بردار۔ کہیں حکومت و جماعت کا منتظم کہیں نادانوں کا معلم، یہ انسان ہی تو ہے جو کبھی فوج کا کمانڈر اور کبھی جج بن کر داد عدل گستری دیتا ہوا نظر آتا ہے۔

کیا یہ حقیقت و واقعہ نہیں ہے کہ ہم اپنے بڑوں سے بہت کچھ سیکھتے ہیں تو کیا یہ ضروری نہیں کہ ہمارے سامنے ایک ایسا عملی نمونہ ہو، جس کی سیرت میں انسانی زندگی کے ان متنوع و مختلف حالات کا کامیاب نمونہ ہمیں مل جائے، تلاش کیجئے دنیا کی تاریخ میں کوئی ایک شخص بھی ایسا دکھائی دیتا ہے، جو ہمارے لئے ان تمام حالات میں نمونہ کا کام دے سکے۔ بہت سے فاتحین اور کشور کشاؤں کا حال ملتا ہے، بہت سے فلسفیوں کے افکار ملتے ہیں، بہت

سے تارک الدنیا لوگوں کے تذکرے ہم سنتے ہیں۔ بہت سے بادشاہوں، وزیروں اور عالموں، فاضلوں کے قصے موجود ہیں۔ ان کی بڑائی تسلیم، ان کی سربلندیاں سرآنکھوں پر مگر غور سے دیکھئے تو یہ سب کچھ سیرت انسانی کے کسی ایک رُخ کی کہانی سے زیادہ کچھ ہے؟ اس سے انکار نہیں اور ہمارا تو ایمان ہے کہ انسانوں کے پیدا کرنے والے خالق نے ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں عملی زندگی کی رہنمائی کے فرائض انجام دینے کے لئے سچے اور بہترین رہنما بھیجے تھے، لیکن ان کے حالات ہم تک کہاں اور کتنے پہنچ سکے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ان میں اکثر کی تاریخی شخصیت بھی قابل اعتماد تاریخوں سے ثابت نہیں ہوتی۔ اور جو کچھ مستند یا غیر مستند حالات ہمیں ملتے ہیں، وہ محض چیدہ چیدہ واقعات ہیں، جن سے ان بزرگوں کی سیرت و کردار کا مکمل تو کیا کوئی نامکمل خاکہ بھی تیار نہیں ہوسکتا۔ ہزاروں سوالات پیدا ہوتے ہیں اور محض سوالات ہی رہ جاتے ہیں۔ ان کے حل کرنے کے لئے ہمیں ان قصہ کہانیوں میں کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی۔

اس کے برخلاف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے والا کسی جگہ تاریکی کا نشان نہیں پاتا۔ ہر چیز واضح اور چمکتے ہوئے آفتاب کی طرح واضح ہے۔ آپ کا شخصی کردار، رحمت، رأفت، شفقت خشیت، عبادت، شجاعت عدالت، صداقت، سخاوت، فراست، متانت، ایثار، احساس ذمہ داری، عاجزی اور تواضع، صبر، توکل، ثبات، دانش مندی وغیرہ وغیرہ سب کی کیفیت اور ان کے عملی نمونے مل جاتے ہیں اور بہت سے مل جاتے ہیں۔ اسی طرح آپ کی گھریلو زندگی میں اچھے شوہر، اچھے باپ اور اچھے نانا دادا وغیرہ کے بہترین نمونے ہمیں ملتے ہیں، جماعتی زندگی میں اچھے دوست، اچھے ساتھی، شفیق سردار اور مساکین کے سرپرست و مددگار کا بہترین نمونہ ہمیں آپ کی ذات میں ملتا ہے۔ اسی طرح ملی و قومی زندگی میں عدل، انصاف، فوجوں کی کمانڈری، انتظامات حکومت، رعایا پروری، سیاسی سمجھ بوجھ، دوستوں کی دلداری، دشمنوں کے ساتھ نیک سلوک وغیرہ ایسا مکمل اور اتنا بہترین نقشہ ہمیں سیرت طیبہ میں دکھائی دیتا ہے کہ ویسا اور کہیں نہیں دکھائی دیتا اور کمال یہ ہے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے یہ سارے نمونے صرف ایک ہی مقدس و مکمل انسان میں مل جاتے ہیں اور مطالعہ کرنے والا بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ ۔

کاسئہ غیر کو، اور منہ سے لگاؤں، توبہ

شان پہچانتا ہوں یار کے پیمانے کی

اس کی ضرورت ہی نہیں پڑتی کہ زندگی کے کسی مرحلہ پر اور کسی حالت میں کہیں اور سے کوئی سبق حاصل کیا جائے، خوشی، غم، تونگری، افلاس، سرداری، حکومت، اقتدار، ناتوانائی، صلح، جنگ، امن، بدامنی، اخلاص، دشمنی وغیرہ آخر آپ کو اپنی زندگی میں ان ہی باتوں سے تو واسطہ پڑے گا۔ آپ کو ان حالتوں میں کیا یقین رکھنا چاہیئے اور کیا عمل کرنا چاہیئے کہ آپ کامیاب رہیں اور آپ کا خالق بھی آپ سے خوش رہے۔ اس کا جواب آپ کو صرف سیرت طیبہ ہی میں مل سکتا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دین اسلام ہی کی تکمیل نہیں فرمائی بلکہ نبوت اور رہنمائی کے سلسلے کو آپ پر ختم کرکے سیرت انسانی کی بھی تکمیل فرمادی۔ اور اس طرح تکمیل فرمادی کہ اس سے زیادہ مکمل اور اتنے اچھے نمونہ کردار کا تصور بھی ممکن نہیں۔

مسلمانوں کے لئے تو اس بات کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں۔ اس لئے کہ یہ ان کا ایمان ہے اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ خالق کائنات کی رضامندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلصانہ اتباع کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوسکتی۔ اور بغیر حصول رضائے الٰہی نہ دنیا بھلی اور نہ آخرت۔ البتہ ایک غیر مسلم کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ اس لئے کہ اس میں ایمان و یقین کا فقدان ہے۔ لیکن سیرت طیبہ کا عمیق مطالعہ اس کے لئے بھی ایک فریضہ انسانی کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر اس نے سیرت طیبہ کا مطالعہ نہیں کیا تو اسے کہیں دنیا میں ایسا مکمل، واضح اور تفصیلی نمونہ، کامیاب انفرادی، اجتماعی اور قومی زندگی کا نہیں مل سکتا۔ وہ اپنی زندگی کے بہت سے مرحلوں میں یا تو کشمکش و پیچ میں گرفتار ہو جائے گا یا بری طرح ٹھوکریں کھائے گا۔ زندگی بہرحال زندگی ہے چاہے مسلمان کی زندگی ہو یا غیر مسلم کی۔ یہ وقت سب پر آتا ہے جب ایک آدمی کا دماغ یہ سوال کرتا ہے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے اور ہمارے عمل کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ لازم ہے کہ آدمی کے سامنے اس سوال کے وقت کوئی نمونہ عمل موجود ہے۔ ایک نبی اور ایک فلسفی کے مابین یہ واضح فرق ہر جگہ نمایاں ہے کہ نبی جو کچھ کہتا ہے، اس کے مطابق عمل کرکے دکھاتا ہے اور فلسفی جو کچھ سوچتا ہے، وہ کہتا ہے نہ خود اس کے مطابق عمل کرتا ہے اور نہ کسی دوسرے عمل کرنے والے کو نتائج عمل کی ضمانت دیتا ہے۔ مسلم اور غیر مسلم دونوں کو یہ یاد رکھنا چاہیئے اقبال نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

لفظ "اصول" کی تحقیق: اصول (Principles) اُصل کی جمع ہے۔(۵) اردو میں اس کے معنی ہیں بنیادیں۔(۶) المنجد کے مطابق اصول کہتے ہیں: القوانین و القواعد التیبنی علیها العلم۔ (۷) ایسے قوانین و قواعد جو کسی علم و فن کو بنیادیں فراہم کریں۔ سورۂ ابراہیم میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوا۔(۸) اَبی ہلال عسکری اُصل اور اساس میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ہر اساس اصل نہیں ہوتی اور نہ ہر اُصل اساس ہوتی ہے۔(۹) لہٰذا میرے خیال میں اصول سیرت کا مطلب ہوگا ایسے اصول جو فہم سیرت میں معاون و بنیاد ثابت ہوں۔

سیرت کی لغوی تعریف: "سیرۃ" ساز یسیر سیراً سے چلنے پھرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے معنی ہیں طریقہ، راستہ، روش، شکل و صورت (۱۰) سیرۃ کی جمع سیر ہے جس کے معنی ہیں طرز عمل برتاؤ یہ لفظ دو خود مختار سیاسی وحدتوں کے تعلقات معاملات کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔(۱۱) فقہاء، محدثین کے ہاں لفظ سیرت و سیر مغازی اور جہاد کے معنوں میں مستعمل ہے۔ چنانچہ امام مسلم کی جامع میں کتاب السیر والجہاد(۱۲) اور حافظ ابن حجر کی فتح الباری میں کتاب المغازی والسیر کے عنوانات موجود ہیں(۱۳) فقہ میں بھی یہ لفظ انہی معنوں میں مستعمل ہے۔ بلکہ اسی نام سے متعدد کتب ہیں(۱۴) ابن اسحٰق اور واقدی کی کتب کو کتب سیر کے ساتھ کتب مغازی بھی انہی معنوں میں کہا جاتا ہے۔(۱۵)

لسان العرب کے مطابق سیرۃ حسن السیرۃ اچھے چال چلن کے معنی میں ہے۔(۱۶) تاج العروس کے مطابق طریقہ اور برتاؤ کے معنی میں ہے کہا جاتا ہے، سارا لوالی فی رعیته سیرة حسنة یعنی حاکم نے رعایا کے ساتھ اچھے طریقہ کا برتاؤ کیا(۱۷) یہی معنی الصحاح نے بھی بیان کئے ہیں۔(۱۸) سیرۃ کا لفظ سوانح حیات کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے(۱۹) تاریخ بیان کرنے کے معنی میں بھی ہے(۲۰) اور ذاتی جواہر بھی بیان کیا گیا ہے(۲۱) قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ لفظ آیا ہے۔ مثلاً سنعید ها سیر تها الاولیٰ (۲۲) ہم اسے اسی ہئیت میں کر دیں گے جس میں پہلے تھی۔ یہاں سیرۃ حالت و ہئیت کے

معنی میں ہے دوسری جگہ اس کی جمع استعمال ہوئی ہے۔ قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین (۲۳) اے نبی ﷺ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ زمین میں گھوم پھر کر جھٹلانے والوں کا انجام دیکھ لو۔ یہاں سیر کا لفظ غور و فکر کے معنی میں ہے۔ یعنی جس کے حالات میں غور و فکر کیا جائے وہ سیرت ہے (۲۴)

خلاصہ کلام یہ کہ سیرۃ کا لفظ (۱) جانا، روانہ ہونا، چلنا (۲) روش، طریقہ (۳) شکل و صورت اور ہیئت (۴) کردار (۵) طرز زندگی، زندگی کے نشیب و فراز (۶) عادت (۷) قصے، کہانی، سابقہ واقعات (۸) اور ایسی سوانح جسے غور و خوض کے ساتھ لکھا و بیان کیا جائے ان سب پر لغواً اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ (۲۵)

سیرت کی اصطلاحی تعریف: (۱) اصطلاح میں پروفیسر عثمان کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی اور اخلاق و عادات بیان کرنے کا نام سیرت ہے۔ (۲۶)

(۲) مولانا ادریس کاندھلویؒ کے مطابق آنحضرت ﷺ کی اصل سیرت تو سارا ذخیرہ احادیث ہے لیکن متقدمین کی اصطلاح میں فقط غزوات و سرایا کے حالات و واقعات کے مجموعہ کو سیرت کہتے تھے۔ (۲۷)

(۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق سیرت کا اطلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی (سوانح) پر اس کا اطلاق ہوتا رہا ہے اور اب بھی اس کا خصوصی مفہوم یہی ہے۔ (۲۸)

(۴) قاسمی صاحب کے مطابق سنت کہتے ہیں، جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہو قولاً، فعلاً، تقریراً صفت خُلقِیَة یا خَلقِیَة یعنی سیرت خواہ نبوت سے پہلے کے زمانہ پر مشتمل ہو یا بعد کے زمانہ پر سب کو سیرت کہا جاتا ہے۔ (۲۹)

(۵) محمد سرور کی رائے ہے سیرت کا لفظ جب مطلقاً بولا جاتا ہے تو شریعت میں اس سے مراد وہ کام ہوتا ہے۔ جو نبی کریم ﷺ نے کرنے کا حکم دیا یا جس سے روکا یا جسے جائز سمجھا۔ (۳۰) اور سیرت بھی ایک قسم کی تاریخ ہے۔ (۳۱)

(۶) شاہ عبدالعزیز ابن شاہ ولی اللہ کے مطابق:

آنچہ متعلق بوجود پیغمبر ما صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام و آں عظام است واز ابتدائے تولد آنجناب تاغایت و فات آں را سیرت گویند (۳۲)

جو کچھ ہمارے پیغمبر ﷺ اور حضرات صحابہؓ کی عظمت اوران کے وجود سے متعلق ہو جس میں آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے وفات تک کے واقعات بیان کیے گئے ہوں وہ سیرت ہے۔

سیرت کی یہ تعریف پچھلی تعریفات سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتی ہے۔ اس میں نبی کی ذات وسیرت کے بیان کے ساتھ صحابہؓ کی ذات وسیرت کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس کی تائید اگلی تعریفات سے بھی ہوتی ہے۔

(۷) مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے حدیث کی تعریف اس طرح کی ہے کہ اس میں سیرت نبوی ﷺ وسیرت صحابہؓ دونوں شامل ہیں۔ لکھتے ہیں:

حدیث کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور واقعات جو ان کے سامنے پیش آئے لیکن ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ لیکن بعضوں نے اسے آگے بڑھا کر پیغمبر ﷺ کے صحابہؓ اور بعضوں نے صحابہؓ کے شاگردوں یعنی تابعین کے اقوال وافعال کو بھی اس فن کے ذیل میں شریک کرلیا ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ حدیث مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ انسانیت کے اہم ترین انقلابی عہد کی تاریخ کا معتبر ترین ذخیرہ ہے۔ (۳۳) اور اپنے موقف کی دلیل کے طور پر لکھا ہے فن حدیث کے سب سے بڑے امام امام بخاری نے اپنی کتاب کا جو نام رکھا ہے۔ اگر اسی پر غور کرلیا جائے تو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ میں نے جو کہا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ سمجھنے والوں نے ہمیشہ اس فن کو اسی نگاہ سے دیکھا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب آج تو صرف "بخاری شریف" کے نام سے مشہور ہے، لیکن یہ اس کتاب کا اصلی نام نہیں ہے بلکہ خود حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا نام:

اَلْجَامِعُ الصَّحِیْحُ الْمُسْنَدُ الْمُخْتَصَرُ مِنْ "اُمُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَیَّامِہٖ"

رکھا ہے۔ اس حدیث کی صحیح تعریف ہے۔ اس میں امور اور ایام کے الفاظ قابل غور ہیں۔ جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی صحیح تعریف امام بخاری کے نزدیک ان تمام امور کو حاوی ہے جن کا کسی نہ کسی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہو۔ آگے ایام کے لفظ نے تو اس کی تعریف کو اور بھی وسیع کر دیا۔ یعنی وہی بات جو میں نے عرض کی تھی کہ فن حدیث دراصل اس عہد اور زمانہ کی تاریخ ہے جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی ہمہ گیر عالم پر اثر انداز ہونے والی ہستی انسانیت کو قدرت کی جانب سے عطا ہوئی۔ (۳۴) خلاصہ کلام یہ کہ حدیث کی تعریف سیرت کا احاطہ کرنے کے ساتھ صحابہ کے حالات کا بھی احاطہ کرتی ہے۔

(۸) مولانا ابوالکلام آزاد نے سیرت کی جو تعریف کی ہے وہ بھی اسی مفہوم کی وسعت کی تائید کرتی ہے۔ سنت و سیرت کی جگہ "قرآن و کتاب" کا لفظ بول دیا جائے کہ نام دو ہو گئے مگر حکایت شہد و عسل سے زیادہ نہیں، یعنی بات وہی ایک رہی۔ دلالت و تسمیہ میں تعدّد ہوا، مدلول و مسمّٰی میں نہیں،

عبارا تنا شتی و حسنک واحد

(ہماری عبارتیں والفاظ الگ الگ ہیں مگر تیرا حسن ایک ہے)

یا پھر اسی نسخہ کے اجزاء و توابع، جیسے آثار و سیر صحابہؓ و سلف امت اور معارف و بصائر ماخوذہ و مکتبۂ کتاب و سنت کہ گو اشکال و اسماء میں تفرقہ و امتیاز ہوا، مگر "بحکم علیکم بسنتی و سنۃ خلفا الراشدین" (۳۵) (میری اور خلفاء راشدین کی سنت کی اتباع اپنے اوپر لازم کرلو) اور

وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ (۳۶)

مبعوث کیا اس رسول کو دوسروں کے لئے بھی۔

اور

فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ (۳۷)

جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس پر بھی اللہ کا انعام ہے۔

اور

مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِی۔

جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقہ پر ہے۔

معنیً "حکماً جزء وکل، اصل وفرع، مصدر ومشتق یا شمس وکواکب کا سا معاملہ واقع ہوا ہے۔ روشنی صرف ایک ہی ہے اور ایک ہی کی ہے اگرچہ چاند سے بھی مل جائے اور چمکیلے ستاروں سے بھی...... اور اگر یہ دونوں صورتیں بھی نہیں تو پھر جو کچھ ہے، نہ تو علم ہے اور نہ شفاء، بلکہ خود جہل ہے اور مرض۔" آگے لکھتے ہیں:

سوانح و ایام بھی سیرت نبویہ ﷺ کے مختلف اجزاء ہیں بلکہ ہدایت قرآنی و حکمت نبوی ﷺ کے عملی ومجسم ثمرات ہونے کے لحاظ سے دلائل و آیات نبوت کے حکم میں داخل ہیں۔ پس یقیناً آپ کی سیرت مکمل نہ ہوتی اگر ان کے حالات بھی قرآن کریم میں پوری شرح وتفصیل سے نہ ملتے۔(۳۹)

لفظ "سیرت" کی اصطلاح کا اولین استعمال: سیرت نبوی ﷺ کے لئے

ابتداء "مغازی" یعنی غزوات کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ (غزوہ ان جنگوں کو کہا جاتا ہے جس میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت کی ہو۔(۴۰) یہ تھا کہ جس کا ابتدائی کتابوں میں آپ ﷺ کے غزوات کا تذکرہ زیادہ اور حیات طیبہ کا ذکر کم ہوتا تھا بعد میں چونکہ حیات طیبہ کا حصہ وافر تعداد میں شامل ہوگیا اس لئے اس کا سابقہ صحیح نام "سیرت" استعمال ہونے لگا۔ میرے خیال کے مطابق ابتداًء مغازی کا لفظ استعمال ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پچھلے زمانہ میں حکمرانوں کا بنیادی کارنامہ ان کی فتوحات ہوا کرتی تھیں۔ لہٰذا کسی حکمران کی بڑائی یہی تھی کہ اس نے جنگیں کی ہوں۔ یہی کسی شخص کے بڑا ہونے کا اسٹیٹس مقرر تھا۔ یہی وجہ ہے اسی رسم کے تحت آپ ﷺ کے مغازی کا پہلے رواج ہوا۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (The Encyclopaedia of Islam) کے مقالہ نگار جی لیوی ڈیلا ویڈا (G Levidella vida) کی تحقیق کے مطابق حضور ﷺ کی سوانح عمری کے لئے "سیرت" کا استعمال سب سے پہلے ابن ہشام نے کیا ہے وہ اپنی کتاب کو ہذا کو کتاب سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیتے ہیں۔(۴۱)

گویا پہلی کتاب جسے سیرت النبی کا نام دیا گیا، وہ سیرت ابن ہشام ہے ورنہ لفظ سیرت کا استعمال نبی کریم ﷺ کی سوانح کے لئے اس سے پہلے بھی بولا جاتا تھا مگر کتابوں کو ''مغازی'' کا نام دیا جاتا تھا سیرت کا نہیں (۴۲) اس کا ثبوت یہ ہے کہ متعدد احادیث میں آپ کی سوانح کے لئے صحابہؓ نے سیرۃ کا لفظ استعمال کیا ہے (۴۳) اور عہد نبوی ﷺ کے شاعر حضرت کعب بن مالکؓ نے غزوہ احد کے موقع پر نعتیہ قصیدہ کہتے ہوئے فرمایا تھا:

الحق منطقة و العدل سیرة ۔ فمن یجبه الیه یخج من ثبب (۴۴)

آپ ﷺ کی بات حق ہے آپ کی سیرت عدل ہے جس نے آپ کی پیروی کی وہ ہلاکت سے نجات پا گیا جس سے واضح ہوتا ہے آپ ﷺ کے لئے سیرت کا لفظ عام مستعمل تھا۔

سیرت النبی ﷺ کی دیگر علوم اسلامیہ سے یکسانیت اور امتیازی

خصوصیت کا جائزہ: سیرت النبی ﷺ بعض خصوصیات کے لحاظ سے حدیث بھی ہے اور تاریخ بھی۔ سوانح بھی ہے میلاد بھی اور بعض خصوصیات کے لحاظ سے فرق بھی ہے۔ لہٰذا سیرت کے مقام کے تعین کے لئے اس فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔

سیرت اور حدیث: سیرت و حدیث میں تین اعتبار سے یکسانیت پائی جاتی ہے۔

(۱) اصحاب حدیث (محدثین) تین امور کو جمع کرتے ہیں۔ پہلی یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا، دوسری یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا کام کیا، تیسری یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے یا آپ کے زمانہ میں کیا کیا گیا۔ اصحاب سیرت (سیرت نگار) بھی انہی تینوں امور کو جمع کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے دونوں کا کام ایک جیسا ہوا۔

(۲) محدثین نے رسول اللہ ﷺ کی بات صحت دریافت کرنے کے لئے قواعد و ضوابط مرتب کئے ہیں۔ لہٰذا بغیر کسی سند کے حدیث قبول نہیں کی جاتی۔ اصحاب سیر بھی بغیر سند کے یا جھوٹے شخص کی روایت کو قبول نہیں کرتے ہیں۔

(۳) اصحاب سیر اور اصحاب حدیث حقیقت کے اعتبار سے دو الگ جماعتیں نہیں ہیں۔ بلکہ جتنے محدثین ہیں، وہ سیرت نگار بھی ہیں جو سیرت نگار ہیں، وہ محدث بھی ہیں۔ مگر دونوں

کے مقاصد و اہداف الگ الگ ہیں، لہٰذا وجوہ ترجیح تبدیل ہو جاتی ہیں۔(۴۵) سیرت و حدیث میں آٹھ اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے۔

(۱) سیرت میں واقعات کے ربط و ترتیب کا اہتمام کیا جاتا ہے۔لیکن حدیث میں آپ کے حالات موجود ہونے کے باوجود سیرت کی طرح ترتیب لازم نہیں، بلکہ جہاں جس پہلو کی ضرورت ہوتی ہے محدث بیان کر دیتا ہے۔(۴۶) اس کی وضاحت میں ابوالبرکات لکھتے ہیں، محدثین کا مقصود بالذات احکام کو جاننا ہوتا ہے اور رسول کی ذات سے بحث ضمناً یا التزاماً ہوتی ہے اور سیرت نگار کے ہاں اس کے برعکس ہوتا ہے۔(۴۷)

(۲) سیرت کا مستند ترین مواد کتب احادیث ہی میں ہے، اگرچہ بعض اوقات سیرت نگاروں نے روایات کے بارے میں محدثین کی طرح مکمل احتیاط نہیں برتی، یہی وجہ ہے حدیث کی روایات کا درجہ سیرت کی روایات سے بلند ہے۔(۴۸)

(۳) محدثین ساری توجہ اس نکتہ پر صرف کرتے ہیں کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے یا نہیں، جبکہ سیرت نگار اس نکتہ پر توجہ دینے کے ساتھ یہ بھی جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ حضور ﷺ نے کب کہا؟ یا کس وقت یہ کام کیا یا آپ ﷺ کے سامنے کیا گیا ہو سرے یہ کہ ایسا کہنے یا کرنے کا سبب کیا تھا۔(۴۹)

(۴) سیرت نگار حضور ﷺ کے اقوال، افعال، واقعات کو مربوط و مسلسل بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسباب و علل کو بھی جاننا چاہتے ہیں جبکہ محدثین صرف روایت کی صحت پر توجہ دیتے ہیں۔(۵۰)

(۵) وجوہ ترجیح کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے محدثین و سیرت نگار دو الگ جماعتیں بن گئیں اور دونوں کے معیار تحقیق میں بھی فرق آ گیا۔ محدثین رواۃ کی ثقافت، تقویٰ اور دیانت کی کمی زیادتی کی بنا پر مقبول رواۃ کی روایتوں میں اختلاف کی صورت میں ترجیح دیتے ہیں۔ سیرت نگار حالات کی موافق اور واقعات کے علم کی بنا پر دو میں سے کسی ایک روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔(۵۱)

(۶) ندیم الواجدی لکھتے ہیں، سیرت میں درجہ صحت سے کم درجہ کی روایات سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔ حدیث میں اسکی گنجائش نہیں ہے۔لیکن یہ صرف ان احادیث کے لئے ہے جن کا تعلق احکام و مسائل سے ہوتا ہے۔(۵۲) علامہ عثمانی نے لکھا ہے علماء کا بڑا گروہ

اس کا قائل ہے کہ حدیث ضعیف سے فضائل اعمال اور قصص وغیرہ میں استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اس گروہ میں امام احمد، امام شافعی، ابوداؤد، امام نووی اور امام ابوحنیفہ شامل ہیں۔(۵۳) امام ابوحنیفہ ضعیف احادیث سے احکام میں بھی استفادہ کرتے ہیں اور رائے پر ترجیح دیتے ہیں لیکن صحیح حدیث پر ترجیح نہیں دیتے۔(۵۴)

(۷) مولانا ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں حدیث آٹھ علوم کے مجموعہ کا نام ہے اور سیرت اس کا ایک جزء ہے۔(۵۵)

(۸) حدیث کی کتابیں فقہی ابواب کی ترتیب پر تقسیم ہوتی ہیں اور سیرت کی کتابیں سنین یا واقعات کی ترتیب پر مرتب ہوتی ہیں۔(۵۶) مولانا شبلی نعمانی سیرت وحدیث کے فرق کا سبب بیان کرتے ہوئے ان الفاظ میں تجزیہ کرتے ہیں۔

> سیرت ایک جداگانہ فن ہے اور بعینہ فن حدیث نہیں ہے اور اس بنا پر اس کی روایتوں میں اس درجہ کی شدتِ احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جاتی، جو فن صحاح ستہ کے ساتھ مخصوص ہے اس کی مثال یہ ہے کہ فقہ کا فن قرآن کریم اور حدیث ہی سے مآخذ ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بعینہ قرآن کریم یا حدیث ہے یا ان دونوں کے ہم پلہ ہے۔

مغازی اور سیرت میں جس قسم کی جزئی تفصیلیں مقصود ہوتی ہیں، وہ فن حدیث کے اصلی بلند معیار کے موافق نہیں مل سکتیں۔ اس سے ارباب سیر کو تنقید اور تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے، اس بنا پر سیرت ومغازی کا رتبہ فن حدیث سے کم رہا ہے۔

جس طرح امام بخاری ومسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے، اس طرح سیرت کی تصنیفات میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا، آج بیسیوں کتابیں قدما سے لے کر متاخرین تک کی موجود ہیں مثلاً سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، سیرت ابن سید الناس، سیرت ومیاطی، حلبی، مواہب لدنیہ، کسی میں یہ التزام نہیں۔(۵۷)

سیرت اور تاریخ: اسلامی علوم میں سیرت کو ایک نیم تاریخی نیم سوانحی صنف قرار دیا گیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کا فن تاریخ فن سیرت نگاری سے متاثر

ہوا۔(۵۸)

سیرت تاریخ کی ایک نوع ہونے کے باوجود فن تاریخ سے الگ اور ممتاز صنف ہے۔تاریخ کی چند تعریفیں کی جاتی ہیں، مشہور ماہر تاریخ کافیجی (م ۸۷۹ھ) نے اپنی کتاب "المختصر فی علم التاریخ" میں یہ تعریف کی ہے کہ تاریخ زمانے کے حالات، اور ان حالات کے متعلقات کی یقینی تلاش کا نام ہے۔ سخاوی (م ۹۰۲ھ) نے اپنی مشہور تصنیف "الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ" میں کہا ہے کہ زمانے کے واقعات کی موقت جستجو کا نام تاریخ ہے۔ دور وسطی کے مغربی مفکرین کہتے ہیں کہ تاریخ زندہ مطالعہ کا نام ہے۔(۵۹)

ابو نصر اسمٰعیل بن حماد الجوہرا (م ۳۹۸ھ) کہتا ہے تاریخ کے معنی وقت بتانا ہیں۔(۶۰) انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا (Encyclo padia Britannica) کے مطابق تاریخ کو دو مفاہیم میں استعمال کیا جاتا ہے، کبھی واقعات کے بیان پر اور کبھی بذات خود واقعات کو تاریخ کا نام دیا جاتا ہے۔(۶۱) یہاں تاریخ اور سیرت کا چار فرق بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) پہلا فرق: تاریخ کا موضوع انسان اور زمانہ ہے(۶۲) اس کے بالمقابل سیرت کا موضوع ایک محبوب انسان اور اس کا بابرکت عہد ہے۔ اس عہد میں رونما ہونے والے واقعات بھی سیرت کا حصہ ہیں۔

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ تاریخ کا موضوع عموماً ملک اور زمانہ ہوتا ہے جن میں ضمناً شخصیات زیر بحث آتی ہیں۔ جبکہ سیرت میں ایک مخصوص شخصیت یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موضوع بنا کر ضمناً ملک و زمانہ اور اس کے خدوخال کو اجاگر کیا جاتا ہے۔(۶۳)

(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ: سیرت کے مآخذ جس قدر مستند اور قابل اعتبار ہیں تاریخ کو ان کا دسواں حصہ بھی حاصل نہیں ہے۔ تاریخ کا مدار صحت مند مآخذ کے بجائے قیاس پر زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن سیرت میں قیاس کو دخل نہیں ہے۔ بلکہ روایات جس طرح پہنچیں انہیں من و عن ذکر کر دینا سیرت نگار کا پہلا فرض ہے۔ ان روایات میں جس قدر چھان پھٹک اور کاوش سے کام لیا جاتا ہے۔ وہ الگ قابل غور ہے۔(۶۴)

(۴) چوتھا فرق یہ ہے کہ ہمارے سامنے جن مؤرخوں کے ذریعہ تاریخیں پہنچی ہیں خود ان مؤرخوں کا اس زمانہ سے جس زمانہ کی انہوں نے تاریخ لکھی ہے کوئی تعلق نہیں ہے اگر ہے بھی تو اس درجہ کا نہیں ہے جس درجہ کا صحابہؓ کا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔

بلکہ اکثر مؤرخین تو تاریخ کے خود بھی عینی شاہد نہیں ہیں جبکہ صحابہؓ اس تاریخ کے جسے ہم سیرت کہتے ہیں عینی شاہد ہیں۔ لہٰذا عام تاریخ کا سیرت سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ (۶۵)

فاضل دیوبند مولانا مناظر احسن گیلانی تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے پاس اس وقت تاریخ کے جو عام ذخیرے ہیں عموماً ان کا تعلق کسی قوم کی حکومت، کسی عظیم الشان جنگ، الغرض اسی قسم کی منتشر اور پراگندہ گوناگوں چیزوں سے ہے جن کا احاطہ آسان نہیں ہے۔ بخلاف اس کے سیرت و حدیث اس تاریخ کا نام ہے جس کا تعلق براہ راست ایک خاص شخصی وجود، یعنی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ہے۔ ایک قوم، ایک ملک، ایک حکومت، ایک جنگ کے تمام اطراف و جوانب کو صحیح طور سے سمیٹ کر بیان کرنا ایک طرف ہے، اور دوسری طرف ملک نہیں، ملک کی کوئی خاص قوم نہیں، کسی قوم کا کوئی قبیلہ نہیں، کسی قوم کا کوئی خانوادہ نہیں بلکہ صرف ایک واحد بسیط شخص کی زندگی کے واقعات کا بیان کرنا ہے۔ خود اندازہ کیجئے کہ احاطہ و تدوین کے اعتبار سے دونوں کی آسانی و دشواری میں کوئی نسبت ہے؟ پہلی صورت میں کوتاہیوں، غلط فہمیوں، غلطیوں کے جتنے قوی اندیشے ہیں یقیناً اسی نسبت سے دوسری صورت میں صحت و واقعیت کی اسی قدر عقلاً توقع کی جا سکتی ہے۔ (۶۶)

سیرت اور میلاد: سیرت اور میلاد دونوں کا مقصود بالذات حب رسالت، تذکرہ رسالت اور فروغ اُسوہ حسنہ ہے لیکن یہ عنوان برصغیر میں خاص مناظراتی پس منظر کا حامل ہے۔ مگر یہاں ایک خاص نکتہ پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ میلاد یعنی نبی کریم ﷺ کی ولادت سے کسی مشرک کو کوئی تکلیف نہیں تھی، آپ ﷺ کی ولادت پر کسی نے خفگی و ناراضگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بلکہ سب نے خوشی منائی تھی، انہیں آپ کی ولادت (میلاد) سے کوئی تکلیف نہیں، ان کو تکلیف آپ کی تعلیمات (سیرت) سے تھی۔ برصغیر میں سیرت کی جگہ

میلاد کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ جس کا سبب عیسائیوں، ہندوؤں اور سکھوں کا اپنے پیشواؤں کا جنم دن (یوم پیدائش) منانا بھی ہے۔ گویا اس مخصوص اصطلاح ''میلاد'' کے فروغ میں تہذیبی اثرات زیادہ نمایاں ہیں۔

سیرت اور میلاد میں چھ اعتبار سے فرق ہے۔

(۱) سیرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل سیرت بیان ہوتی ہے جبکہ میلاد میں ولادت، معجزات معراج اور وفات وغیرہ کا بیان ہوتا ہے۔ مکمل سیرت نہیں ہوتی۔ تمام میلاد ناموں میں کچھ کمی بیشی کے ساتھ یہی قدر مشترک ہے۔

(۲) سیرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ تک حالات ہوتے ہیں، جبکہ میلاد ناموں میں ضمنی واقعات مثلاً واقعہ کربلا، بزرگوں کا تذکرہ بھی شامل ہوتا ہے۔(۶۷)

(۳) سیرت میں تاریخی یا واقعاتی ترتیب کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ جبکہ میلاد میں ایسا ضروری نہیں ہے۔

(۴) عہد حاضر میں ایک اور فرق نمایاں ہوگیا ہے، خواتین میں میلاد اور جلسہ میلاد مخصوص ہوگیا، جبکہ عام جلسے سیرت کے نام سے منعقد ہوتے ہیں۔

(۵) سیرت میں عموماً مثبت و مستند واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔ جبکہ میلاد میں عموماً متنازعہ موضوعات زیر بحث لائے جا رہے ہیں۔

(۶) برصغیر میں جو کتب میلاد آغاز میں رائج رہیں ان میں اکثر منظوم ہیں۔ بعد میں نظم ونثر کے مجموعے زیادہ مقبول ہوئے۔ جبکہ کتب سیرت کی غالب تعداد نثر میں ہے۔

سیرت اور نعت: نعت کہتے ہیں تعریفی اوصاف بیان کرنا۔ اصطلاحاً یہ لفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف محمودہ کو منظوم یا نثر کی صورت میں بیان کرنے پر استعمال کیا جاتا ہے۔(۶۸)

(۱) سیرت کی طرح نعت کا دائرہ بھی وسیع ہے۔ اس میں سیرت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ لیکن آج کل نعت کا اطلاق منظوم سیرت پر کیا جاتا ہے۔ نثر پر نہیں۔(۶۹)

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ سیرت میں آپ کی تعلیمات غالب طور سے بیان کرتے ہیں

جبکہ نعت میں اظہار عقیدت کا زیادہ غلبہ ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا فرق یہ ہے: عہد حاضر میں جن نعتوں کا رواج چل رہا ہے۔ ان کا ادب اور سیرت سے تعلق کم موسیقی اور صوتی اثرات و ردھم سے زیادہ ہے۔

سیرت اور سوانح: سوانح کو حیات (Life) اور بایوگرافی (Biography) کہا جاتا ہے۔ اس کی تعریف جوزف ٹی شپلے نے یہ کی ہے کہ: سوانح عمری ایک شخص کی پیدائش سے موت تک کے افکار و افعال کا بیان کرنا۔ کارلائل کے نزدیک: یہ ایک انسان کی تاریخ ہے۔(۷۰) انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے مطابق سوانح کا موضوع ایک انسان ہے۔ اور اس کی ایسی زندگی ہے جو حقیقتاً بسر کی گئی ہو۔(۷۱) سیرت میں بھی سوانح موجود ہے لیکن پانچ اعتبار سے فرق ہے۔

(۱) پہلا فرق یہ ہے کہ: سیرت حیات انسانی کے ایک ایسے مثالی نمونے کو موضوع بناتی ہے جو ہر خطاء و تقصیر سے پاک ہے۔ جبکہ سوانح میں ان خوبیوں کا ہونا ضروری نہیں۔

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ سیرت میں تقدس ہے، غور و خوض ہے، جبکہ سوانح میں اس عنصر کا ہونا ضروری نہیں۔

(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ سوانح میں واقعہ کی صداقت صرف روایت یا سماعت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ جبکہ سیرت میں واقعہ کی صداقت روایت و درایت (حدیث کے اصول تنقید) کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے سیرت سوانح سے زیادہ مستند ہے۔

(۴) سوانح تصور کشی تخیل و قیاس کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ جبکہ سیرت میں اس کی گنجائش ہی نہیں، بلکہ دروغ گوئی کے زمرہ میں شامل ہونے کے سبب حرام ہے۔

(۵) سوانح میں خوبیاں و خامیاں دونوں بیان کی جاتی ہیں۔ جبکہ سیرت کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام خامیوں سے پاک ہیں اور معصوم ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کی خامیاں نکالنا حرام اور گستاخی رسالت ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جہاں مستشرقین دھوکہ کھا گئے ہیں اور عام بشر و نبی میں فرق قائم نہیں رکھ سکے ہیں اور ہرزہ سرائی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ سیرت کے مفہوم کی تعیین و تقابلی مطالعہ کے بعد اب میں مختصراً سیرت نگاری کا ارتقائی جائزہ پیش کروں گا۔

سیرت نگاری کا ارتقائی جائزہ

ماضی کی شاندار روایات کو یاد رکھنا، اور آباؤ اجداد کے محاسن ومفاخر کو بیان کرنا۔ قدیم زمانہ سے دنیا کی قوموں کا محبوب مشغلہ رہا ہے، جاہلی عربوں کے یہاں اس کا خاص اہتمام تھا۔ وہ اپنے قصائد واشعار، اور قصص واسماء کے ذریعہ آنے والی نسلوں کو آبائی اور قبائلی روایات سے آگاہ کرتے تھے، ان کے یہاں جود وسخاء، ایفائے وعدہ، مہمان نوازی، قبائلی حمیت، حق جواز جیسے امور بہترین اوصاف شمار کئے جاتے تھے، اور باہمی جنگ وجدال، قومی ایام ووقائع، احساب وانساب کی داستانیں بڑے فخر سے سنی سنائی جاتی تھیں۔

عربوں میں نوشت وخواند کا رواج بہت کم تھا۔ اپنے خداداد حافظہ کی وجہ سے وہ بڑی حد تک اس سے مستغنی تھے۔ اس لئے قبائلی اور قومی مفاخر ومحاسن کو آنے والی نسلوں تک زبانی طور سے پہونچاتے تھے۔ اس کے لئے خاص اہتمام کرتے تھے، باہمی مفاخرہ کی مجلسیں قائم کی جاتی تھیں، مشاعرے منعقد کئے جاتے تھے، چاندنی راتوں میں کھلی جگہ میں جمع ہوکر اپنے قبائل کے بہادرانہ کارنامے سنائے جاتے تھے۔ یمن اور شام سے متصل قبائل اپنے بادشاہوں کے واقعات بیان کرتے تھے، جب کہ عام قبائل آبائی مفاخر کے بیان میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔

اسلامی دور آیا تو جاہلی، قبائلی اور نسلی جنگوں اور مفاخر کی جگہ اسلامی جہاد وغزوات نے لے لی، اور صحابہ وتابعین نے سیر ومغازی کو آبائی مجد وشرف اور اُخروی علم قرار دے کر ان کا ذکر عام کیا، امام بخاریؒ نے کتاب الجہاد والسیر میں بَابُ من حدث مشاهده في الحرب کے عنوان سے صحابہ کرامؓ کی زبانی جہاد وغزوات بیان کئے ہیں۔ صحابہ کا ظاہر و باطن ایک تھا وہ اخفائے حال کا خاص خیال رکھتے تھے، اور سیر ومغازی کے بیان میں غایت احتیاط سے کام لیتے تھے، انہوں نے اپنے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے، اس میں تحدیث نعمت،

اور تبلیغ دین کا جذبہ کارفرما تھا، جاہلی دور کے اچھے کارناموں اور معرکوں کا ذکر بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بھی کیا کرتے تھے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلف الفضول کا تذکرہ فرمایا اور کہا کہ اگر آج بھی ایسی جماعت کے لئے مجھے دعوت دی جائے تو میں اس میں شریک رہوں گا۔

آپ کے عہد میں عربوں اور کسریٰ کی فوجوں میں کوفہ اور واسط کے درمیان مقام ذی وقار میں زبردست جنگ ہوئی جس میں عربوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجم کے مقابلہ میں عرب کی پہلی فتح قرار دے کر فرمایا کہ یہ میرے وجود کا فیض تھا۔

یوم ذی وقار، اوّل یوم انتصفت العرب من العجم، وبی نصرُوا (۴۲)

جنگ ذی وقار پہلی جنگ ہے جس میں عربوں نے عجم پر فتح پائی، اور میری وجہ سے ان کی مدد کی گئی۔

اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ نعمان بن مندر نے کسریٰ پرویز کے خوف سے بھاگتے وقت اپنے اہل وعیال اور زرہ کو ہانی بن مسعود بن عامر شیبانی کے پاس امانت رکھا، کسریٰ پرویز نے ہانی بن مسعود سے نعمان بن مندر کے دو بیٹوں اور زرہوں کا مطالبہ کیا اس نے صاف انکار کر دیا تو کسریٰ نے بنو شیبان پر فوج کشی کا حکم دیا اور شدید جنگ کے بعد بنو شیبان کو کسرائی لشکر کے مقابلہ میں فتح حاصل ہوئی، یہ پہلا موقع تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے عربوں کو عجمیوں پر فتح حاصل ہوئی۔ (۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ وہاں ایک جماعت ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک علامہ آدمی آیا ہے، آپ نے دریافت فرمایا کہ علامہ کیا ہوتا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ:

رجل عالم یا یّام الناس، و عالم بالعربیة، و عالم بانساب العرب۔

ایسا آدمی ہے جو لوگوں کی جنگوں کا عالم ہے، عربی زبان کا عالم ہے،

اور انساب عرب کا عالم ہے۔

آپ نے فرمایا کہ یہ علم مضر نہیں ہے، بعض روایات میں الفاظ کچھ مختلف ہیں۔(۷۴) حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں عرب کے مشہور شہ سوار اور بہادر عمرو بن معدیکرب سے زمانۂ جاہلیت کی معرکہ آرائیوں اور ایرانیوں سے جنگوں کے واقعات معلوم کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ عمرو بن معدیکرب کوفہ سے مدینہ آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے متعدد سوالات کئے اور ان کے جوابات سُن کر دریافت کیا کہ کیا تم کبھی ایرانیوں کی ہیبت و مرعوبیت کی وجہ سے پس پا ہوئے ہو؟ عمرو بن معدیکرب نے کہا کہ واللہ میں زمانۂ جاہلیت میں بھی جھوٹ نہیں بولا ہوں، اسلام کے بعد کیسے جھوٹ بولوں گا۔ میں آپ سے ایک ایسا واقعہ بیان کرتا ہوں جس کو آپ سے کسی نے بیان نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد عمرو بن معدیکرب نے نہایت تفصیل سے اہل فارس سے اپنی جنگ کے واقعات بیان کئے۔(۷۵)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عشاء کے بعد تہائی رات تک اخبار عرب، عرب و عجم کے ایام وحروب، گزشتہ بادشاہوں کے واقعات و حالات اور ان کی سیاست اور امم سابقہ کے احوال سنا کرتے تھے، اور رات کے آخری حصہ میں بادشاہوں کی لڑائیوں کے واقعات اور ان کے احوال سنتے تھے اس کام کے لئے خاص طور سے چند لوگ مقرر تھے جو کتابیں پڑھ کر ان کو سناتے تھے، مسعودی نے تفصیل سے حضرت معاویہؓ کے اوقات اور ان کے مشاغل بیان کئے ہیں۔(۷۶)

مغازی و سیر کی درس و تدریس: حضرات صحابہ بھی بعض اوقات اپنی مجلسوں میں جاہلی دور کے ایام عرب یعنی عربوں کی جنگوں کا تذکرہ کیا کرتے تھے، ابو خالد والبیؒ کوفی متوفی ۱۰۰ھ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت خباب بن ارتؓ کے صحبت یافتہ اور عبداللہ بن عباسؓ اور جابر بن سمرہؓ سے حدیث کے راوی ہیں، امام اعمشؒ ان سے روایت کرتے ہیں کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن تابعی حضرات صحابہؓ کی مجالس میں رہ چکے ہیں، وہ ان کے بارے میں اپنا مشاہدہ اور تجربہ بیان کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نہ منقبض تھے اور نہ ان پر مردنی چھائی رہتی تھی، بلکہ اپنی مجلسوں میں اشعار سنتے سناتے تھے، اور دور

> جاہلیت کے واقعات بیان کرتے تھے، اور جب ان میں سے کسی کو اللہ کے کسی حکم کی دعوت دی جاتی تو اس کی آنکھوں میں گردش پیدا ہو جاتی تھی، جیسے وہ دیوانہ ہے ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی مجلسوں میں بیٹھا کرتے تھے، وہ حضراتؓ آپس میں اشعار سنتے سناتے تھے اور زمانہ جاہلیت کی لڑائیوں کے تذکرے کیا کرتے تھے۔(۷۷)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مجلس درس میں فقہ، تفسیر، مغازی، انساب کی طرح ایک دن خاص طور سے جاہلی عربوں کے ایام و وقائع کے بیان کے لئے مقرر تھا، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہؒ کا بیان ہے۔

> حضرت ابن عباس اپنی مجلس درس میں ایک دن صرف فقہ، ایک دن صرف تفسیر، ایک دن صرف مغازی اور ایک دن اشعار، اور ایک دن صرف ایام عرب بیان کرتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کچھ لوگ ابن عباس کے درس میں اشعار کے لئے کچھ لوگ انساب کے لئے اور کچھ لوگ عربوں کے ایام و وقائع کے لئے آتے تھے۔ کچھ لوگ آپ کی مجلس درس میں عربوں کی جنگوں کا تذکرہ سننے کے لئے آتے تھے۔(۷۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلمیذ رشید اور علم و عمل میں ان کے مثنیٰ علقمہ بن قیسؒ اپنے حلقہ درس میں جب طلبہ کے اندر نشاط دیکھتے تو ان کو ایام عرب کی داستانیں سنانے لگتے تھے۔

> علقمہ جب جماعت میں نشاط دیکھتے تو ایام عرب کا ذکر چھیڑ دیتے تھے۔(۷۹)

حضرت عقیل بن ابوطالبؓ اپنے زمانہ میں قریش کے سب سے بڑے ماہر انساب اور ان کی لڑائیوں کے عالم تھے۔

> ان کے لئے مسجد نبوی ﷺ میں تکیہ لگایا جاتا تھا اور لوگ نسب اور ایام عرب سننے کے لئے ان کے پاس جمع ہوتے تھے۔(۸۰)

عاصم بن عمرو عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ جامع دمشق میں بیٹھ کر لوگوں کے سامنے مغازی اور مناقب صحابہؓ بیان کریں اور انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔(۸۱)

مسجدوں میں عام دینی درس و مذاکرہ کی طرح مغازی کا مستقل حلقہ درس قائم ہوتا تھا جس میں خاص طور سے علم مغازی کی تعلیم دی جاتی تھی، اور اہل علم اس میں شریک ہوتے تھے۔

مشہور امام مغازی واقدی مسجد نبوی ﷺ میں باقاعدہ مغازی کا درس دیا کرتے تھے۔ سمتی کا بیان ہے کہ ہم نے واقدی کو دیکھا کہ مسجد نبوی ﷺ کے ایک ستون کے پاس درس دے رہے ہیں، ہم نے پوچھا کہ کس چیز کا درس دے رہے ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ جُزءٌ مِنَ المغَازی یعنی مغازی کے ایک جزء کا۔(۸۲)

علم السیر والمغازی کا حدیث سے تعلق: علم السیر والمغازی علم حدیث ہی کا ایک اہم حصہ ہے۔ کیونکہ اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال و افعال اور مقررات سے بحث ہوتی ہے جن کا تعلق غزوات و سرایا سے ہے، امام ابوعبداللہ حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں ذکر النوع الثامن کے ذیل میں لکھا ہے۔

> علوم حدیث کی اقسام میں سے اڑتالیسویں قسم ان امور کی معرفت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی و سرایا و بعثات اور مشرک بادشاہوں کے نام آپ کے خطوط میں کیا صحیح ہے کیا صحیح نہیں ہے، اور ان غزوات میں آپ کے سامنے صحابہؓ میں سے ہر ایک نے کیا کارنامہ انجام دیا، کون ثابت قدم رہا، کس نے راہِ فرار اختیار کی، اور کس نے دین پر عمل کرکے آپ کی نصرت کی اور کون منافق تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اموالِ غنیمت کو کیسے تقسیم فرمایا، کس کو زیادہ دیا، کس کو کم دیا، اور دو تین مجاہدین میں ایک مقتول کے سلب کے بارے میں کیا کیا اور غلول میں حد کیسے جاری کی۔ علوم حدیث کی یہ قسم اس قدر اہم ہے کہ کوئی عالم اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا

ہے۔(۸۳)

خطیب بغدادی نے بھی سیر و مغازی رسول کو علم حدیث میں شامل کیا ہے اور شرف اصحاب الحدیث میں لکھا ہے کہ حدیث میں انبیاء کے واقعات، زہاد اور اولیاء کے احوال بلغاء کے مواعظ، فقہاء کے کلام، عرب وعجم کے بادشاہوں کی سیرتیں، اُمم ماضیہ کے قصے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی و سرایا کی تفصیلات، آپ کے احکام وقضایا، خطبے، مواعظ، معجزات، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات، اولاد و اصحابؓ اور ان کے فضائل و مناقب، انساب و اعمار کا ذکر ہوتا ہے۔(۸۴)

تدوین حدیث کا آغاز: جب پہلی صدی کے خاتمہ اور دوسری صدی کی ابتداء میں احادیث کی تدوین و تالیف کے ساتھ ان کی تبویب و ترتیب شروع ہوئی اور احکام کے استخراج واستنباط کی باری آئی تو محدثین میں مختلف انداز پر کام ہونے لگا، ایک جماعت نے روایت و درایت کے اصول پر احادیث و آثار کو جمع کیا، یہ اصحاب الحدیث اور محدثین کہلائے ایک طبقہ نے ان احادیث وآثار سے تفقہ و افتاء کے اصول پر احکام و مسائل اور فتاوے مرتب کئے یہ اصحاب الفقہ والفتوی اور فقہاء کے لقب سے یاد کئے گئے اور ایک گروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے مغازی وسرایا کو مدون کیا، یہ اخباری، مورخ اصحاب السیر والمغازی کہلائے، اور سب سے اپنے اپنے حلقہ میں اپنے کاموں کو آگے بڑھایا، اصحاب الحدیث اور اصحاب السیر والمغازی میں بعض باتوں میں فرق ہے۔ مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوریؒ نے ''اصح السیر'' کے مقدمہ میں اس فرق کو نہایت اچھے انداز میں تفصیل سے بیان کیا ہے ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

اصحاب حدیث تین امور کو جمع کرتے ہیں (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ (۲) آپ نے کیا کیا، (۳) آپ کے سامنے یا آپ کے وقت میں کیا کیا گیا؟ اصحاب سیرت بھی ان ہی تین امور کو جمع کرتے ہیں۔ اس لئے اصل کام دونوں کا ایک ہے۔ اس کے باوجود دونوں میں فرق ہے۔ اصحاب حدیث کا مقصود بالذات احکام کو جاننا ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ان کی بحث ضمناً یا التزاماً ہوتی ہے۔ اور اصحاب سیر کا مقصود بالذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاننا ہے۔ احکام کی بحث ضمناً ہوتی ہے۔

اس لئے محدثین کی تمام تر قوت اس بحث میں صرف ہوتی ہے کہ اس قول یا فعل کا انتساب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح ہے یا نہیں۔ اور اصحاب سیرت کو اسی کے ساتھ دو باتیں اور معلوم کرنی پڑتی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے کب ایسا کہا، یا کب کیا، دوسرے یہ کہ ایسا کہنے یا ایسا کرنے کی کیا وجہ تھی؟ یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو مسلسل اور مربوط بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے اسباب وعلل کو بھی جاننا چاہتے ہیں۔

اس فرق کی وجہ سے اصحاب سیرت اور اصحاب حدیث کی دو جماعتیں الگ الگ بن گئیں۔ اور معیار تحقیق دونوں کا جُدا جُدا ہوگیا، محدثین رُواۃ کی ثقاہت، تقویٰ اور دیانت کی کمی زیادتی پر مقبول راویوں کی رواتوں میں اختلاف کے وقت ترجیح دیتے ہیں، اصحاب حدیث ہوں یا اصحاب سیرت دونوں ایسے راویوں کی روایت کو قبول نہیں کرتے جو جھوٹے ہوں، یا جن پر جرح شدید ہوئی ہو۔

اصحاب سیر اور اصحاب حدیث دو جماعت نہیں ہیں، بلکہ جتنے اصحاب سیر ہیں وہ اصحاب حدیث بھی ہیں۔ اسی طرح جو اصحاب حدیث ہیں وہ اصحاب سیر بھی ہیں، مگر جب سیرت پر واقعات جمع کرنے پڑتے ہیں اور سیرت کے مقاصد پورے کرنے پڑتے ہیں تو تحدیث و روایت کے شرائط اور وجہ ترجیح میں مناسب تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ مغازی کے واقعات دونوں لکھتے ہیں مگر دونوں کے لکھنے میں فرق ہوتا ہے، مثلاً فتح مکہ کے متعلق محدثین اتنا لکھتے ہیں کہ قریش نے حدیبیہ کے معاہدہ کو توڑا اور بنی خزاعہ پر ظلم کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے، اس لئے آپ نے حملہ کیا اور مکہ فتح ہوا، لیکن اصحاب سیرت یہ بھی بتاتے ہیں کہ یہ معاہدہ کتنا اہم تھا، بنی بکر اور بنی خزاعہ کی جنگ عرصہ سے چل رہی تھی۔ اس معاہدہ کی وجہ سے یہ جنگ رُک گئی تھی، قریش نے عہد توڑ کر پھر اس جنگ کو مشتعل کر دیا تھا۔

الغرض محدثین کے یہاں جو صحیح روایتیں ہیں اصحاب سیرت کو ان کی ترجیح میں کلام نہیں ہے۔ لیکن ان کو اپنی ضروریات کے لئے اور روایتیں بھی لینی پڑتی ہیں جن کے لئے وہ اپنا معیار الگ قائم کرتے ہیں، بلاشبہ جس طرح حدیث کی کتابوں میں شدید احتیاط کے باوجود بہت سی غلط اور موضوع روایتیں داخل ہوگئی ہیں، سیرت میں بھی اسی طرح بہت سی موضوعات ہیں اگر ان کو خارج کر دیا جائے تو دنیا کی کسی قوم کی کوئی تاریخ اس کا مقابلہ

نہیں کرسکتی ہے، اس لئے کہ اور کہیں نہ سند ہے اور نہ موضوعات کو جدا کیا جاسکتا ہے۔(۸۵)

صحابہؓ کے بعد تابعینؒ یعنی صحابہؓ کے تلامذہ کا دور ہے۔ جنہوں نے احادیث و آثار اور سیر و مغازی کے واقعات اپنے خاندانی بزرگوں اور استادوں سے روایت کئے، ان میں انصار و مہاجرین کی اولاد میں نسبۃً علم زیادہ رہا، ان کے بعد تبع تابعین کا زمانہ آیا جنہوں نے صحابہؓ اور تابعین کے علم کو آگے بڑھایا، سیر و مغازی کا تمام تر سرمایہ ان ہی اکابر و اصاغر صحابہؓ، تابعین، اور تبع تابعین کی روایت سے جمع ہوا ہے۔(۸۶)

سیرت و مغازی سے خواتین کی دلچسپی: احادیث و آثار کی تدوین سے پہلے یہ تمام حضرات جن میں مردوں کی طرح عورتیں بھی شامل ہیں، اپنے گھروں، بال بچوں، رشتہ داروں، مسجدوں، محلوں، قبیلوں اور تعلیمی و تدریسی مجلسوں میں سیر و مغازی کے واقعات موقع کی مناسبت سے بیان کیا کرتے تھے، اور جب جمع و تدوین کا دور آیا تو ان کی روایتوں کو اصحاب سیر و مغازی نے مدوّن و مرتب کیا، اور اپنے مقاصد کے پیش نظر روایتی معیار میں محدثین کے مقابلہ میں نرمی سے کام لیا۔

ابتداء میں عورتوں کو غزوات میں شرکت کی اجازت نہیں تھی، قبیلہ بنی قضاعہ کی ایک صحابیہ حضرت ام کبشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ میں شرکت کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت نہیں دی اور فرمایا:

اجلسي لایتحدث الناس ان محمداً یغزو بامراۃ۔

تم بیٹھ جاؤ، لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ عورت کو لے کر جنگ کرتے ہیں۔(۸۷)

اسی لئے ابتدائی غزوات میں صحابیات کی شرکت نہیں ہوسکی مگر غلبۂ اسلام کے بعد ان کو اس کی اجازت مل گئی اور عورتیں جہاد میں عام طور سے زخمیوں اور مریضوں کی خدمت کرتی تھیں اور پانی پلاتی تھیں اور بعض صحابیات نے جہاد میں حصہ لے کر شاندار بہادرانہ خدمات انجام دی ہیں، ان مجاہدات و غازیات نے بعد میں اپنے واقعات بیان کئے، ان کی تحقیق کی، باہمی مذاکرہ کیا، اور جب سیر و مغازی کی تالیف و تدوین کا دور آیا تو ان کی

روایات سے کام لیا گیا۔

حضرت اُمیہ بنت قیس غفاریہؓ نے ایک مرتبہ عورتوں کے مجمع میں غزوۂ خیبر میں اپنی شرکت کا واقعہ یوں بیان کیا کہ قبیلہ غفار کی چند عورتوں کے ساتھ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور ہم سب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کے ساتھ غزوۂ خیبر میں نکلنا چاہتی ہیں ہم اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق مجاہدوں کی مدد کریں گی، آپ نے فرمایا علی برکۃ اللّٰہِ اور شرکت کی اجازت دیدی، اس وقت میں نوعمر لڑکی تھی، راستہ میں مجھے نسوانی کیفیت پیش آ گئی، آپ ﷺ نے پانی میں نمک ملا کر غسل کا حکم دیا، اور جب خیبر فتح ہوگیا تو مجھے فئے سے حصہ دیا۔

یہ کہہ کر امیہ بنت قیس نے مجمع کو مخاطب کر کے اپنے گلے کا ہار پکڑ کر کہا کہ یہ ہار جس کو آپ سب دیکھ رہی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا ہے اور اپنے دست مبارک سے میرے گلے میں ڈالا ہے، واللہ یہ ہار میری گردن سے کبھی جدا نہیں ہوگا، چنانچہ وہ زندگی بھر اس کو پہنے رہیں اور انتقال کے وقت وصیت کی کہ یہ ہار ان کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا جائے، اسی طرح اپنی میت کے غسل کے پانی میں نمک ملانے کی وصیت کی، ان کا معمول تھا کہ جب غسل کرتیں تو پانی میں نمک ملالیتی تھیں۔ (۸۸)

ام سعد جمیلہ بنت سعد بن ربیع خزرجیہؓ اپنے باپ کی تنہا اولاد تھیں، ان کی والدہ عمرہ بنت حزم بن زیدؓ غزوۂ خندق میں شریک تھیں، اس وقت جمیلہ صرف دو سال کی تھیں، ہوش سنبھالنے کے بعد ان کی والدہ غزوۂ خندق کے واقعات ان سے بیان کرتی تھیں، ان کا بیان ہے۔

انا یوم الخندق ابنۃ سنتین، و کانت امّی تخبرنی بعد ان ادرکت عن امرھم فی الخندق۔ (۸۹)

میں غزوۂ خندق میں دو سال کی تھی، میرے ہوش سنبھالنے کے بعد والدہ غزوۂ خندق میں مجاہدین کے واقعات مجھ سے بیان کرتی تھیں۔

ان ہی میں ام سعد جمیلہ بنت سعد کا بیان ہے کہ میں امّ عمارہ نسیبہ بنت کعب بن عمرو کے یہاں گئی اور کہا کہ خالہ! غزوۂ احد میں آپ نے جو کچھ دیکھا ہے بیان کریں،

انہوں نے بتایا کہ میں سویرے ہی احد کی طرف چلی گئی تھی، میرے پاس پانی کا مشکیزہ تھا، اس وقت لڑائی ہو رہی تھی، مسلمانوں کا حال اچھا تھا، صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اور جب نقشہ بدل گیا تو میں جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی، اور آپ ﷺ کی طرف سے دفاع کرنے لگی۔

ام سعد جمیلہ کہتی ہیں کہ میں نے ام عمارہ کے مونڈھے پر گہرے زخم کا نشان دیکھ کر پوچھا یہ زخم کیسے لگا؟ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن قمیہ نے تنہا پا کر گستاخی کا ارادہ کیا، یہ دیکھ کر مصعب بن عمیرؓ ایک جمعیت کے ساتھ اس کے مقابلہ میں آ گئے، میں بھی ان ہی لوگوں میں تھی، میرا یہ زخم ابن قمیہ کے وار کا ہے، اس زخم کے باوجود میں نے اس پر مسلسل حملہ کیا مگر دشمن کے بدن پر دوہری زرہ تھی۔(۹۰)

خواتین کی اسی دلچسپی کا نتیجہ تھا کہ بڑے بڑے مجاہد، عالم اور محدث پیدا ہوئے۔

سیر و مغازی کی تحقیق و تفتیش: صحابہؓ وصحابیات کرامؓ کی سیرت سے دلچسپی دراصل قرآنی حکم کی تعمیل کا مظہر ہے ارشاد ربانی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ٥ (۹۱)

اے نبی (ﷺ)، آپ لوگوں سے کہہ دیجئے، اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اس پر اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا ٥ (۹۲)

بلاشبہ مسلمانوں! تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال سیکھنی تھی بالخصوص اس شخص کو جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا اور قیامت کے دن کا خوف رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور دنیا و آخرت میں کامیابی کی نوید صحابہؓ کے

جذبوں کو مہمیز کرتی اور وہ رات دن سیرت النبی ﷺ کو اپنا موضوع بنائے رکھتے۔

صحابہؓ اور تابعینؒ سیر و مغازی کے موضوع پر آپس میں تحقیق کرتے ایک دوسرے سے معلومات حاصل کرتے، اور بوقت ضرورت اس کے لئے سفر کرتے تھے، حضرت براء بن عازبؓ کا بیان ہے کہ ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ میں کہا کرتے تھے کہ اصحاب بدر کی تعداد اصحاب طالوت کے برابر تھی، اور ان سے ایک روایت میں ہے کہ جن صحابہ نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی وہ مجھ سے بیان کرتے تھے کہ اصحاب بدر کی تعداد اصحاب طالوت کے برابر تھی جنہوں نے دریا پار کیا تھا، یعنی تین سو دس سے کچھ زائد۔ (۹۳)

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں بنی عبدالمطلب کی مجلس میں گیا، اور ان کے بڑے بوڑھوں سے پوچھا کہ غزوۂ بدر میں آپ لوگوں میں سے کتنے افراد گرفتار ہوئے تھے؟ انہوں نے عباس، عقیل، حارث بن نوفل کے نام لئے۔ (۹۴)

نیز ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن یزیدؓ نے نماز استسقاء پڑھی، اس میں زید بن ارقمؓ بھی شامل تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے غزوات کئے اور ان میں سے کتنے غزوات میں آپ شریک تھے؟ انہوں نے بتایا کہ ان کی تعداد انیس ہے اور میں سات غزوات میں شریک رہا ہوں، پھر پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے کون سا غزوہ فرمایا، انہوں نے بتایا کہ ذات السیر یا ذات العشیر۔ (۹۵)

اسحاق بن عثمان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ کے صاحبزادے موسیٰ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے غزوات کئے اور آپ کے والد نے کتنے میں شرکت کی؟ انہوں نے بتایا کہ آپ ﷺ نے ستائیس غزوات کئے ہیں۔ آٹھ غزوات میں محققین کا اختلاف ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں کتنے غزوات ہوئے؟ اور کتنے میں آپ ﷺ خود شریک ہوئے؟ موسیٰ بن انس کی رائے ہے ۲۷ غزوات ہوئے (۹۶) بریدہ سے ۱۶ کی روایت بعض نے ۱۱۹ ابن اسحٰق نے ۳۸ ابن سعد نے ۲۷ بیان کی ہے۔ (۹۷)

صحیح بخاری اور مسلم نے ابو اسحٰق سے روایت کی ہے کہ حضرت زید بن ارقمؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے غزوات کئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ انیس غزوات، پھر ان سے پوچھا گیا کہ آپ ان میں سے کتنے غزوات میں شریک رہے؟ انہوں

نے کہا کہ سترہ غزوات میں، میں نے دریافت کیا کہ سب سے پہلے کون سا غزوہ تھا؟ انہوں نے بتایا کہ غزوۂ عشیرہ۔(۹۸)

ابوحازم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ لوگوں میں اختلاف ہوا کہ غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کا علاج کس دوا سے کیا گیا، اس وقت مدینہ میں آخری صحابی حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ زندہ تھے، لوگوں نے ان کی خدمت میں جاکر اس کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے کہا کہ غزوۂ احد کے متعلق مجھ سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی باقی نہیں رہا، حضرت فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے خون دھوتی تھیں، حضرت علیؓ ڈھال سے پانی گراتے تھے اور چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے آپ کا زخم بھرا گیا۔(۹۹)

یونس بن عبید کا بیان ہے کہ میرے آقا محمد بن قاسم نے مجھ کو حضرت براء بن عازبؓ کے پاس اس بات کی تحقیق کے لئے بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا کس چیز کا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ سیاہ کمبل کے چوکور ٹکڑے کا تھا۔(۱۰۰)

حضرت جابر بن عبداللہؓ بڑھاپے میں جب کہ آنکھوں سے معذور ہوگئے تھے، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا تھا کہ تم لوگ رُوئے زمین کے بہترین لوگ ہو، اس وقت ہماری تعداد ۱۴۰۰ / چودہ سو تھی، اس کے بعد حضرت جابرؓ نے کہا:

لو کنتُ ابصر الیوم لأرَیْتُکم مکان الشجرۃ۔ (۱۰۱)

اگر آج میری بینائی ہوتی تو میں تم لوگوں کو بیعت رضوان والے درخت کی جگہ دکھا دیتا۔

اسی تحقیق وتفتیش کے ساتھ سیرت ومغازی کو محفوظ کیا گیا۔ یہی وجہ ہے خود امام احمد کہتے تھے کہ لوگ مغازی موسیٰ بن عقبہ حاصل کرو، وہ ثقہ ہیں۔(۱۰۲)

اور ابراہیم حربی کا بیان ہے کہ احمد بن حنبل ہر جمعہ کو ابن سعد کے یہاں سے واقدی کی کتابوں کے دو جزء منگا کر دیکھتے تھے، اور دوسرے جمعہ کو ان کو واپس کرکے دوسرے دو جزء منگاتے اور دیکھتے تھے۔(۱۰۳) امام احمد کا یہ بھی قول ہے کہ ابن اسحاق سے

مغازی حاصل کی جائے، البتہ حلال وحرام میں احتیاط کی جائے۔(۱۰۴)

امام سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ:

من ارادالمغازی فالمدینة ومن ارادالمناسک فمکة ومن اراد الفقه فالکوفة ویلزم اصحاب ابی حنیفة(۱۰۵)

جو مغازی سیکھنے کا ارادہ کرے اس کے لئے مدینہ ہے اور جو مناسک حج سیکھنے کا ارادہ کرے اس کے لئے مکہ ہے اور جو فقہ سیکھنے کا ارادہ کرے اس کے لئے کوفہ ہے ابوحنیفہ کے تلامذہ سے سیکھے۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ مدینہ غزوات وسرایا کا مرکز ہے، یہاں سیر ومغازی کے اوّلین علماء ومصنفین ہیں اور یہیں سے فن مغازی کی تدوین و تالیف کی ابتداء ہوئی ہے دوسرے شہروں کے علماء مغازی اور مصنفین کا سلسلہ یہیں کے علماء وراۃ سے ملتا ہے۔

اہم سیرت نگاروں کا تذکرہ: بعض صحابہ کرامؓ جنہوں نے سیر ومغازی کے فروغ میں خصوصی کردار ادا کیا، ان میں سے کچھ کا تذکرہ آپ نے ملاحظہ کیا ان کی ایک فہرست ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ نے سیرت ابن اسحٰق کے مقدمہ میں ایک مستشرق وستفلد کی کتاب ''مورخی العرب'' سے کم وبیش ۲۷ حضرات کے نام نقل کئے ہیں جو ابن اسحٰق سے قبل اس فن میں اپنی جولانیاں دکھا چکے تھے اور پھر لکھا ہے کہ اب جو کچھ سامنے آچکا ہے اس کی روشنی میں اس سے زائد نام ممکن ہیں۔

پہلے وہ ۲۷ نام ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
۲۔ زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
۳۔ مخرمہ نوفلؓ،
۴۔ دغفل بن حنظلہ السدوسی،
۵۔ عبید بن شریہ الجرہمی،
۶۔ ابوکلاب دفع لسان الحمرہ،
۷۔ الخطیف بن زید بن جعونہ،
۸۔ زید بن کیاس الغمری،
۹۔ ابن الکواء یشکری،
۱۰۔ یزید بن بکیر بن داب وابناہ عیسیٰ ویحییٰ،
۱۱۔ علاقہ بن کریم الکلابی،
۱۲۔ صحار بن عباس (یا عیاس) الکلابی،

۱۳۔عروہ بن الزبیر، ۱۴۔صالح بن عمران الصغرئی،
۱۵۔عامر الشعبی، ۱۶۔وہب بن منبہ،
۱۷۔قتادہ بن وعامہ السدوسی، ۱۸۔ابن شہاب الزہری،
۱۹۔ابومخنف لوط، ۲۰۔شبیل بن عروہ (عزہ) الضبعی،
۲۱۔موسیٰ بن عقبہ، ۲۲۔ابوعمیر مجالد بن سعید الہمدانی،
۲۳۔شرقی بن قطامی، ۲۴۔طریف بن طارق المدنی،
۲۵۔عبداللہ بن عباس بن ابی ربیعہ المغتوف، ۲۶۔معد بن السائب الکلبی،
۲۷۔عوانہ بن الحکم۔

اس پر ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ نے مزید چھ ناموں کا اضافہ کیا۔

۱۔ابان بن عثمان بن عفان، ۲۔عاصم بن عمر بن قتادہ،
۳۔شرجیل بنسعد، ۴۔ابوالاسود یتیم عروہ،
۵۔سلیمان بن طران التیمی، ۶۔ولید بن کثیر المخزومی۔(۱۰۶)

سیر ومغازی پر تصنیف وتالیف کا آغاز: جس زمانہ میں اسلامی علوم وفنون کے بارے میں تحقیق وتلاشِ جاری تھی، احادیث وآثار کی تحدیث وروایت ہو رہی تھی اور سیر ومغازی کا عام چرچا تھا، حضرت معاویہؓ(۴۱ھ تا ۵۹ھ) نے عبید بن شریہ جرہمی کو یمن کے شہر صنعاء سے دمشق بلاکر کتاب الملوک واخبار الماضیین لکھوائی، جس کا انداز افسانوی تھا اور اس میں سوال وجواب کی صورت میں ملوک حمیر اور گزشتہ قوموں کے واقعات تھے، نیز عبید بن شریہ نے ایک اور کتاب الامثال لکھی تھی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، مگر لقا نہ ہوسکا، اس کتاب کے لکھنے کے بعد کم وبیش پچیس سال تک وہ بقید حیات رہ کر عبدالملک بن مروان کے دورِ خلافت میں فوت ہوئے۔(۱۰۷)

اسی زمانہ میں زیاد ابن ابیہ نے مثالب ومطاعن میں ایک کتاب لکھ کر اپنے لڑکوں کو دی اور کہا کہ اگر عرب تمہارے حسب ونسب پر نکیر کریں تو تم لوگ اس کتاب سے کام لے کر ان کو خاموش کر دینا، اور صحار بن عباس عبدی جو عہد معاویہ کے ماہر انساب اور مشہور خطیب تھے، انہوں نے بھی کتاب الامثال لکھی تھی۔(۱۰۸)

ظاہر ہے کہ حضرت معاویہؓ کی خصوصی توجہ سے لکھی جانے والی کتاب الملوک و اخبار الماضیین کو عوام و خواص میں مقبولیت حاصل ہوئی ہوگی خاص طور پر یمن کے قحطانی عربوں نے حجاز کے عدنانی عربوں کے سامنے اس کتاب کو آبائی مفاخر و محاسن کے طور پر پیش کیا ہوگا ہوسکتا ہے کہ سیر و مغازی کی تدوین کے دواعی و محرکات میں یہ صورت حال بھی شامل رہی ہو اور مدینہ میں عروہ بن زبیر اسدی، ابان بن عثمان اموی اور محمد بن شہاب زہری نے اور عبید بن شریہ کے وطن صنعاء میں وہب بن منبہ ابناوی نے ایک ہی زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور غزوات پر کتابیں تصنیف کی ہوں۔ ان تصنیفات کا مقصد لوگوں کو غیر مفید لٹریچر سے بچانا بھی تھا جیسے حضرت عمرؓ کا آپ ﷺ کے سامنے ایک کتاب کی تلاوت کرنے اور آپ کا غضب ناک ہونا نقل کیا گیا ہے اسی طرح ایک شخص کوفہ میں حضرت دانیال علیہ کی کتابیں پڑھتا اور سناتا تھا حضرت عمرؓ نے اسے تنبیہ کی (۱۰۹) قاضی اطہرؒ صاحب کی رائے ہے۔

جب ان ائمہ سیر و مغازی نے لوگوں کا رجحان غیروں کی طرف دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و مغازی کو مدوّن کیا اور ان کی کتابیں عوام و خواص میں یوں مقبول اور متداول ہوئیں کہ ان کی توجہ لایعنی اور بے مقصد قصے کہانی کی کتابوں سے ہٹ کر سیر و مغازی کی کتابوں کی طرف مبذول ہوگئی۔ (۱۱۰) چنانچہ محمد بن اسحاق کے متعلق محدث ابن عدی کا قول ہے، کہ اگر ان کا صرف یہی کارنامہ ہوتا کہ انہوں نے امراء و سلاطین کی توجہ غیر مقصدی کتابوں سے ہٹا کر رسول اللہ علیہ وسلم کے مغازی پر لگادی تو ان کی فضیلت کے لئے کافی تھا۔ (۱۱۱) خلیفہ ابوجعفر منصور نے نجومیوں کو دربار میں سیوطی سے بھی اس خیال کو تقویت ملتی ہے لکھتے ہیں۔ سریانی اور عجمی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کرائے جن کو پڑھ کر لوگ ان پر فریفتہ ہوگئے، یہ دیکھ کر محمد بن اسحاق نے کتاب المغازی لکھی۔ (۱۱۲)

قاضی اطہرؒ لکھتے ہیں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ مدینہ منورہ میں عروہ بن زبیر، ابان بن عثمان اور محمد ابن شہاب زہری نے اپنی صوابدید اور احوال و ظروف کے پیش نظر اپنی اپنی کتاب المغازی لکھی، اس میں کسی خلیفہ یا امیر کے حکم یا خواہش کو دخل نہیں تھا یہ ضرور ہے کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے عروہ بن زبیر سے غزوۂ بدر اور فتح مکہ کے بارے میں تحریری تفصیل حاصل کی اور اس کے صاحبزادے سلیمان بن عبدالملک نے ۸۲ھ میں ابان بن

عثمان سے مغازی پر کتاب لکھنے کی خواہش کی، مگر ان دونوں خلیفہ اور خلیفہ زادے سے پہلے ہی عروہ بن زبیر اور ابان بن عثمان اپنی اپنی کتاب المغازی مرتب کر چکے تھے۔ عروہ بن زبیر کی تمام کتابیں جن میں کتاب المغازی بھی تھی، ۶۳ھ میں واقعہ حرہ میں نذر آتش ہوگئی تھیں، جس کا افسوس انہیں زندگی بھر رہا اور ابان بن عثمان نے سلیمان بن عبدالملک کی خواہش پر بتایا کہ انہوں نے پہلے ہی نہایت مستند طریقہ پر کتاب المغازی مرتب کر لی ہے۔(۱۱۳) یہ کتابیں ایسے دور میں لکھی گئیں جس میں باقاعدہ تصنیف و تدوین کا رواج نہیں تھا، صحابہ اور تابعین کے پاس احادیث کے صحیفے اور نسخے غیر مرتب شکل میں موجود تھے، پہلی صدی کی انتہاء اور دوسری صدی کی ابتداء میں عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے احادیث و آثار جمع کئے گئے اور دوسری صدی کے نصف میں فقہی ترتیب و تبویب پر عالم اسلام کے مرکزی شہروں میں کتابیں لکھی گئیں اور باقاعدہ تصنیف و تالیف کا دور شروع ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے مدینہ منورہ میں علم المغازی پر کتابیں لکھی گئیں۔

یہ کتابیں اپنی ابتدائی شکل میں باقی نہ رہ سکیں، البتہ ان کی روایتیں حدیث اور سیر مغازی کی کتابوں میں آ گئی ہیں، عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی ۶۳ھ میں واقعۂ حرۃ میں نذر آتش ہوگئی، ان کے تلامذہ میں ابوالاسود یتیم عروہ نے آخر عمر میں مصر جا کر اس کی روایت کی، نیز دوسرے تلامذہ کے ذریعہ اس کی بہت سی روایات محفوظ ہیں، ابوالاسود کی روایت کا ایک معتد بہ حصہ یکجا ہو کر چھپ گیا ہے۔

ابان بن عثمان کی کتاب المغازی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عتاب کی وجہ سے ضائع کر دی گئی، اور عام طور سے اس کی روایت بھی نہ ہو سکی، صرف مغیرہ بن عبدالرحمٰن مخزومی نے جرأت کر کے اس کی روایت کی اور اپنے شاگردوں کو اس کے پڑھنے کی تاکید کی، کتب مغازی میں ابان بن عثمان کی گنی چنی چند روایتیں ملتی ہیں اور تتبع و تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی کئی روایتیں ان کے نام لئے بغیر بیان کی گئی ہیں، اس اعتبار سے ابان بن عثمان بن مظلوم ہیں۔

محمد بن شہاب زہری کی کتاب المغازی کا اکثر و بیشتر حصہ ان کے تلامذہ نے اپنی کتابوں میں لے لیا ہے، خاص طور سے موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق اور معمر بن راشد اپنے استاد کی روایات کے امین ہیں، نیز دوسرے علماء سیر و مغازی نے بھی اپنی کتابوں میں زہری

کی روایات کثرت سے لی ہیں اور معمر بن راشد کی روایات مصنف عبدالرزاق کی کتاب المغازی میں اس کثرت سے ہیں کہ گویا وہ ابن شہاب کی کتاب المغازی ہے۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی لکھتے ہیں: یہ طے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں احادیث نبویہ کا معتدبہ معرض کتاب میں آ گیا تھا۔ دعوت وداعی کی حیثیت سے یہ ذخیرہ بہت وافی تھا تاہم اس میں حصہ سیرت ضمنی تھا۔ یہاں بعض جزئی حوادث و وقائع بھی لکھے گئے جن کا تعلق سیرت نبویہ سے ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ صحابہ میں سے بعض حضرات نے اس طرح کی جزئیات کو باقاعدہ لکھا۔ جو وفود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ان تک کے کوائف ملتے ہیں۔ مثلاً ابی عمرو بن حریث العذری کہتے ہیں کہ میں نے اپنے آبا ؤاجداد کے پاس ایک کتاب دیکھی جس میں صفر ۹ھ میں وفد کی شکل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضری کے کوائف تھے۔ اس وفد میں ۱۲ افراد تھے۔ من جملہ دوسرے حضرات کے حمزہ بن النعمان العذری بھی تھے۔

حبیب بن عمرو السلامانی کہتے ہیں کہ سلامان کا وفد سات افراد پر مشتمل خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے باہر سے ملاقات فرمائی۔ اس موقع پر ایک جنازہ بھی آپ نے اس طرح پڑھایا۔ اور پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا علمی طور پر سیرت نبوی ﷺ کا اہتمام زیادہ ہونے لگا۔ (۱۱۴)

قرون اولیٰ کے چند ابتدائی اہم سیرت نگاروں کی حیات و نگارشات

سیرت طیبہ ﷺ کو جن شخصیات نے موضوع بنایا ان میں سے یہاں میں زیادہ تر ان افراد کے تذکرہ پر اکتفاء کروں گا جن کا بیشتر سیرت نگاروں نے تذکرہ نہیں کیا ہے اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی اور محمد فواد سزگین کی تحقیقات سے استفادہ کیا جا رہا ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (م ۶۸ھ): حضرت عبداللہ بن عباس المغازی کی تدریس کے سلسلے میں تخصیص کے مقام کے حامل تھے۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ آپ کی

مجلس تدریس کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ ہم آپ کی خدمت میں حاضری دیتے۔ آپ شام کا پورا وقت ہمارے سامنے مغازی بیان کرتے۔ انہوں نے اس میں اتنا لکھا کہ وہ ایک اونٹ کا بوجھ بن سکتا تھا۔ یہ سرمایہ آپ کے خادم کریب کے پاس تھا جو انہوں نے مشہور صاحب مغازی موسیٰ بن عقبہ کے پاس رکھ چھوڑا تھا۔ گو اس سلسلے میں حتمی طور پر یہ کہنا ممکن نہیں کہ ان کی اس سلسلے میں کوئی کتاب ہے تاہم ہمارا قلبی میلان اس طرف ہے کہ ایسا ضرور ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قرآن کریم کی آیت:

قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْراً الخ (۱۱۵)

کی تفسیر کے ضمن میں الشعبی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کے سلسلے میں لکھا، چنانچہ الشعبی کہتے ہیں کہ:

> ہمیں اکثر اس آیت کے سلسلے میں سابقہ پیش آتا تو میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لکھا، انہوں نے اس کے جواب میں لکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں اس طرح نسب رکھتے تھے کہ قریش کا ہر قبیلہ کسی نہ کسی طور سے آپ سے تعلق رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قریش کے مختلف قبائل کو اس طرف توجہ دلائی کہ رسول اکرم سے قرابت کا حق ادا کرو اور اس سلسلے کے حقوق کی حفاظت کرو۔ (۱۱۶)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص (م ۶۳۰ھ): آپ ایسے جلیل المرتبت صحابی ہیں جو عمر کے اعتبار سے حضرت عبداللہ بن عباس سے بڑے ہیں اور اسلام کے اعتبار سے قدیم! آپ نے بہت سے غزوات اور دوسرے واقعات و حوادث کا سیرت کے متعلق تحریری سرمایہ فراہم کیا۔ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت و کتابت اور انہیں کتابی شکل دینے میں ان کی شہرت معلوم ہے اور ''صحیفہ صادقہ'' ان کی معروف جمع تدوین شدہ کتاب ہے۔

سریانی زبان کو خوب جانتے تھے، اسے پڑھ سکتے، اس میں لکھ سکتے تھے۔ آپ نے مختلف

امور پر تحریرات لکھیں لیکن یہ بات کہ آپ نے المغازی میں کچھ مرتب کیا؟ ایک ایسا سوال ہے، جس کا جواب مطلوب ہے؟ اس کا جواب عمرو بن شعیب عن رابیہ عن جدہ کی مرویات کی تدریس میں ملتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے ان کی کتابیں روایت کیں، لیکن بعض محدثین نے اس پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ اس صحیفے کے راوی و جادہ ہیں۔ ابن ابی شیبہ کے بقول عمرو بن شعیب سے عن ابیہ اور ابن جریج نے جو روایت کی وہ تو سب صحیح ہے، اور جو کچھ عمرو عن ابیہ عن جدہ نے روایت کیا اس میں ضعف ہے۔ امام ترمذی نے ضعف کا سبب یہ بتایا کہ انہوں نے یہ روایات اپنے دادا سے نہیں سنیں۔ (۱۱۷)

۳۔ براء بن عازبؓ (م ۴۷ھ) : آپ نے مغازی رسول اللہ ﷺ کے متعلق بہت کچھ املا کرایا۔ امام وکیع نے اپنے والد عبداللہ بن حنش سے نقل کیا کہ انہوں نے کانے کی چھال پر تحریری سرمایہ حضرت البراء کے پاس دیکھا۔ اور صرف صحیح بخاری کی مراجعت سے یہ تصدیق ہو سکی ہے۔ ابواسحٰق السبیعی (۲۹:۱۲۷ھ) نے حضرت ابراء بن عازب سے اس سلسلے میں بہت کچھ نقل کیا ہے۔ السبیعی نے آپ سے جو نقل کیا اس کی تفصیل درج ذیل عنوانات کی شکل میں بخاری میں موجود ہے۔ ہجرت صحابہ الی المدینہ۔ (۱۱۸)

ہجرت رسول ﷺ (۱۱۹) غزوۂ بدر (۱۲۰) غزوہ احد (۱۲۱) قتل اَبی رافع یہودی (۱۲۲) غزوہ خندق (۱۲۳) صلح حدیبیہ (۱۲۴) عمرۃ القضاء (۱۲۵) فتح مکہ (۱۲۶) غزوہ حنین (۱۲۷)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت البرا نے مغازی کے سلسلے میں بہت سی معلومات فراہم کیں گو کہ یہ کہنا ممکن نہیں کہ آپ نے باقاعدہ کوئی کتاب مرتب کی تاہم اس سلسلے میں املا کی روایت سے اس کی ترجیح ضرور سامنے آتی ہے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا ہم حتمی طور پر اس کا دعویٰ نہیں کرتے۔ کیونکہ زبانی روایات کا اس دور میں بہت رواج تھا۔

۴۔ سعید بن سعد بن عبادۃ الخزرجی : بیشتر مورخین سعید بن سعد کو ان کے والد کی طرح صحابی سمجھتے ہیں۔ ان کے والد زمانہ جاہلیت میں تہذیب و ثقافت کے اعتبار سے الکامل کہلاتے تھے۔ ہماری معلومات کے مطابق حضرت سعیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں پیدا ہوئے، لیکن شرف ملاقات سے مشرف نہ ہو سکے۔ معلوم ہوتا ہے کہ

حضرت سعید نے اوائل عمر ہی سے آپ ﷺ کی زندگی کے واقعات لکھنے شروع کر دیے تھے۔(۱۲۸) ان کی کتاب اوائل عہد عباسی تک ان کے پوتے سعید بن عمرو کے پاس محفوظ تھی۔(۱۲۹) اس کتاب کے بعض حصے مسند احمد بن حنبل (۱۳۰) اور مسند ابی عوانہ میں پائے جاتے ہیں۔(۱۳۱) ابوعوانہ سعد بن سعید بن ابوعبادہ کا اکثر حوالہ دیتے ہیں۔ تاریخ الطبری میں بھی بعض عبارتیں منقول ہیں۔(۱۳۲) ہمیں حضرت سعیدؓ کی تاریخ وفات کا علم نہیں ہوسکا۔

حضرت سعید کے بیٹے شرجیل نے سو برس کی عمر میں ۱۲۳ھ/۷۴۰ء میں وفات پائی۔ وہ المغازی کے مولف تھے۔

۵۔ سہل بن ابی خثمہ (م ۴۱ھ): سہل بن ابی خثمہ مدنی اور انصاری تھے۔ ان کا لقب ابو یحییٰ یا ابو محمد تھا۔ وہ ۲ھ/۶۲۴ء میں پیدا ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوائل شباب ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح حیات اور ان کے مغازی کی تدوین و تالیف میں مصروف ہوگئے تھے۔ ان کی مغازی کی بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے پوتے یا پڑپوتے، محمد ابن یحییٰ بن سہیل کے پاس ان کی مغازی کا نسخہ تھا۔(۱۳۳) ان میں سے بعض ٹکڑے الواقدی کی المغازی میں ملتے ہیں۔(۱۳۴) اس کے علاوہ اقتباسات البلاذری(۱۳۵) تاریخ الطبری (۱۳۶) ۱/۱۲۶۴، ۱۶۰۹، ۱۷۵۷، ۱۷۸۲، ۱۷۹۲ اور طبقات ابن سعد (۱۳۷) میں ملتے ہیں۔ سہل بن ابی خثمہ نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہد وفات میں ۴۶ھ/۶۲۱ء میں وفات پائی، ان سے ان کے بیٹے محمد، بھانجے محمد بن سلیمان بشیر بن یساء الانصاری، نافع بن خبیر بن مطعم وعروہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ الزہری کو ان سے براہ راست روایت کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

۶۔ سعید بن المسیب (م ۹۴ھ): ابومحمد سعید بن المسیب بن حزن المخزومی ۱۲ھ/۶۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ وہ ماہر انساب، مورخ، محدث اور فقیہ تھے اور حضرت عمر فاروقؓ کی فقہ پر اعتماد کرتے ہوئے فتاویٰ دیا کرتے تھے، اس لئے ان کو حضرت عمرؓ کا راوی کہا جاتا ہے۔ ان کے تلامذہ میں الزہری، قتادہ، حضرت عمرؓ کے پوتے محمد بن عبداللہ اور سالم وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت سعید نے ۹۴ھ/۷۱۳ء میں وفات پائی۔ الطبرق نے حضرت سعید کی

مغازی اور الفتوح اور سیرت نبوی ﷺ سے بہت استفادہ کیا ہے۔(۱۳۸)

۷۔عبید اللہ بن کعب (م ۹۷ھ) : ابو فضالہ عبید اللہ بن کعب بن مالک الانصاری حقدمین تابعین میں سے ہیں۔ہمیں ان کی تاریخ ولادت معلوم نہیں ہو سکی۔ انہوں نے ۹۷ھ/۷۱۵ء میں انتقال کیا۔وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جبکہ خود ان سے امام زہری اور ان کے بھائی سعید وغیرہ محدث کی روایت کرتے ہیں۔محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ وہ اکابر علمائے انصار سے ہیں اور بعض نامور مولفین مغازی ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ تاریخ الطبری میں ان کے اقتباسات ملتے ہیں۔ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن اسحاق نے عبید اللہ بن کعب کی کتاب المغازی سے بھی استفادہ کیا تھا۔(۱۳۹)

۸۔الشعبی (م ۷۲۱ھ) : ابو عمرو عامر بن شراجیل الشعبی ۱۹ھ/۶۴۰ء میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔عبدالملک بن مروان کے ہم نشینوں سے تھے۔محدث فقہ، مغازی کے عالم اور شعر و سخن کے واقف کار اور راوی تھے۔عبدالملک بن مروان نے انہیں سفیر بنا کر قیصر روم کے پاس بھیجا تھا اور حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے انہیں قاضی بھی مقرر کیا تھا۔انہوں نے ۱۰۳ھ/۷۲۱ء میں وفات پائی۔(۱۴۰) کتاب المغازی کو تاریخ بغداد میں جمع کیا گیا ہے۔(۱۴۱)

۹۔حضرت ابان بن عثمان (م ۹۳ھ یا ۹۴ھ یا ۹۶ھ) : ابن سعد کے بقول المغیرہ بن عبدالرحمٰن کے پاس "مغازی ابان بن عثمان" تحریری شکل میں موجود تھی۔ مغیرہ کے صاحب زادہ یحیٰی کے بقول ان کے پاس ان کا تحریری سرمایہ حدیث کا نہ تھا البتہ مغازی النبی کا وہ ذخیرہ تھا جسے ان کے والد ابان بن عثمان سے حاصل کیا تھا۔وہ اسے بہت پڑھتے اور ہمیں اس سے سکھلاتے تھے۔بہر طور ان کے مجموعہ مغازی کا کتب متداولہ میں ذکر نہیں، گویا ان کے تلامذہ نے اس کا اہتمام نہیں کیا۔اور نہ ہی ان کی زندگی میں اس کی شہرت ہوئی۔

الزبیر بن بکار (۱۷۲۔۲۵۶) کی روایت ہے کہ امیر سلیمان بن عبدالملک ولی عہدی کے دور میں (۸۳ھ) سفر حج کے لئے آئے۔مدینہ منورہ میں حاضری دی۔بہت

سے لوگ ان سے ملے۔ یہ حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام سے منسوب مقامات پر گئے۔ وہاں دوگانہ ادا کیا۔ احد بھی جانا ہوا۔ ان کے ساتھ ابان بن عثمان، عمرو بن عثمان، ابوبکر بن عبداللہ بن ابی احمد بھی تھے۔ یہ حضرات قبا، مسجد فضیخ، مشربہ ام ابراہیم وغیرہ گئے۔ سلیمان ان مقامات کی تفصیلات پوچھتا۔ پھر اس نے حضرت ابان سے ان کی تفصیلات قلم بند کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس سب تحریر شدہ سرمایہ موجود ہے۔ میں نے ثقہ لوگوں سے معلومات فراہم کی ہیں۔ الخ یہ خاصی طویل روایت ہے جس سے یہ نتائج اخذ ہوتے ہیں کہ:

۱۔ ۸۲ھ سے قبل حضرت ابان نے سیرت النبی میں اپنی تالیف پوری کرلی تھی۔

۲۔ اس میں عقبہ اولیٰ، ثانیہ، غزوۂ بدر اور دوسرے غزوات کا بطور خاص ذکر تھا۔

۳۔ وہ ایک بڑی ضخیم کتاب تھی جس کی نقل کے لئے سلیمان بن عبدالملک نے دس رجسٹروں کا اہتمام کیا۔

۴۔ ابان کی رائے میں حضرات انصار الخلیفہ الراشد، المظلوم الشہید عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصرت نہ کر سکے، اس کے باوجود ابانؒ نے پوری دیانت داری سے حضرات انصار کے فضائل ومناقب کا ذکر کیا۔ (۱۴۲)

وہ معلومات جو سیرت اور مغازی سے متعلق ہیں، انہیں حضرت عروہ سے ان کے چند تلامذہ نے روایت کیا۔

۱۔ ان میں سے ایک امام زہری ہیں۔ ان کی روایات کے اقتباس مسند احمد، بخاری، الطبری، المعجم الکبیر للطبرانی وغیرہ میں ہیں۔

۲۔ ہشام بن عروہ کی روایات کے اقتباس مسند احمد اور تاریخ الطبری وغیرہ میں ہیں۔

۳۔ یحییٰ بن عروہ، ان کی روایات کے اقتباس تاریخ طبری وغیرہ میں ہیں۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ ان کے نسخے مختلف ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ مولف برابر تہذیب وتنقیح میں لگے رہتے اور کمی بیشی کا عمل جاری رہتا، اور چونکہ ان حضرات کے نسخے مختلف شکل میں موجود نہیں بلکہ ان کے اقتباسات اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہیں، اس لئے ان سے متعلق کسی قسم کی حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔

۴۔ ابوالاسود (یتیم عروہ) اسی نسخہ کو ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نے ایڈٹ کرکے شائع کیا

ہے۔ ابوالاسود کی روایت سے اقتباسات مسند احمد، انساب الاشراف للبلاذری، المجم الکبیر للطبرانی اور دوسری کتب مثلاً دلائل النبوۃ لابی نعیم، دلائل النبوۃ للبیہقی اور السنن الکبیر للبیہقی میں موجود ہیں۔ (۱۴۳)

۱۰۔ عروہ بن الزبیر (م ۹۴ھ): عروہ بن الزبیر بن العوام الاسدی ۲۳ھ/ ۶۴۳ء اور ۲۰ھ/ ۶۴۹ کے درمیان کسی سال میں پیدا ہوئے۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کے نواسے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی تھے۔ شاید عمر میں تیس سال چھوٹے تھے۔ انہوں نے جنگ جمل میں شرکت نہیں کی اور سات سال (۵۸ھ تا ۶۵ھ) مصر میں گزارے۔ جب امویوں نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا تو وہ اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ تھے، لیکن ان کی شکست کے بعد عبدالملک بن مروان کے پاس چلے گئے۔ حضرت عروہ کا شمار مدینہ کے سات ممتاز فقہاء میں ہے، انہوں نے ۹۴ھ میں وفات پائی، وہ محدث بھی تھے اور اپنے تلامذہ سے احادیث اور صدر اسلام کے بہت سے واقعات بیان کیا کرتے تھے۔ ابن اسحاق، الواقدی اور الطبری ان کی کتابوں کے حوالے دیتے ہیں وہ سیرت رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدیم ترین مصنف بھی ہیں اور سیرت النبی ﷺ کے متعلق لوگوں کے سوالات کا جواب اپنی جمع کردہ احادیث سے دیا کرتے تھے۔ امام بخاری نے لکھا ہے کہ امام زہری اور ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل مغازی کے واقعات عروہ بن الزبیر کی زبانی بیان کیا کرتے تھے۔ (۱۴۴)

یوسف ہارویز اور عبدالعزیز الدوری نے مندرجہ بالا مقالات میں عروہ بن الزبیر کی مغازی کی بعض عبارتیں جمع کر دی ہیں۔ امام مسلم نے عروہ بن الزبیر کی احادیث کے رجال پر ایک رسالہ لکھا تھا، جس کے پچپن اوراق خطیب بغدادی کے لکھے ہوئے، کتاب خانہ الظاہریہ دمشق میں ہیں۔ (۱۴۵)

۱۱۔ شرجیل بن سعید (م ۱۲۳ھ): سیرت و مغازی کے قدیم مصنفین میں سے ہیں۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب سے متعارف تھے۔ انہوں نے سو برس کی عمر پا کر ۱۲۳ھ میں وفات پائی۔ موسیٰ بن عقبہ (المتوفی ۱۴۱ھ/ ۷۵۸ء) کا بیان ہے کہ حضرت شرجیل نے غزوہ بدر میں شریک ہونے والے مہاجرین کی ایک فہرست بھی تیار کی تھی۔ سفیان بن عیینہ نے ان کو مغازی کے جلیل القدر عالموں میں شمار کیا ہے۔ اگرچہ ابن اسحاق اور واقدی نے ان سے

کوئی روایت نہیں کی، لیکن ابن سعد نے ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان سے ایک روایت درج کی ہے۔(۱۴۶)

۱۲۔ القاسم بن محمد (م ۱۰۷ھ): ابو محمد، القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق ۳۷ھ/ ۶۵۷ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ وہ عروہ کی طرح اپنے زمانے کے بڑے عالم تھے۔ الشعبی اور الزہری ان کے راویوں سے ہیں۔ آخر عمر میں ان کی بصارت جاتی رہی تھی۔ انہوں نے ۱۰۷ھ/ ۷۲۵ء میں انتقال کیا۔(۱۴۷)

الطبری نے قاسم بن محمد کی کتاب سے بہت سے عبارتیں اپنی تاریخ میں دی ہیں، اس کے علاوہ فہرست تاریخ الطبری میں پچیس بار قاسم بن محمد کی کتاب المغازی کا حوالہ آیا ہے، ان میں حضرت ابوبکر الصدیقؓ، حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہد خلافت کے واقعات کے علاوہ جنگِ جمل کا بھی ذکر ہے۔ یہ واقعات سہل بن یوسف سلمی کے واسطے سے قاسم بن محمد کی مغازی سے ماخوذ ہیں۔ بعض عبارتیں الواقدی اور البلاذری نے بھی نقل کی ہیں۔(۱۴۸)

۱۳۔ عاصم (م ۱۲۰ھ): عاصم بن قتادۃ المدنی ابو عمر و تابعی ہیں۔ انہوں نے بعض صحابہ مثلاً جابر بن عبداللہ اور حضرت انس بن مالک سے روایت کی ہے جبکہ ان سے ان کے بیٹے الفضل نے روایت کی ہیں۔ مغازی کے مشہور عالم تھے۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ جامع دمشق میں لوگوں کو مغازی اور مناقب صحابہ کا درس دیا کریں۔ حضرت عاصم نے ۱۲۰ھ/ ۷۳۷ء میں وفات پائی۔(۱۴۹)

۱۴۔ السبیعی (م ۱۲۷ھ): ابو اسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی الہمدانی ۳۲ھ/ ۶۵۳ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۷ھ/ ۷۴۵ء میں فوت ہوئے، عمر بھر کوفہ میں رہے، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۳۸ صحابیوں سے حدیث کا سماع کیا تھا۔ مغازی کے مشہور عالم تھے (دیکھئے فتوح مصر از واقدی)۔

تاریخ الطبری میں مندرجہ بعض قطعات سے پتہ چلتا ہے کہ الطبری نے السبیعی کی کتب مغازی اور فتوحات سے براہ راست استفادہ کیا ہے اور واقدی نے بھی ان کی بہت سی

عبارتیں دی ہیں۔(۱۵۰)

۱۵۔ یعقوب بن عتبہ (م ۱۲۸ھ/ ۷۴۵ء): یعقوب بن عتبہ بن المغیرہ الثقفی المدنی امام زہری کے معاصر تھے۔ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقف کار تھے۔ انہوں نے ۱۲۸ھ/ ۷۴۵ء میں وفات پائی۔

تاریخ الطبری میں یعقوب بن عتبہ کی السیرۃ کے بہت سے اقتباسات ہیں۔(۱۵۱)

۱۶۔ عبداللہ بن ابی بکر (م ۱۳۰ھ): عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم المدنی ۵۶ھ یا ۶۰ھ/ ۶۷۹ میں مدینہ میں پیدا ہوئے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، جو مورخ، فقیہ اور محدث تھے۔ ان سے حضرت امام مالک، ابن جریج اور ہشام بن عروہ وغیرہ وحدیث کی روایت کرتے ہیں۔ عبداللہ بھی اپنے باپ کی طرح مورخ اور محدث تھے، لیکن ان کی زندگی میں زیادہ شہرت نہ حاصل کر سکے۔ ابن اسحاق، الواقدی، ابن سعد اور الطبری وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ کتاب المغازی کے مؤلف تھے، معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بھانجے عبداللہ الملک بن محمد القاضی (التوفی ۱۷۶ھ/ ۷۹۲ء) ان کے راوی تھے۔ عبداللہ آنخضرت صلی اللہ علیہ کے بعض مکاتیب کی بھی روایت کرتے تھے جو آپ ﷺ نے اپنے معاصرین کو بھجوائے تھے۔ ان میں ایک مکتوب گرامی فرماں روایان حمیر کے نام بھی تھا۔ ۱۳۰ھ/ ۷۴۷ء یا ۱۳۵ء میں انتقال کیا۔(۱۵۲)

۱۷۔ یزید بن رومان (م ۱۳۰ھ): یزید بن رومان الاسدی المدنی، ابوروح، آل الزبیر بن العوام کے موالی میں سے تھے۔ ان کا شمار متاخر تابعین میں سے ہے، اگرچہ انہوں نے صحابہ کرامؓ سے روایت نہیں کی۔ وہ محدث اور مغازی کے مولف تھے۔ ان کی روایات کا مدار عروہ اور الزہری کے اقوال ہیں، لیکن خود ان سے محمد بن اسحاق اور حضرت مالک بن انس اور ہشام بن عروہ وغیرہ ہم روایت کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یزید بن رومان کی کتاب المغازی محمد بن صالح بن دینار (التوفی ۱۶۸ھ/ ۷۸۴ء) کی روایت سے الواقدی کی دسترس میں تھی۔ طبقات ابن سعد میں بھی اس کے اقتباسات ملتے ہیں۔ انہوں

نے ۱۲۰ھ/ ۷۴۷ء میں وفات پائی۔(۱۵۳)

الطبری نے ابن سعد، الواقدی اور ابن اسحاق کے حوالے سے یزید بن رومان کی المغازی کی بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں۔

۱۸۔ ابوالاسود: ابو الاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل بن الاسود الاسدی نے عروہ بن الزبیر کے دامن شفقت میں تربیت پائی تھی۔ وہ تابعی ہیں اور عروہ بن الزبیر ان کے سب سے بڑے شیخ (استاد حدیث) ہیں۔ خود ان سے الزہری، عبیداللہ بن ابی جعفر (مورخ مصر) عبداللہ بن لہیعہ، شعبہ اور اللیث وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں، اہل علم کے نزدیک ابوالاسود کی روایات قابل وثوق ہیں۔ ابن حجر نے الاصابہ میں ان کی کتاب المغازی کے جو مقطوعات دیئے ہیں، ان سے ابوالاسود کی باریک بینی اور دقیقہ رسی کا پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ ان کا منبع و مآخذ عروہ بن الزبیر کے اقوال ہیں۔(۱۵۴)

۱۹۔ داؤد بن الحسین (م ۱۳۵ھ): ابوسلیمان داؤد بن الحسین الاموی، عکرمہ اور نافع وغیرہم کے شاگرد اور امام مالکؒ اور ابن اسحاق کے شیخ تھے۔ اپنے استاد عکرمہ کی طرح خوارج کی طرف مائل تھے۔ بعض محدثین نے ان کی روایات کی تضعیف کی ہے اور بعض نے ان کی توثیق کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے حالات جمع کرنے کا ہی اہتمام کیا تھا۔ انہوں نے ۱۳۵ھ/۷۵۲ء میں رحلت کی۔(۱۵۵)

۲۰۔ ابوالمعتمر (م ۱۴۳ھ): ابوالمعتمر سلیمان بن طرفان التیمی، ۴۶ھ/ ۶۶۶ء میں پیدا ہوئے، حضرت انس بن مالک کے علاوہ بہت سے قدیم تابعین مثل الحسن البصری وغیرہم سے حدیث کی روایت کی۔ ان کی دقیقہ رسی کی وجہ سے اہل علم ان کی تعریف و توصیف کرتے ہیں، انہوں نے ۱۴۳ھ/۷۶۰ء میں بصرہ میں انتقال کیا۔

کتاب المغازی۔ خطیب بغدادی نے دمشق میں ان کی روایت کی اجازت سے حاصل کی تھی۔ تاریخ الطبری میں اس کے دو بڑے اقتباسات ہیں۔ امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب المغازی میں خصوصاً جلد پنجم میں اس کی عبارتیں نقل کی ہیں۔(۱۵۶)

۲۱۔ موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ): ابو محمد موسیٰ بن عقبہ کی تاریخ پیدائش کا ہمیں علم نہیں۔ طبقات سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ نوجوان ہی تھے، جبکہ انہوں نے ۶۸ھ/ ۶۸۷ء میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا وہ حج کرنے مکہ معظمہ جارہے تھے۔ ہمارے اندازے کے مطابق ان کی زیادہ سے زیادہ تاریخ پیدائش ۵۵ھ متعین ہو سکتی ہے۔ موسیٰ بن عقبہ امام زہری کے شاگرد رشید تھے۔ مسجد نبوی ﷺ میں ان کا حلقہ درس تھا جہاں وہ روایات کی اجازت عطا فرمایا کرتے تھے۔ مورخ کی حیثیت سے ان کی تمام تر توجہ کا مرکز مغازی رسول ﷺ اور خلفائے راشدینؓ تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مہاجرین حبشہ اور بیعت عقبہ میں شامل ہونے والوں کے اسمائے گرامی بھی ضبط کئے تھے۔ انہوں نے چند مواقع پر امویوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سنہ وار تاریخی واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ اپنی تاریخ میں اشعار سے شاذ و نادر استشہاد کرتے ہیں۔ انہوں نے ۱۴۱ھ میں انتقال کیا۔ (۱۵۷)

امام مالک نے موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کی تحسین کی ہے۔ ان کی مغازی کی بنیاد امام زہری کی کتاب المغازی کی روایات پر ہے، جن کو وہ مختلف الفاظ سے روایت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ موسیٰ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تحریری ذخیرہ سے بھی استفادہ کیا تھا جو کریب مولیٰ ابن عباس نے موسیٰ بن عقبہ کی امانت میں دے دیا تھا۔ اور یہ کتابی ذخیرہ کئی اونٹوں کے بوجھ کے برابر تھا۔ حافظ ابن حجر نے کتاب المغازی سے بے شمار اقتباسات الاصابہ میں دیئے ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی کا ایک ٹکڑا جناب مصطفیٰ الاعظمی نے بیروت سے شائع کیا ہے۔ (۱۵۸)

۲۲۔ معمر بن راشد (م ۱۵۴ھ): آپ سے منسوب کتاب المغازی ہے۔ (۱۵۹)

۲۳۔ الحنفی (م ۱۶۲ھ): واقدی نے آپ کی کتاب السیرت سے بہت استفادہ کیا ہے۔ (۱۶۰)

۲۴۔ ابو معشر سندھی (م ۱۷۰ھ): آپ نے کتاب المغازی کے نام سے ایک کتاب لکھی جس سے ابن سعد طبری اور واقدی نے استفادہ کیا۔ (۱۶۱)

۲۵۔ یحییٰ بن سعید الاموی (م ۱۹۴ھ): کتاب المغازی کے مصنف ہیں۔(۱۶۲)

۲۶۔ ابوالعباس الاموی (م ۱۵۹ھ): آپ کی کتاب المغازی سے بخاری نے استفادہ کیا۔(۱۶۳) یہ وہ ابتدائی کتابیں ہیں۔ جن کی بنیاد پر سیرت کی اہم کتب وجود میں آئیں، مندرجہ بالا کتب میں سے کچھ شائع ہوئیں۔ اکثر کے مسودات ضائع ہو گئے۔ یہی وجہ ہے بہت کم سیرت نگار ان سیرت نگاروں کا ذکر کرتے ہیں۔

چند معروف سیرت نگاروں کا جائزہ: اس سے قبل جن سیرت نگاروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے، بحث کے آخر میں چند معروف سیرت نگاروں کا مختصر ذکر کرنا چاہوں گا، یہ ایسے سیرت نگار ہیں جن کی شخصیت و نگارشات کا اکثر مصنفین نے تفصیل سے تذکرہ و تجزیہ کیا ہے اور ان تصانیف سیرت نے سیرت نگاری کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ ان سیرت نگاروں میں پہلا اہم ترین نام زہری کا ہے۔

۱۔ ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ): آپ نے المغازی کے نام سے سیرت و مغازی پر جامع کتاب لکھی۔(۱۶۴)

۲۔ محمد بن اسحٰق (م ۱۵۰ھ): آپ نے بھی کتاب المغازی کے نام سے جامع کتاب سیرت النبی پر قلمبند کی ہے جو سیرت ابن اسحٰق کے نام سے معروف ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اسے ایڈٹ کر کے شائع کرایا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

۳۔ ابوعبداللہ محمد بن عمر الواقدی (م ۲۰۷ھ): آپ کی کتاب المغازی سیرت کا بنیادی ماٴخذ ہے۔

۴۔ ابومحمد عبدالملک بن ہشام الحمیری (م ۲۱۸ھ): سیرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مصنف ہیں جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دراصل سیرت، ابن اسحٰق کی نئی ترتیب وتہذیب ہے اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اور اس کے خلاصے و شروحات شائع ہو چکے ہیں۔ مثلاً

۱۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی (المتوفی ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء) نے اس سیرت کی شرح الروض الانف کے نام سے لکھی۔ اس کا عمدہ ایڈیشن عبدالرحمٰن الوکیل کی تحقیق اور تعلیق سے قاہرہ سے شائع ہوا ہے۔ (۱۹۶۷ء۔۱۹۷۰ء)

۲۔ سیرت کے مشکل الفاظ کی شرح ابوذر مصعب بن محمد بن مسعود الخشنی الجیانی (المتوفی ۶۰۴ھ/۱۰۶۷ء) نے لکھی جو چھپ چکی ہے۔

۳۔ فتح بن موسیٰ المغربی (المتوفی ۶۶۳ھ/۱۲۶۵ء) نے اس کو نظم کا جامہ پہنایا۔

۴۔ یوسف بن عبدالہادی (المتوفی ۹۰۹ھ/۱۵۰۳ء) نے اس کی شرح المبرۃ فی حل مشکل السیرت کے عنوان سے لکھی، اس کا قلمی نسخہ کتاب خانہ الظاہریہ دمشق میں ہے۔

مختصرات سیرت ابن ہشام: (الف) احمد بن ابراہیم الواسطی (المتوفی ۷۱۱ھ۔ ۱۳۱۱ء) نے اس کا اختصار کیا، جس کے قلمی نسخے لائیڈن، لندن اور استنبول میں ہیں۔

(ب) المویدباللہ یحییٰ بن حمزہ بن علی (المتوفی ۷۴۷ھ/۱۳۴۹ء) نے اس کی تلخیص خلاصۃ السیرۃ النبویہ کے نام سے کی، قلمی نسخہ بانکی پور پٹنہ میں ہے۔

(۳) (عبدالسلام محمد ہارون نے ان کی تہذیب، تہذیب سیرت ابن ہشام کے عنوان سے کی اور قاہرہ اور بیروت سے اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔)

۴۔ التیجان المعرفۃ ملوک الزمان فی اخبار قحطان، حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ (۱۶۵)

قدیم وجدید کتب سیرت و مغازی کی فہرست سازی کا کام ہو چکا ہے۔ تعارف و تجزیہ کے لئے درج ذیل ماٰخذ سے مزید استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب لاہور ج/۱۴ ص/۱۷۶ تا ۱۸۵

۲۔ مصادر التراث العسکری عندالعرب ج/۲ ص/۸۰۔۱۱۷ اور ۳۷۶ تا ۳۸۶ ج/۳ ص/۱۵۶۔۱۵۹ اور ص/۲۳۲۔۲۳۳

۳۔ نقوش سیرت نمبر ج/۴ ص/۲۸۶۔۳۱۳

۴۔ سیرت النبی شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی ج/۱ ص/۳۴۔۳۷

۵۔ المصادر العربیۃ والمعربیۃ محمد ماہر حمادہ ص/ ۱۳۸۔۱۳۹

۶۔ دلیل مولفات الحدیثۃ والقدیمۃ دو جلدوں میں سیرت کی قدیم وجدید کتب کا بہترین ذخیرہ ہے۔

۷۔ سیرت کی اولین کتابیں جوزف شاخت نے اس میں کتب سیرت کا تعارف و تجزیہ پیش کیا ہے۔

۸۔ اردو میں لکھی جانے والی کتب کی بھی متعدد فہرست شائع ہو چکی ہیں جس سے اس موضوع پر کیے جانے والے عظیم کام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورہ الاعراف/۱۷۶

۲۔ سورۃ النساء/۵۹اور۸۳

۳۔ سورۃ الاحزاب/۲۱

۴۔ قرآن کریم کی اس آیت الیوم اکملت لکم دینکم وتممت علیکم نعمتی میں اسی طرف اشارہ ہے۔

۵۔ Al- Khudrawi Deeb A Dictionary of Islam i.c Terms- Al- yamamah Beirut 1995. p.23

۶۔ کیرانوی، مولانا وحید الزماں قاسمی القاموس الجدید ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۹۰ء ص/۱۵۷ بذیل مادہ ''أصل''

۷۔ المنجد فی اللغۃ والاعلام دارالمشرق بیروت ص/۱۲ بذیل مادہ۔

۸۔ سورۃ ابراہیم/۲۴ کشجرة طيبة أصلها ثابت و فرعهافی السماء ''أصل''

۹۔ العسکری، أبی هلال الحسن بن عبدالله بن سهل الفروق اللغوية دارالكتب العلمية بیروت ۲۰۰۰ء ص/۱۸۳،

۱۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۴۔۱ ص/۴۷ (دانش گاہ پنجاب لاہور طبع اوّل ۱۹۸۰ء) اور دائرة المعارف البطرس البستانی ج/۱۰ ص/۳۰۹، (دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

۱۱۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، سیر یا قانون بین الممالک (ماہنامہ) فکر ونظر (اسلام آباد) ج/۵ ش/۱۱، مئی ۱۹۶۸ء ص/۸۰۹ سیر کے موضوع پر اور کتب پر ڈاکٹر صاحب کا مذکورہ مضمون اور خطبات بہاولپور میں موجود لیکچر کا مطالعہ کریں۔

۱۲۔ القشیری، ابوالحسین مسلم، بن الحجاج، صحیح مسلم ج/۲ حصہ اول ص/ ۱۳۰۔۱۸۹

(مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۳۷۷ھ)

۱۳۔ ابن حجر، عسقلانی، فتح الباری ج/۸ ص/۳ (دارالفکر بیروت ۱۹۹۲ء)

۱۴۔ تمام بڑی کتب فقہ میں کتاب الجہاد والسیر کے عنوانات ملیں گے۔ اسی طرح مستقل کتب بھی لکھی گئی ہیں۔ جیسے امام محمد کی کتاب السیر الصغیر اور السیر الکبیر وغیرہ۔

۱۵۔ ندیم الواجدی، نقوش رسول نمبر لاہور ج/۱ ص/۵۲ ج/۱ ش/۱۳۰، دسمبر ۱۹۸۲ء ادارہ فروغ اردو لاہور۔

۱۶۔ ابن منظور، لسان العرب ج/۴ ص/۳۸۹، احیاء التراث العربی بیروت ۱۹۸۸ء۔

۱۷۔ الزبیدی، سید محمد مرتضی تاج العروس ج/۳ ص/۲۸۷ وزارۃ الارشاد والانباء کویت ۱۹۶۵ء۔

۱۸۔ الفارابی، أبی نصر اسماعیل بن حماد الجوہری، تاج اللغۃ و صحاح العربیۃ المسمی الصحاح ج/۲ ص/۵۹۳۔۵۹۴، محشی عبداللہ بن بری دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۹ء مزید دیکھیں القاموس المحیط ج/۲ ص/۵۶ اور المعجم المعظم ج/۳ ص/۱۴۸۷۔ مصباح اللغات ص/۳۸۷۔

۱۹۔ جامع اللغات ج/۳ ص/۴۵۴۔

۲۰۔ فیروز الدین۔ مولانا فیروز اللغات ص/۸۵۷ فیروز سنز لمیٹڈ کراچی ۱۹۶۵ء۔

۲۱۔ امروہوی، قائم رضا نسیم جدید نسیم اللغات اردو ص/۶۰۰ (اور سید مرتضی حسین)۔

۲۲۔ سورۃ طٰہٰ/۲۱۔

۲۳۔ سورۃ النحل/۳۶۔

۲۴۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ص/۱۳ اقبال اکادمی لاہور پاکستان (مقالہ پی ایچ ڈی) طبع اوّل ۱۹۸۹ء۔

۲۵۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود۔ اردو نثر میں سیرت رسول ص/۲۔

۲۶۔ یورش، پروفیسر عثمان خالد۔ فن سیرت نگاری ص/۸۔

۲۷۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، سیرۃ المصطفیٰ ج/۱ ص/۳ مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد جامعہ اشرفیہ لاہور ۱۹۸۵ء۔

۲۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۴۔ا ص/۷۴۔

۲۹۔ قاسمی، محمد جمال الدین۔ قواعد التحدیث ص/۳۵، مطبوعہ البابی الحلبی ۱۹۶۱ء۔

۳۰۔ محمد سرور، بن نایف زین العابدین۔ دراسات فی السیرۃ النبویہ ص/۷۲ دارالارقم ۱۹۸۶ء

۳۱۔ ایضاً ص/۷۴

۳۲۔ دھلوی، شاہ عبدالعزیز محدث، عجالہ نافعہ ص/۱۴ ص/۴۸ مترجم و شارح ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی۔ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۹۶۴ء

۳۳۔ گیلانی، مولانا مناظر احسن۔ تدوین حدیث ص/۸، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۹۷ء

۳۴۔ ایضاً ص/۹

۳۵۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

۳۶۔ سورۃ الجمعہ/۳

۳۷۔ سورۃ النساء/۶۹

۳۸۔ ابوالکلام آزاد، رسول رحمت ص/۴۔۵

۳۹۔ ایضاً ص/۱۹

۴۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۴۔ا ص/۷۴

۴۱۔ The Encyclopaedia of Islam Leiden Vol/4 P/439

۴۲۔ یہی بیشتر اہل علم کی رائے ہے۔ دیکھئے طبقات ابن سعد ج/۲۔ا ص/۱۸ ج/۳۔۲ ص/۱۵۲ کتاب الاغانی ج/۱۹ ص/۵۹ تفصیل ملاحظہ کریں اردو نثر میں سیرت رسول ص/۷۔۸

۴۳۔ احمد بن حنبل، مسند احمد ج/۱ ص/۷۵ اور ص/۱۲۸ اور دیکھئے المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث

۴۴۔ ابوالفتح، ڈاکٹر، محمد صغیر الدین۔ صحابہ کرامؓ کی نعت گوئی ص/۱۴ اظہار سیرت نمبر فروری ۱۹۷۹ء

۴۵۔ ابوالبرکات، عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر ص/۸۔۹
۴۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۴۔ اص/۴۷
۴۷۔ ابوالبرکات، عبدالرؤف داناپوری۔ اصح السیر ص/۸
۴۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۴۔ اص/۴۷
۴۹۔ ابوالبرکات، عبدالرؤف داناپوری۔ اصح السیر ص/۸
۵۰۔ ایضا
۵۱۔ ایضا ص/۹
۵۲۔ ندیم الواجدی، سیرت نگاری کے بعض اہم پہلو۔ نقوش رسول نمبر ج/۱ ص/۵۳ ش۔۱۳۰ دسمبر ۱۹۸۲ء
۵۳۔ عثمانی، شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد، فتح الملہم ج/۱ ص/۵۸ مدینہ پریس بجنور ہندوستان۔
۵۴۔ نقوش رسول نمبر ج/۱ ص/۵۳ بحوالہ فیض الباری ج/۱ ص/۵۸
۵۵۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، سیرۃ المصطفی ج/۱ ص/۳
۵۶۔ ابوالبرکات، عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر ص/۱۶
۵۷۔ شبلی نعمانی، علامہ۔ سیرۃ النبی ج/۱ حصہ اول ص/۲۴ مکتبہ مدنیہ اردو بازار لاہور ۱۴۰۸ھ
۵۸۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود۔ اردو نثر میں سیرت رسول ص/۲۴
۵۹۔ جمال الدین، عبدالصاحب۔ عربوں کی تاریخ کا مطالعہ (مترجم ندیم الواجدی) رسالہ رگ سنگ کانپور جنوری ۱۹۷۳ء
۶۰۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود۔ اردو نثر میں سیرت رسول ص/۲۴
۶۱۔ Encyclopaedia of Britannica Vol/11 P/529, (Articale History)
۶۲۔ السخاوی، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم اہل التاریخ (اردو) ص/۳۰ مرکزی اردو بورڈ لاہور۔
۶۳۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود۔ اردو نثر میں سیرت رسول ص/۲۶

۶۴۔ ندیم الواجدی، سیرت نگاری کے بعض اہم پہلو۔نقوش رسول نمبر ج/ ا ص/ ۵۷
۶۵۔ گیلانی، مولانا مناظر احسن۔ تدوین حدیث ص/۱۱
۶۶۔ ایضاً ص/۱۰
۶۷۔ جاوید، محمد مظفر عالم، صدیقی۔ اردو میں میلاد النبی ص/۹۶ (فکشن ہاؤس لاہور طبع اول ۱۹۹۸ء)
۶۸۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ص/۱۱
۶۹۔ فرمان فتح پوری، اردو کی نعتیہ شاعری ص/۲۱
۷۰۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود۔ اردو نثر میں سیرت رسول ص/۱۹
۷۱۔ Encyclopaedia of Britannica Vol/3 P/636, (Articale History)
۷۲۔ (بخاری) محمد بن اسماعیل التاریخ الکبیر ج/ اقسم/ اص/۶۳
۷۳۔ ابن قتیبہ، المعارف ص/۲۶۰
۷۴۔ سلمعانی، ابوسعد بعدالکریم بن محمد کتاب الانساب ج/اص/۹، مزید دیکھیں جامع بیان العلم ج/اص/۱۰۳
۷۵۔ مسعودی، مروج الذہب ج/۲ص/ ۳۳۵
۷۶۔ ایضاً ج/۳ ص/۴۱
۷۷۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم ج/ اص/ ۱۰۵
۷۸۔ ابن سعد، طبقات ج/ ص/ ۳۶۷
۷۹۔ ابن سعد، طبقات ج/ ۶ ص/۹۰
۸۰۔ یحیٰ نووی، ابوزکریا محی الدین تہذیب الاسماء واللغات ج/ اص/ ۳۳۷
۸۱۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب ج/ ۵ ص/۵۴
۸۲۔ خطیب بغدادی تاریخ بغداد ج/۳ص/ ۷
۸۳۔ ابوعبداللہ نیسا پوری معرفۃ علوم الحدیث ص/ ۲۳۸
۸۴۔ خطیب بغدادی شرف اصحاب الحدیث ص/ ۸
۸۵۔ دانا پوری، اصح السیر ص/۶۴۔۲۶

۸۶۔ ابن سعد، طبقات ج/۲ص/۳۷۶
۸۷۔ ایضاً ج/ ۸ص/۳۰۸
۸۸۔ ایضاً ج/ ۸ص/۲۹۳
۸۹۔ ایضاً ج/ ۸ ص/۳۵۹
۹۰۔ ایضاً ج/ ۸ ص/۴۱۳
۹۱۔ سورۃ آل عمران/۳۱
۹۲۔ سورۃ الاحزاب/۲۱
۹۳۔ بخاری، صحیح البخاری کتاب المغازی باب عدۃ اصحاب بدر
۹۴۔ بخاری، تاریخ کبیر ج/۲ قسم/۲ص/۲۸۱
۹۵۔ مبارکپوری، قاضی اطہر، تدوین سیر و مغازی شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند ۱۴۱۰ھ ص/۴۹
۹۶۔ بخاری تاریخ کبیر ج/۱ قسم/۱ ص/۳۹۸
۹۷۔ مبارکپوری، قاضی اطہر تدوین سیر و مغازی ص/۲۳
۹۸۔ بخاری۔ صحیح البخاری کتاب المغازی ج/۳ ص/۲ اور صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر
۹۹۔ مسند حمیدی ج/۲ص/۴۱۵
۱۰۰۔ بخاری تاریخ کبیر ج/۲ قسم/۲ص/۴۰۳
۱۰۱۔ بخاری، صحیح البخاری کتاب المغازی ج/۳ص/۲۹
۱۰۲۔ تذکرۃ الحافظ ج/۱ص/۱۴۰
۱۰۳۔ تاریخ بغداد ج/۳ص/۱۱، اور تہذیب التہذیب ج/۹ ص/۳۶۶
۱۰۴۔ کتاب الجرح والتعدیل ج/۳ص/۱۹۳، یہاں ایک شبہ کا ازالہ بھی مقصود ہے۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے:

ثلاثة کتب لیس لها اصول، المغازی، والملاحم، والتفسیر،

تین فن کی کتابیں بے بنیاد ہیں، مغازی، اور ملاحم، اور تفسیر۔

یہ قول مغازی و ملاحم اور تفسیر کی عام کتابوں کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ ان

تینوں علوم کی بعض مخصوص کتابیں مراد ہیں۔ جو اپنے بیان کرنے والوں کی بے اعتباری اور داستان گوئی کی وجہ سے ناقبل اعتمال ہیں: جیسا کہ خطیب بغدادی نے تصریح کی ہے۔ دیکھئے: تذکرۃ الموضوعات محمد طاہر گجراتی ص: ۸۲،

۱۰۵۔ اخبار أبي حنیفہ واصحابہ للصمیری ص/ ۷۵

۱۰۶ اعظمی، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ، مقدمہ مغازی رسول اللہ ﷺ عروہ بن زبیر مترجم محمد سعید الرحمٰن ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور ۱۹۸۷ء ص/ ۲۸۶

۱۰۷۔ الفہرست ابن ندیم ص/ ۱۳۲

۱۰۸۔ ایضاً ص/ ۱۳۱

۱۰۹۔ مصنف عبدالرزاق ج/ ۵ ص/ ۱۱۳

۱۱۰۔ مبارکپوری، قاضی اطہر تدوین سیر و مغازی ص/ ۱۷۱

۱۱۱۔ ابن حجر تہذیب التہذیب ج/ ۹ ص/ ۴۴

۱۱۲۔ تاریخ الخلفاء سیوطی ص/ ۲۶۶

۱۱۳۔ مبارکپوری، قاضی اطہر تدوین سیر و مغازی ص/ ۱۷۲

۱۱۴۔ اعظمی، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ مقدمہ مغازی رسول اللہ عروہ بن زبیر ص/ ۳۰۔۳۱

۱۱۵۔ سورہ الشوریٰ

۱۱۶۔ اعظمی، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ۔ مقدمہ مغازی رسول اللہ عروہ بن زبیر ص/ ۳۲

۱۱۷۔ ایضاً

۱۱۸۔ دیکھئے صحیح البخاری حدیث نمبر ۳۹۲۴۔۳۹۵ اور فتح الباری ج/ ۷ ص/ ۲۵۹۰

۱۱۹۔ دیکھئے بخاری حدیث ۳۶۵۲، ۳۹۰۸، ۳۹۱۷، فتح الباری ج/ ۷ ص/ ۸، ۲۴۵، ۲۵۵

۱۲۰۔ دیکھئے: بخاری حدیث ۳۹۵۵۔۳۹۵۹، ۳۹۷۰، فتح الباری ج/ ۷ ص/ ۲۹۔۲۹۱۔۲۹۷

۱۲۱۔ دیکھئے بخاری حدیث ۸۶۰۔ ۳۰۲۹، ۴۰۴۴۔۴۰۶۷ فتح الباری ج/ ۷ ص/ ۳۵۷، ۳۴۹، ۳۵۵۔۳۶۴، ج/ ۶ ص/ ۱۶۲

۱۲۲۔ دیکھئے بخاری حدیث ۴۵۳۸۔۴۵۴۵۔۴۵۲۲۔ ۳۵۲۲۔ ۳۵۲۳ فتح الباری

ج/ ۷ ص/ ۳۴۵-۳۴۲، ج/ ۶ ص/ ۱۵۵

۱۲۳۔ دیکھئے بخاری حدیث ۲۸۳۷، ۴۱۰۴، ۴۱۰۶، ۴۱۲۳، ۴۳۳۴، ۴۲۲۱، ۴۲۲۲، فتح الباری ج/ ۶ ص/ ۴۶، ۱۶۰، ج/ ۷ ص/ ۳۹۹، ۴۵۵،

۱۲۴۔ دیکھئے بخاری حدیث ۴۱۵۱۔ فتح الباری ج/ ۷ص/ ۴۹۱

۱۲۵۔ دیکھئے بخاری حدیث ۴۲۵۱۔ فتح الباری ج/ ۷ص/ ۴۹۹

۱۲۶۔ دیکھئے بخاری حدیث ۴۱۵۰۔ فتح الباری ج/ ۷ص/ ۴۹۱۔ کتاب الاموال لابی عبید ۱۵۸

۱۲۷۔ دیکھئے بخاری حدیث ۴۳۱۵۔ ۴۳۱۷-۲۸۶۴-۲۸۷۴۔ فتح الباری ج/ ۸ ص/ ۲۷-۲۸

۱۲۸۔ (۱)ابن سعد الطبقات ۵۰/۸۰-۸۱، مطبوعہ بیروت، ۹۲۰ ابن حبیب (المجر، ص ۴۲۲، ۴۲۱، ۴۲۲) (۳) ابن قتیبہ المعارف، ص ۱۳۲، (۴) ابن ابی حاتم، الجرح والتعدیل ۲/۱/۲۴-۲۵

۱۲۹۔ ابن حجر التہذیب ج/۴ص/ ۶۹

۱۳۰۔ مسند احمد ج/۵ص/ ۲۲۲

۱۳۱۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج/۲ص/ ۱۲۲۳

۱۳۲۔ تاریخ طبری ج/ اص/ ۱۱۱

۱۳۳۔ (۱)ابن ابی حاتم الجرح والتعدیل ۲۰/۱/۲۰۰، (۲)ابن حجر الاصابہ ۲/ ۲۶۷، (۳) ابن الحجر التہذیب، ۴/ ۲۴۸-۲۴۹، ان کی احادیث مسند احمد، ۲۲۸؍۲، ۴/ ۳۰۲ میں ملتی ہیں۔

۱۳۴۔ المغازی للواقدی ص/ ۹۵، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۹

۱۳۵۔ الانساب الاشراف بلاذری ج/ اص/ ۵۰۹

۱۳۶۔ تاریخ طبری ج/ اص/ ۱۲۶۴، ۱۶۰۹، ۱۷۵۷، ۱۷۸۲،

۱۳۷۔ طبقات ابن سعد ج/ اص/ ۳۳۲، ۴۸۹، ۴۰۹

۱۳۸۔ (۱) ابن سعد الطبقات ۵/ ۱۹-۱۴۳، مطبوعہ بیروت، (۲) ابن ابی حاتم الجرح والتعدیل ۲/۱/ ۵۹-۶۱، (۳) ابن حجر التہذیب، ۴/ ۸۴، ۸۸، (۴) الزرکلی

الاعلام، ۲/ ۱۵۵

۱۳۹۔ ابن سعد طبقات ج/ ۵ ص/ ۲۰۱ اور ابن حجر التہذیب ج/ ۷ ص/ ۴۴

۱۴۰۔ (۱) ابن سعد الطبقات، ۶/ ۱۷۱، ۱۷۸، مطبوعہ بیروت، (۲) ابن قتیبہ، المعارف، ص ۲۲۹، (۳) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۲/ ۲۲۷، ۲۲۲، (۴) ابن خلکان، وفیات الاعیان ۱/ ۳۰۶، ۳۰۷، (۵) الذہبی۔ تذکرۃ الحفاظ، ص ۷۹۔۸۸، (۶) ابن حجر۔ التہذیب۔ ۵/ ۶۵۔۶۶، (۷) الزرکلی۔ الاعلام، ۴/ ۱۸۔۱۹، (۸) الحالہ۔ معجم المولفین، ۵/ ۴۵

۱۴۱۔ تاریخ بغداد ج/ ۱۲ ص/ ۲۳۰

۱۴۲۔ اعظمی، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ، تدوین سیر و مغازی ص/ ۳۶۔۳۷، مزید سوانح کے لئے دیکھیں مقدمہ طبقات ابن سعد ج/ ۵ ص/ ۱۱۳

۱۴۳۔ ایضاً ص/ ۶۲۔۶۳

۱۴۴۔ (۱) ابن سعد الطبقات، ۵/ ۱۳۲ (۲) ابن قتیبہ، المعارف، ص ۱۱۴، (۳) امام بخاری تاریخ الکبیر، ۴/ ۱/ ۳۱۔۳۲، (۴) ابو نعیم حلیۃ الاولیاء، ۲/ ۱۷۶، (۵) ابن خلکان، وفیات الاعیان ۱/ ۲۹۸۔۳۰۰، مطبوعہ بولاق، (۶) ابن حجر۔ التہذیب۔ ۷/ ۱۸۰۔۱۸۵،، (۷) مقدمہ ذخاو، در طبقات ابن سعد، (۸) الزرکلی۔ الاعلام، ۵/ ۱۷، (۹) دلیا وزن اور یوسف باروبز کے مقالات، در اسلامک کلچر حیدر آباد دکن

۱۴۵۔ تاریخ طبری ج/ ۱ ص/ ۱۸۱

۱۴۶۔ (۱) ابن ابی حاتم الجرح والتعدیل، ۲/ ۱/ ۲۲۸، ۳۴۹، (۲) یاقوت، معجم البلدان، ۱/ ۲۶۹، (۳) عبد العزیز الدوری، علم التاریخ عند العرب، ص ۲۲

۱۴۷۔ ابن سعد الطبقات، ۵/ ۱۸۷، ۱۹۴، مطبوعہ بیروت، (۲) ابن ابی حاتم الجرح والتعدیل، ۳/ ۲/ ۱۸۸، ۲۹۱ ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء، ۲/ ۱۸۲، (۴) السفدی، نکت الہمیان، ص ۲۲۰، (۵) (۶) ابن حجر التہذیب، ۸/ ۲۲۳، ۲۲۵، (۷) ابن حجر التہذیب، ۲/ ۲۲۱، (۸) الزرکلی الاعلام، ۶/ ۱۵

۱۴۸۔ تاریخ طبری ج/ ۱ ص/ ۱۵۱، ۱۷۴، ۳۵۰، وغیرہ

۱۴۹۔ ابن قتیبہ المعارف، ص ۲۲۶، (۲) ابن ابی حاتم، الجرح والتعدیل، ۳/۲۴۶، (۳) العقیلی انی الرجال، ص ۲۸۳، (۴) ابن حجر التہذیب ۵/۵۲۔۵۴، (۵) وہی مصنف الاصابہ، ۳/۴۴۷، (۶) مقالہ یوسف باروبز، درمجلّہ اسلامک کلچر، حیدر آباد دکن، شمارہ ۲، ۱۹۲۸ء

۱۵۰۔ سزگین، محمد فواد تاریخ علوم اسلامیہ پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی لاہور ۱۹۹۶ء ج/۲/ص/۶۳

۱۵۱۔ ایضاً ج/۲/ص/۶۲

۱۵۲۔ ایضاً

۱۵۳۔ ایضاً

۱۵۴۔ ایضاً ص/۶۵

۱۵۵۔ ایضاً

۱۵۶۔ ایضاً ص/۶۶

۱۵۷۔ ایضاً ص/۶۷

۱۵۸۔ ایضاً

۱۵۹۔ ایضاً ص/۷۰

۱۶۰۔ ایضاً ص/۷۱

۱۶۱۔ ایضاً ص/۶۱

۱۶۲۔ ایضاً ص/۷۳

۱۶۳۔ ایضاً

۱۶۴۔ ایضاً ص/۶۱

۱۶۵۔ ایضاً ص/۷۵۔۷۶

تمت بالخیر

اصول سیرت نگاری

مأخذ ومصادر

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کے کچھ اصول ہیں، جن سے استفادہ کرتے ہوئے سیرت النبی ﷺ لکھی جانی چاہئے، ان اصولوں کی تعداد وترتیب میں اختلاف ہے۔ اس موضوع پر مستقل کتب اگرچہ نہیں لکھی گئیں ہیں لیکن ضمناً بعض کتب سیرہ میں مجملاً یہ بحث موجود ہے۔

اسلام کے دیگر موضوعات مثلاً حدیث کے لئے اصول حدیث، فقہ کے لئے اصول فقہ اور علم کلام کے لئے اصول علم کلام، علم تاریخ کے لئے اصول علم تاریخ کا فن موجود ہے۔ جس کے ذریعہ ان علوم کی ترتیب وتدوین اور پرکھنے میں مدد لی جاتی ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اصول سیرت النبی پر بھی مستقلاً لکھا جاتا اور مآخذ ومصادر کا تعین کیا جاتا، تاکہ اس علم میں فنی بنیادوں پر بہتری پیدا ہوتی اور سیرت نگاری میں افراط وتفریط سے بچا جاسکتا۔ لیکن عجیب بات ہے اس جانب بہت کم حضرات نے توجہ فرمائی ہے۔

اصول سیرت کے حوالہ سے یہ واضح رہے کچھ اصول ومصادر اصلیہ ہیں کچھ فرعیہ ہیں۔ سیرت کا بنیادی مصدر خود آپ ﷺ کی ذات ہے اور آپ کی ذات سے وہی کچھ صادر ہوتا تھا جو قرآن کریم کی تعلیم ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا نبی کے وہی اعمال و اخلاق تھے جن کی قرآن کریم نے تعلیم دی ہے۔(۱)

سیرت پر ریسرچ کے لئے بھی اسی طرح شرائط منضبط ہونے چاہئے تھے، جس طرح ماہرین علوم اسلامیہ نے تفسیر قرآن کریم کے لئے مفسر کو پابند کیا ہے کہ اسے ۱۸ علوم

سے واقفیت ہونی چاہئے۔

ہر اصول وعلم کی ہر جگہ ضرورت نہیں پڑتی ہے بلکہ جس پہلو پر محقق کام کر رہا ہو اسی سے متعلق علم کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً ایک شخص "اسفار نبوی ﷺ" پر اسی وقت لکھنے کا حق ادا کرسکتا ہے جبکہ وہ علم جغرافیہ سے واقف ہو۔ میں نے یہاں جن علوم سے آگاہی کو سیرت نگاری کے لئے ضروری قرار دیا ہے وہ اسی تناظر میں ہے۔

پہلا اصول قرآن ہے

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع کیا جائے گا کہ قرآن کریم سیرت النبی ﷺ کے اس خاص پہلو کی طرف کیا رہنمائی کرتا ہے؟ عہد نبوی وعہد صحابہ میں یہی طریقہ رائج تھا۔ خود قرآن نے انبیاء کے قصے بیان کرنے کا حکم دیتے ہوئے کہا ہے۔

فاقصص القصص لعلهم يتفكرون۔ (۲)

لوگوں کو پچھلے قصے سنایا کرو تا کہ وہ سوچیں۔ قصص الانبیاء کو احسن القصص (بہترین قصے) قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم کہانیوں کی کتاب نہیں ہے لیکن انبیاء کی سیرت کے اہم حصوں کی طرف رہنمائی ضرور کرتا ہے۔

ایک دفعہ کچھ صحابہؓ نے حضور ﷺ کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

إن خلق رسول الله كان القرآن۔ (۳)

رسول ﷺ کے وہی اخلاق تھے جو قرآن کریم بیان کرتا ہے۔ قرآن کریم نے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔ جس میں آپ کی ابتدائی زندگی، یتیمی، غربت، جوانی میں مالی فراغت، تلاش حق، بعثت، نزول وحی دعوت وتبلیغ، کفار کی مخالفت، اسلام کا فروغ، معراج، ہجرت، غزوات، خود آپ ﷺ کے اخلاق و عادات کی مختلف انداز میں وضاحت کی ہے۔ یہی وجہ ہے تمام سیرت نگاروں نے سیرت کا پہلا ماخذ

قران کریم کو تسلیم کیا ہے۔(۴۰) لیکن عملی صورت حال یہ ہے کہ صرف قرآن کریم سے استفادہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کی سیرت پر اتنا نہیں لکھا گیا جتنا لکھا جانا چاہئے تھا۔ اس کا شکوہ مولانا ابوالکلام آزاد سمیت دیگر افراد کو بھی رہا ہے۔(۵) حتی کہ معروف سیرت نگار علامہ شبلی بھی تذب ذب کا شکار رہے ہے کہ کیا صرف قرآن کریم سے سیرت النبی ﷺ لکھی جا سکتی ہے۔(۶) اس کا عملی جواب ابوالکلام آزاد نے خود دیا اور بقول خود پہلی کتاب سیرت پر قرآن کریم کی روشنی میں تیار کی، یہ کتاب قرآن کی سورتوں کی ترتیب پر ہے۔(۷) باوجود یکہ یہ دعویٰ قابل تحقیق ہے۔ پھر بھی کچھ کوششیں ایسی ہوئی ہیں جن میں قرآن کریم کی بنیاد پر سیرت لکھی گئی ہے جیسے جمال مصطفیٰ عبدالعزیز عرفی کی(۸) **نبوة محمد في القرآن۔ الدكتور حسن ضياء الدين عتر** کی(۹) **سيرة الرسول صورة مقتبسة من القرآن الكريم محمد عزه دروزه** کی۔(۱۰) **النبي الامين والقرآن المبين** مولانا عبیداللہ سندھی کی (مطبوعہ کراچی) **رسول كريم في قرآن عظيم شمس الدين** کی (مطبوعہ الفیصل لاہور)

نبی قرآن کی روشنی میں، عزیز ملک کی (دیا پبلیشرز اسلام آباد) بولتا قرآن محمد رئیس کی (نوری بک ڈپو فیصل آباد)، ہمہ قرآن درشان، محمد ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی (رائل بک ڈپو حیدر آباد) رسول رحمت ابوالکلام آزاد محمد علی البلادی کی التعریف بالنبی والقرآن قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ نقوش رسول نمبر کی جلد اوّل بھی اسی کوشش کی کڑی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں قرآن کریم دنیا کی واحد کتاب ہے، جو ہر سوال کا جواب دیتی ہے کہ اس کا لانے والا کون تھا، کیسے زمانے میں آیا؟ کس ملک میں پیدا ہوا؟ اس کے خویش و بیگانہ کیسے تھے؟ قوم و مرزبوم کا کیا حال تھا؟ اس نے کیسی زندگی بسر کی؟ اس نے دنیا کے ساتھ کیا کیا اور دنیا نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ اس کی باہر کی زندگی کیسی تھی اور گھر کی معاشرت کا کیا حال تھا؟ اس کے دن کیسے بسر ہوتے تھے اور راتیں کن کاموں میں کٹتی تھیں؟ اس نے کتنی عمر پائی؟ کون کون سے اہم واقعات وحوادث پیش آئے؟ پھر جب دنیا سے جانے کا وقت آیا تو دنیا والوں کو کس عالم میں چھوڑ گیا؟ اس نے جب دنیا پر پہلی نظر ڈالی تھی تو دنیا کا کیا حال تھا۔ اور جب واپس نظر وداع ڈالی تو وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی؟ غرض ایک وجود، مقاصد وجود اور اعلام صداقت وعظمت کے لئے اس کے وقائع میں سے جن جن باتوں

کی ضرورت ہوسکتی ہے، وہ سب کچھ صرف قرآن کریم ہی کی زبانی دنیا معلوم کرسکتی ہے اور اس بارے میں بھی قرآن کریم اپنے سے باہر کا ابداً محتاج نہیں اور یہ سب کچھ از قبیل اشارات ومرموزات نہیں، جیسا کہ ارباب نکات ودقائق کا طریق استنباط ہے، بلکہ صاف صاف اور کھلا کھلا بیان، جو فقہا کے طریق واستنباطِ اشارۃ النص سے کہیں زیادہ واضح وظاہر اور اگر رموز و اشارات وتلمیحات کا طریق اختیار کیا جائے تو پھر خاص خاص آیتوں کو چھانٹنے کی کیا ضرورت ہے؟ پورے قرآن کریم میں بجز اس ایک ذکر کے اور کوئی ذکر ہی نہیں۔

اگر غور کیا جائے تو فی الحقیقت یہ معاملہ بھی منجملہ خصائص واعجاز قرآن ہے کہ کسی پیغام کی صداقت جانچی نہیں جاسکتی، جب تک پیغام لانے والے کی صداقت وامانت نہ جانچی جاسکے اور وہ ممکن نہیں، جب تک اس کی پوری زندگی اور زندگی کے اعمال و وقائع دنیا کے سامنے نہ ہوں۔ پس اس اعتبار سے آج تمام عالم میں اگر کوئی صحیفہ آسمانی ایسا ہے، جو اپنے لانے والے کی زندگی کے وقائع وسوانح ہر زمانے اور ہر عہد میں خود اپنی زبانی سنائی دے سکتا ہے تو وہ بحکم:

هٰذا کتابنا ینطق علیکم بالحق (۱۱)

یہ ہماری کتاب تمہارے بارے میں حق کے ساتھ بولتی ہے۔

بجز قرآن کریم کے اور کوئی نہیں۔ اس کے سوا جس قدر کتب سماویہ موجود ہیں، وہ یا تو اپنی صداقت کی اور ساری باتوں کی طرح اس بارے میں بھی بالکل خاموش ہیں، حتیٰ کہ اپنے لانے والوں کے وجود کے اثبات سے عاجز اور اگر اس کی شخصیت کا ذکر کرتے بھی ہیں تو ایسے مجہول وسراپا شکوک وارتیاب کی شکل ہیں، جس سے اثبات کی جگہ اور زیادہ سلب ونفی کا یقین پیدا ہوتا ہے۔ (۱۲)

آگے مزید لکھتے ہیں: اگر دنیا سے تاریخ اسلام کی ساری کتابیں معدوم ہو جائیں، دنیا نے جو کچھ چھٹی صدی عیسوی کے ایک ظہور دعوت کی نسبت سنا ہے وہ سب کچھ بھلا دے اور صرف قرآن کریم ہی دنیا میں باقی رہے جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت مقدسہ اور آپ ﷺ کی سیرت وحیات کے براہین وشواہد مٹ نہیں سکتے۔ (۱۳) اور حقیقت یہ ہے کہ ورفعنا لک ذکرک (۱۴) ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا، میں اسی طرف اشارہ

ہے کہ جس طرح قرآن کریم بھی فنا نہیں ہوگا اسی طرح آپ ﷺ کی سیرت بھی ہمیشہ زندہ رہے گی۔

لیکن اعتدال اور حقیقت سے زیادہ قریب بات ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی ہے لکھتے ہیں:

قرآن کریم نے حالات نبوی ﷺ کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بجائے اجمال سے کام لیا ہے۔ مثلاً جب کسی غزوہ کا ذکر کرتا ہے تو اسباب پر روشنی ڈالتا ہے، جزئیات پر نہیں صرف جنگ کے نصیحت آموز پہلوؤں کو نکھارتا ہے اور عبرت آموز واقعات پر تبصرہ کرتا ہے اور یہی معاملہ انبیاء کے قصوں اور اقوام ماضیہ کے حالات کے ساتھ بھی ہے۔ اس لئے ہم سیرت نبوی ﷺ سے متعلق قرآنی نصوص پر اکتفا نہیں کر سکتے ہیں اور ان سے حیات رسول ﷺ کی مکمل تصویر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔(۱۵) بلکہ منکرین حدیث نے حدیث سے بچنے کے لئے اسے بہانہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ جیسے ہیکل کی حیاۃ محمد(۱۶)

آیئے قرآن کریم سے سیرت طیبہ ﷺ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ قرآن کریم آپ ﷺ کے خوف الٰہی کی کیفیت واضح کرتا ہے۔(۱۷) کہ وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے نہیں ڈرتا ہے۔(۱۸) اور لوگوں سے یہی چاہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور ایمان لے آئیں۔(۱۹) یہی رحمۃ اللعالمین ہونے کا تقاضہ بھی ہے۔(۲۰)

آیات قرآنی کے مطابق آپ ﷺ دعائے خلیلؑ (۲۱) بھی تھے اور نوید مسیحاؑ بھی(۲۲) آپ ﷺ کا اسم مبارک محمد ﷺ (۲۳)، بھی ہے اور احمد ﷺ (۲۴) بھی۔ کلام الٰہی میں آپ ﷺ کو یٰسین(۲۵)، طٰہٰ(۲۶)، مزمل(۲۷)، مدثر(۲۸)، نبی امی(۲۹)، داعی الی اللہ(۳۰)، منذر(۳۱)، ہادی(۳۲)، سراج منیر(۳۳)، شاہد(۳۴)، مبشر(۳۵)، نذیر(۳۶)، مذکی(۳۷)، معلم کتاب وحکمت(۳۸)، نور(۳۹)، رسول ﷺ صادق(۴۰)، برہان ربانی(۴۱)، حاکم برحق(۴۲)، سراپا ہدایت(۴۳)، رحمۃ للعالمین(۴۴)، رؤف و رحیم(۴۵)، صاحب خلق عظیم(۴۶)، اول المسلمین(۴۷)، خاتم النبین(۴۸)، بندۂ الٰہی(۴۹)، صاحب کوثر(۵۰)، صاحب رفعت وشان(۵۱)، مرکز آرزوئے مومنین(۵۲)، محبوب خدا(۵۳)، اور ممدوح ملائکہ(۵۴)، قرار دیا گیا ہے۔ تاہم قرآن کریم کے نزدیک آپ ﷺ کی سب سے اعلیٰ صفت یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے(۵۵)، اور اس کے رسول(۵۶) ہیں، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اپ ﷺ کی اصل حیثیت ایک

ایسے انسان کی تھی، جسے منصب نبوت سے سرفراز کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں آپ ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں، آپ ﷺ کی یتیمی، غربت میں پرورش، جوانی میں معاشی آسودگی (۵۷)، بعثت سے پہلے کی پاکیزہ زندگی (۵۸)، حقیقت کی تلاش کے لئے مجاہدے (۵۹)، منصب نبوت سے سرفرازی (۶۰)، آغاز وحی (۶۱)، مکہ میں تبلیغ اسلام (۶۲)، قریش کی مخالفت اور ایذا رسانی (۶۳)، سعید روحوں کا قبول اسلام (۶۴)، دعوتِ دین کے راستے کی مشکلات (۶۵)، واقعہ معراج (۶۶)، مظلوم مسلمانوں کی ہجرتِ حبشہ (۶۷)، کفار کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے قتل کے ارادے (۶۸)، حضرتِ ابوبکرؓ کے ہمراہ ہجرتِ مدینہ (۶۹)، غارِ ثور میں چھپنا (۷۰)، مدینہ میں مہاجرین، انصار، منافقین، اور یہود کا اخلاق و کردار اور آنحضرت ﷺ سے ان کا سلوک (۷۱)، اصحابِ صفہ (۷۲)، مسجدِ ضرار کا انہدام (۷۳)، مسجد قبا کی تعمیر (۷۴)، تحویل قبلہ (۷۵)، غزوۂ بدر (۷۶)، غزوۂ احزاب (۷۸)، غزوۂ حنین (۷۹)، غزوۂ تبوک (۸۰)، بیعتِ رضوان (۸۱)، صلح حدیبیہ (۸۲)، فتح مکہ (۸۳) اور حجۃ الوداع (۸۴)، وغیرہ کا ذکر اس صراحت سے موجود ہے کہ ان تمام آیات کو جمع کر کے آپ ﷺ کی سوانح عمری مرتب کی جا سکتی ہے۔ ان واقعات میں بعض کا ذکر اجمالاً اور بعض کا تفصیلاً کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں آپ ﷺ کی ازدواجی زندگی (۸۵)، معاشرتی تعلقات (۸۶)، سیرت و کردار (۸۷) اور اخلاق و عادات (۸۸) کے بارے میں بھی واضح اشارے ملتے ہیں۔ ازواجِ مطہراتؓ کی خصوصی حیثیت (۸۹)، صفات اور آنحضرت ﷺ کی طرف ان کا عمومی اور استثنائی رویہ (۹۰)، واقعہِ تحریم (۹۱)، حضرت زینبؓ کا حضرتِ زید بن حارثہؓ سے نکاح، ازدواجی بدمذگی، طلاق اور آنحضرت ﷺ سے شادی (۹۲)، ایک زوجہ کا افشائے راز (۹۳)، واقعہ افک (۹۴)، وفدِ نجران کو دعوتِ مباہلہ (۹۵)، حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ (نابینا صحابیؓ) سے بے اعتنائی اور مکہ کے بارسوخ کافر سرداروں کی طرف آنحضرت ﷺ کی غیر معمولی توجہ پر اللہ تعالیٰ کی تنبیہ (۹۶) بھی قرآن کریم سے ہی پتہ چلتا ہے۔ قرآن مجید میں آپ ﷺ کے جانثار دوستوں اور جانی دشمنوں کا ذکر بھی موجود ہے۔ جہاں غارِ ثور کے ساتھی (حضرت ابوبکر صدیقؓ) کا نام لئے بغیر تذکرہ کیا گیا ہے۔ (۹۷) وہاں آپ ﷺ کے دشمن

چچا ابولہب اور اس کی بیوی کے لئے پوری سورت وقف ہے، جنہوں نے آپ ﷺ کی مخالفت اور ایذا دہی میں کسر نہیں چھوڑی۔ قرآن کریم نے ان دونوں کو دردناک عذاب کی خبر دی ہے۔(۹۸)

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر وہ تمام جھوٹے الزامات بھی درج ہیں، جو کفار آنحضرت ﷺ پر عائد کرتے تھے، وہ آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) مجنون، گمراہ، مفتری، جادوگر، کاہن اور شاعر(۹۹) قرار دے کر لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے تھے۔ قرآن کریم نے ان الزامات کے بڑے منطقی اور مدلل جواب دے کر نبی کریم ﷺ کے حقیقی اوصاف کی طرف توجہ دلائی ہے۔(۱۰۰) کفار مکہ کی طرف سے آپ ﷺ سے معجزات طلب کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ہی آپ ﷺ کی طرف سے جواب دیا ہے۔(۱۰۱) اور سوائے شق القمر کے کسی اور معجزے کو آنحضرت سے منسوب نہیں کیا۔(۱۰۲) (بعض مفسرین کے نزدیک شق القمر بھی معجزہ نہیں بلکہ قیامت کی ایک نشانی ہے، البتہ قرآن کریم آپ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے) آپ ﷺ کے شرح صدر کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔(۱۰۳) سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآن کریم آنحضرت ﷺ کو ایک بشر بنا کر پیش کرتا ہے لیکن اس تخصیص کے ساتھ کہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔(۱۰۴) اسی طرح وہ آپ ﷺ کی غیب دانی کی بھی پرزور لفظوں میں تردید کرتا ہے۔(۱۰۵) قرآن کریم میں کئی مقامات پر یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معمولی یا شدید عتاب کا مظاہرہ کیا گیا ہے، یا آپ ﷺ کی غلطی پر عفو و درگزر سے کام لینے کی اطلاع دی گئی ہے۔ جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے (۱۰۶) غزوۂ تبوک میں شرکت سے چند صحابہؓ کو چھوٹ دینے (۱۰۷)، عبداللہ ابن ام مکتومؓ کے مخلصانہ دینی اشتیاق کے جواب میں بے رخی اختیار کرنے پر خفیف لفظوں میں آپ ﷺ کو تنبیہ کی گئی ہے۔(۱۰۸) اور کوئی بات اختراع کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کی صورت میں رگِ جان کاٹ دینے کی دھمکی دی گئی ہے۔(۱۰۹)

قرآن کریم سے ہی آپ ﷺ کی پیشین گویوں کے سچا ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً اہلِ مکہ کی نافرمانی پر آپ ﷺ کی طرف سے ان کے قحط میں مبتلا کئے جانے کی بددعا(۱۱۰) رومیوں کے ایرانیوں کے ہاتھوں مغلوب ہونے کے بعد جلد ہی غالب آنے کی پیشین گوئی(۱۱۱) اور آپ ﷺ کا مسجدِ حرام میں امن و امان سے داخل ہونے کا

خواب (۱۱۲) وغیرہ۔

رہے آپ ﷺ کے اخلاق و آداب، تو ان سے پورا قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ اس مقدس کتاب میں آپ ﷺ کی شجاعت اور استقامت، ایثار و سخاوت، صبر و درگزر، حق و صداقت، قیادت و سیادت، بصیرت و حسنِ تدبر، رحم دلی و شفقت، احسان و مروت، عبادت و ریاضت، رشد و ہدایت، عدل و مساوات، فیاض و فراخ حوصلگی، عسکری صلاحیت، بشریت و عبودیت، اور خلقِ خدا سے محبت اور خیر خواہی کا بار بار ذکر کر کے آپ ﷺ کو حامل خلقِ عظیم، رؤف و رحیم اور رحمۃ للعالمین قرار دیا گیا ہے۔ (۱۱۳)

قرآن کریم میں ایک طرف آپ ﷺ کی زندگی کے اہم پہلو واضح کئے گئے ہیں، دوسری طرف آپ ﷺ کے عہد کے بعض وقائع پر بحث کی گئی ہے اور تیسری طرف آپ ﷺ کے کردار کی تمام خصوصیات گنوائی گئی ہیں۔ ان باتوں کا تذکرہ قرآن کریم میں کتبِ احادیث، کتبِ مغازی و سیر اور کتبِ تاریخ کی طرح مفصل و مرتب نہیں، بلکہ مختصر و مجمل ہے۔ قرآن کریم، موجودہ توریت کی طرح نہ محض تاریخ ہے اور نہ موجودہ اناجیل کی طرح محض سوانح عمری۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ صحیفہ ہدایت ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بنی نوع انسان تک پہنچا۔ حضور ﷺ ایک خاص ملک، ایک خاص عہد، اور ایک خاص معاشرے میں مبعوث ہوئے، لیکن آپ ﷺ کو قرآن کریم کی شکل میں جو پیغام عطا ہوا، وہ ساری دنیا، سارے زمانوں اور سارے معاشروں کے لئے تھا۔ چنانچہ جہاں قرآن کریم کی عام تعلیمات انسانوں کے لئے دستورِ حیات ہیں، وہاں صاحب قرآن کی زندگی کو قابلِ عمل اُسوۂ حسنہ (اچھا نمونہ) قرار دیا گیا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی سیرت و کردار کو مومنوں کے لئے ایک اعلیٰ مثال کے طور پر پیش کیا ہے اور اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ پیغمبر کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ محض حامل قرآن نہ تھے بلکہ سراپا قرآن تھے۔

قرآن کریم کے آئینے میں ہمیں سیرتِ رسول ﷺ کی جو دلآویز جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ ان سے استفادہ کر کے آپ ﷺ کی سیرت پر غور و فکر کی راہیں کھولی جا سکتی ہیں۔ اس لحاظ سے قرآن کریم کا نفس متن سیرت نگاری کا پہلا اصول و مصدر کہلائے گا۔

پہلے اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ مالک بن انس، موطاء امام مالک باب حسن الخلق ص/۹۰۴

۲۔ سورۃ الاعراف/۱۷۶

۳۔ مالک بن انس، موطاء امام مالک باب حسن الخلق ص/۹۰۴ اور کنزل العمال ج/۳ص/۱۶

۴۔ دیکھئے السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ الدکتور مهدی رزق اللہ احمد مطبوعہ جامعۃ الملک السعود الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۲ء ص/۱۶ اور فقہ السیرۃ الدکتور محمد سعید رمضان البوطی انتشارات لقمان قم ص/۲۲ اور سیرت نبوی ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مترجم مزمل حسین القرانٹر پرائز لاہور ۱۹۸۹ء ص/۳۰۔۳۱ اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ ڈاکٹر انور محمود خالد ص/۴۵ تا ۵۲ اور دراسات فی السیرۃ النبویۃ محمد سرور بن نایف زین العابدین دارالارقم ۱۹۸۶ء ص/۷۰

۵۔ ابوالکلام آزاد، رسول رحمت ص/۱۸

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً ص/۱۹ اور ص/۲۳

۸۔ یہ گیلانی پبلشرز کراچی سے اگست ۱۹۸۰ء میں پہلی دفعہ شائع ہوئی، چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ الاتقاللسیوطی کی ترتیب نزولی کے اعتبار سے سیرت لکھی ہے ہر جلد ۳۰ تا ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۹۔ یہ دار البشائر الاسلامیۃ سے ۱۹۹۰ء میں ایک جلد میں ۴۷۶ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ اس میں شخصیت کے مختلف پہلو سے متعلق آیات کو الگ جمع کر کے اس کی روشنی میں سوانح، بعثت، اخلاق، نبوت کا اثبات، اور اعتراضات کے جوابات پیش کیے گئے ہیں۔

۱۰۔ یہ دو جلدوں میں لکھی گئی ہے، دیکھئے: السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ ص/۱۶

۱۱۔ سورہ جاثیہ/۲۹

۱۲۔ ابوالکلام آزاد، رسول رحمت ص/۱۹۔۲۰

۱۳۔ ایضاً ص/۱۹

۱۴۔ سورۃ الشرح/۴

۱۵۔ سباعی، ڈاکٹر مصطفی، سیرت نبوی ص/۳۱

۱۶۔ حمادہ، الدکتور فاروق، مصادر السیرۃ النبویۃ و تقویمھا دارالثقافۃ شام ۱۹۸۰ء ص/۱۱۰۔۱۲۰

۱۷۔ سورۃ الانعام ۶/۱۵

۱۸۔ سورۃ یونس/۱۰/۱۵

۱۹۔ سورۃ توبہ ۹/۱۲۸

۲۰۔ سورۃ الانبیاء ۲۱/۱۰۷

۲۱۔ سورۃ البقرہ ۲/۱۲۹

۲۲۔ سورۃ صف ۶۱/۶

۲۳۔ سورۃ فتح ۴۸/۲۹

۲۴۔ سورۃ صف ۶۱/۶

۲۵۔ سورۃ یٰسین ۳۶/۱

۲۶۔ سورۃ طٰہٰ ۲۰/۱

۲۷۔ سورۃ مزمل ۷۳/۱

۲۸۔ سورۃ مدثر ۷۴/۱

۲۹۔ سورۃ اعراف ۷/۱۵۸

۳۰۔ سورۃ احزاب ۳۳/۳۶

۳۱۔ سورۃ رعد ۱۳/۷

۳۲۔ سورۃ رعد ۱۳/۷

۳۳۔ سورۂ احزاب ۳۳/۳۶
۳۴۔ سورۂ احزاب ۳۳/۳۵
۳۵۔ سورۂ احزاب ۳۳/۳۵
۳۶۔ سورۂ احزاب ۳۳/۳۵
۳۷۔ سورۂ آل عمران ۳/۶۴
۳۸۔ سورۂ آل عمران ۳/۶۴
۳۹۔ سورۂ مائدہ ۵/۱۵
۴۰۔ سورۂ نساء ۴/۱۷۰
۴۱۔ سورۂ نساء ۴/۱۷۴
۴۲۔ سورۂ نساء ۴/۱۰۵
۴۳۔ سورۂ نحل ۱۶/ ۲۷
۴۴۔ سورۂ انبیاء ۲۱/ ۱۰۷
۴۵۔ سورۂ توبہ ۹/ ۱۲۸
۴۶۔ سورۂ قلم ۶۸/ ۴
۴۷۔ سورۂ انعام ۶/ ۱۶۲
۴۸۔ سورۂ احزاب ۳۳/۴۰
۴۹۔ سورۂ بنی اسرائیل ۱۷/۱
۵۰۔ سورۂ کوثر ۱۰۸/۱
۵۱۔ سورۂ الم نشرح ۹۴/۴
۵۲۔ سورۂ احزاب ۳۳/۶
۵۳۔ سورۂ احزاب ۳۳/۵۶
۵۴۔ سورۂ احزاب ۳۳/۵۶
۵۵۔ سورۂ الکہف ۱۸/۱۱۰
۵۶۔ سورۂ اعراف ۷/۱۵۸
۵۷۔ سورۂ الضحیٰ ۹۳/ ۶ تا ۸

۵۸۔ سورۂ العنکبوت ۲۹/ ۴۸
۵۹۔ سورۂ الضحیٰ ۹۳/ ۷
۶۰۔ سورۂ آل عمران ۳/ ۱۶۴
۶۱۔ سورۂ علق ۹۶/ ۱ تا ۵
۶۲۔ سورۂ مائدہ ۵/ ۶۷
۶۳۔ سورۂ انعام ۶/ ۳۳ تا ۳۵
۶۴۔ سورۂ انعام ۶/ ۵۲
۶۵۔ سورۂ انعام ۶/ ۱۰۶ تا ۱۰۷
۶۶۔ سورۂ بنی اسرائیل ۱۷/ ۱
۶۷۔ سورۂ النحل ۱۶/ ۴۱
۶۸۔ سورۂ انفال ۸/ ۳۰
۶۹۔ سورۂ توبہ ۹/ ۴۰
۷۰۔ سورۂ توبہ ۹/ ۴۰
۷۱۔ سورۂ توبہ، سورۂ بقرہ، سورۂ المنافقون کی متفرق آیات
۷۲۔ سورۂ البقرہ ۲/ ۲۷۳
۷۳۔ سورۂ توبہ ۹/ ۱۰۷ تا ۱۱۰
۷۴۔ سورۂ توبہ ۹/ ۱۰۸
۷۵۔ سورۂ بقرہ ۲/ ۱۴۴
۷۶۔ سورۂ آل عمران ۳/ ۱۲۳
۷۷۔ سورۂ آل عمران ۳/ ۱۲۱ تا ۱۷۵
۷۸۔ سورۂ احزاب ۳۳/ ۹ تا ۲۰
۷۹۔ سورۂ توبہ ۹/ ۲۵ تا ۲۶
۸۰۔ سورۂ توبہ ۹/ ۹۲ تا ۱۰۶۔ ۱۱۷ تا ۱۲۳
۸۱۔ سورۂ فتح ۴۸/ ۱۸ تا ۱۹
۸۲۔ سورۂ فتح ۴۸/ ۲ تا ۲۷

۸۳۔ سورۂ بنی اسرائیل ۸۱/۱۷
۸۴۔ سورۂ مائدہ ۳/۵
۸۵۔ سورۂ احزاب ۳۳/۲ تا ۵۱
۸۶۔ سورۂ آل عمران اور سورۂ احزاب متعدد آیات
۸۷۔ سورۂ توبہ، سورۂ آل عمران، سورۂ احزاب کی آیات
۸۸۔ سورۂ توبہ، سورۂ آل عمران، سورۂ احزاب کی آیات
۸۹۔ سورۂ احزاب ۳۳/۳۰ تا ۳۴
۹۰۔ سورۂ التحریم ۶۶/۳ تا ۵
۹۱۔ سورۂ التحریم ۶۶/۱ تا ۲
۹۲۔ سورۂ احزاب ۳۳/ ۳۷
۹۳۔ سورۂ التحریم ۶۶/۳
۹۴۔ سورۂ النور ۲۴/۱۱ تا ۱۸
۹۵۔ سورۂ آل عمران ۳/۶۴
۹۶۔ سورۂ عبس ۸۰/۱ تا ۱۶
۹۷۔ سورۂ توبہ ۹/۴۰
۹۸۔ سورۂ اللھب ۱۱۱/۱ تا ۵
۹۹۔ سورۂ سباء ۳۴/۴۶، ۵۰ اور سورۂ الصفّت ۳۷/۱۵، ۳۶
۱۰۰۔ سورۂ الطور ۵۲/۲۹
۱۰۱۔ سورۂ الاعراف ۷/۲۰۳
۱۰۲۔ سورۂ القمر ۵۴/۱ تا ۳
۱۰۳۔ سورۂ الم نشرح ۹۴/۱ تا ۸
۱۰۴۔ سورۂ الکہف ۱۸/۱۱۰
۱۰۵۔ سورۂ انعام ۶/۵۰
۱۰۶۔ سورۂ اعراف کی متفرق آیات
۱۰۷۔ سورۂ توبہ، سورۂ صف کی متعدد آیات

۱۰۸۔ سورۂ عبس ۸۰/۱ تا ۱۶

۱۰۹۔ سورۂ الحاق کی متعدد آیات

۱۱۰۔ سورۂ الدخان ۴۴/۱۰ تا ۱۶

۱۱۱۔ سورۂ روم ۳۰/۲ تا ۴

۱۱۲۔ سورۂ الفتح کی متعدد آیات

۱۱۳۔ سورۂ التوبہ ۹/۱۲۸ تا ۱۲۹

تمت بالخیر

دوسرا اصول: تفسیر قرآن ہے

قرآن کریم کے بعد سیرت کا دوسرا ماخذ تفسیر ماثور ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ سے منقول تفسیری روایات سیرت نگاروں نے اس ماخذ کا یا تو ذکر ہی نہیں کیا۔(۱) یا پھر اسے چوتھے(۲) اور پانچوں(۳) نمبر پر رکھا ہے۔ جبکہ اسے دسرے نمبر پر ہونا چاہئے تھا(۴) تفسیر فسر سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں واضح کرنا کھولنا، تفسیر کا لفظ قرآن کریم کے ساتھ خاص نہیں ہے، لیکن اب تفسیر قرآن کریم کے لئے بولا جاتا ہے۔(۵)

زرکشی کے مطابق تفسیر کی تعریف یہ ہے:

علم يعرفُ به فهم كتاب اللّٰه المنزل على نبيه محمد و بيان معانيه و استخراج أحكامه و حكمه (٦)

ایسا علم جس کے ذریعہ نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب کو سمجھا جائے اس کے معنی ومفہوم کی وضاحت کی جائے اس سے احکامات اور اس کے فلسفہ کو معلوم کیا جائے۔

تفسیر کی تین قسمیں ہیں، تفسیر بالمأثور تفسیر بالرأی المحمود تفسیر بالرأی المزموم(۷)

مأثور اس تفسیر کو کہا جاتا ہے جو نفس قرآن کریم کے متن یا سنت صحیحہ یا صحابہؓ وتابعینؒ سے منقول ہو۔

ارشاد ربانی ہے:

وأنزلنا اليک الذكر لتبين للناس مانزل اليهم (٨)

ہم نے آپ ﷺ پر قرآن نازل کیا تاکہ لوگوں کے لئے اس کی تفسیر بیان کریں۔

آیت سے معلوم ہوتا ہے پہلے مفسر خود آپ ﷺ ہیں، چنانچہ جب قرآنی آیات

کی تشریح و توضیح کی جاتی ہے تو سیرت رسول ﷺ کی نسبت سے وہ مقامات زیادہ اہم ہو جاتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنایا ہے یا آپ ﷺ کی زندگی کے مختلف واقعات کی طرف اجمالی اشارے کئے ہیں (ایسے موقع پر آپ ﷺ کی وضاحت ہی حقیقی تفسیر اور سیرت کی بنیاد ہوتی ہے) اسی طرح جب یہ معلوم کرنا ہو کہ آیات قرآنی کے نزول کے اوقات، اسباب اور مقامات کون کون سے تھے؟ اور ان کا آپ ﷺ کی ذات سے کیا تعلق تھا؟ اس کی وضاحت فقط تفسیر سے ہوتی ہے۔ اسی لئے کتب تفاسیر سیرت النبی ﷺ کا اہم سرچشمہ قرار دی گئی ہے (۹) جن عظیم شخصیات نے سیرت و مغازی کو جمع کیا ہے انہی سے تفسیر قرآن کا ذخیرہ بھی منقول ہے۔

مفسروں اور ان کی تفسیروں کے مآخذ کی معلومات کے بارے میں بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے اور زمانہ حال کے محقق (یورپی) علماء ان اختلافات کو صحیح مانتے ہیں (۱۰) افسوس ہے کہ بہت سے اہل علم اس کھلی ہوئی اور ثابت شدہ حقیقت سے ناآشنا ہیں کہ قرآن پاک کی قدیم تفسیریں اپنے سلاسل رواۃ سمیت متاخر تفسیروں میں موجود ہیں، لیکن ان تفسیری اقوال کی اسناد کو اصول حدیث کے مطابق اچھی طرح پرکھا نہیں گیا۔ ان تفسیری اقوال کے بارے میں یہ رائے قائم کرلی گئی کہ یہ منفرد اقوال ہیں جن کا سلسلہ سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ تک نہیں پہنچتا۔

جب ہم یہ متفقہ رائے قائم کرلیتے ہیں کہ بعض قدیم تفسیروں کے جو ٹکڑے بلاکم و کاست ہم تک پہنچے ہیں تو ہم ان کی بناء پر تدوین و تالیف کی تحریک بالخصوص نثر عربی اور علوم لغت وغیرہ کی ابتداء اور ان کے فروغ کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر ہم قدیم قرآنی تفاسیر کی جدید تدوین اصول حدیث کے مطابق کرسکیں تو ہم جزم کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کتب حدیث کے ظہور کا بھی یہی زمانہ تھا۔ (۱۱)

تفسیر کی ترتیب و تدوین کا عہد وہی ہے جو حدیث اور سیرت کی تدوین کا ہے۔

اسے تین ادوار پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

تفسیر نویسی کا پہلا دور آغازِ کار میں تفسیر اقوال کو بطریق روایت نقل کیا جاتا تھا۔ حضرات صحابہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ اقوال نقل کرتے تھے اور باہم ایک دوسرے سے بھی۔ اسی طرح تابعین صحابہ سے بھی کسب فیض کرتے اور اپنے معاصر تابعین

سے بھی۔ یہ تفسیر قرآن کریم کا پہلا مرحلہ ہے۔

دوسرا دور صحابہؓ و تابعینؒ کے بعد تفسیر کے دوسرے مرحلہ کا آغاز ہوا۔ یہ اس وقت ہوا جب تدوین حدیث کی داغ بیل پڑی۔ حدیث نبوی ﷺ مختلف ابواب میں منقسم تھی اور ان میں ایک باب تفسیر پر بھی مشتمل تھا۔ زیر تبصرہ دور میں ایسی کوئی کتاب تالیف نہیں ہوئی تھی جس میں ایک ایک سورت اور ایک ایک آیت کی تفسیر مستقلاً تحریر کی گئی ہو۔ اس عصر و عہد میں ایسے علماء موجود تھے جو مختلف دیار و امصار میں گھوم پھر کر حدیثیں جمع کرتے اور تبعاً و ضمناً وہ تفسیری اقوال بھی فراہم کرتے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعینؒ کی جانب منسوب تھے۔

علماء، محدثین تفسیری اقوال کو احادیث نبویہ کی حیثیت سے جمع کرتے تھے، مستقل اور جداگانہ تفسیر کے اعتبار سے نہیں۔ مذکورین نے اپنے پیش رو ائمہ تفسیر سے جو کچھ بھی نقل کیا تھا اس کو ان کی جانب منسوب کر دیا تھا۔ افسوس ہے کہ گردش روزگار سے اکثر مجموعے ضائع ہو گئے۔

تیسرا دور: تیسرے مرحلہ پر پہنچ کر تفسیر حدیث نبوی سے الگ ہو گئی اور اس نے ایک جداگانہ علم کی حیثیت اختیار کر لی۔ اب قرآنی ترتیب کے مطابق ہر ہر آیت کی تفسیر مرتب کی جانے لگی۔ (۲۱)

امام جلال الدین سیوطی ''الاتقان'' میں لکھتے ہیں: ''صحابہ کرامؓ کے گروہ میں سے دس صحابہؓ مفسر مشہور ہوئے ہیں، یعنی خلفائے اربعہ (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ)، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔

خلفائے اربعہ میں سے سب سے زیادہ روائتیں تفسیر قرآن کریم کے متعلق حضرت علی بن ابی طلب سے منقول ہیں اور باقی تینوں خلفاء سے بہت ہی کم روایتیں اس بارے میں آئی ہیں اور ان سے قلیل روایتیں آنے کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے بہت پہلے وفات پائی اور حضرت ابوبکرؓ سے روایت حدیث کی قلت کا بھی سبب یہی ہے۔ مجھے تفسیر قرآن کریم کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ کے بہت ہی کم آثار (اقوال) یاد ہیں، جو تعداد میں قریب قریب دس سے بھی زیادہ نہ ہوں گے، مگر حضرت علیؓ سے بکثرت آثار (اقوال) تفسیر کے بارے

میں مروی ہیں"۔(۱۳) ان کے علاوہ، ۱۔حضرت انس بن مالکؓ، ۲۔حضرت ابوہریرہ، ۳۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ، ۴۔حضرت جابر بن عبداللہ، ۵۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، ۶۔حضرت عائشہ صدیقہؓ، ۷۔ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا نام بھی اس فہرست میں شامل کیا جاسکتا ہے جو حضرت عائشہؓ کی طرح قرآن کریم کے معارف ومطالب اور تفسیر بیان کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ ان صحابہ کرامؓ میں اگرچہ چار صحابہ کرامؓ (حضرات علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ) سے بکثرت تفسیری اقوال منقول ہیں، لیکن صرف دو صحابیوں (حضرت ابی بن کعبؓ) کے اقوالِ تفسیرِ قرآن کریم باقاعدہ منضبط ہوئے۔ علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے بھی کچھ تفسیری روایات منقول ہیں، جن کا تعلق قصص، فتنوں کی خبر اور اخبار آخرت سے ہے۔(۱۴)

علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب "اصول التفسیر" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: "سب سے زیادہ تفسیر کے جاننے والے اہلِ مکہ ہیں، کیونکہ وہ ابن عباس کے تلامذہ ہیں، مثلاً مجاہد (متوفی ۱۰۳ھ) عطا بن ابی رواح (متوفی ۱۱۴ھ) عکرمہ، مولیٰ ابن عباس (متوفی ۱۰۵ھ)، طاؤس بن کیسان (متوفی ۱۰۶ھ)، ابوالشعثا (جابر بن زید ازدی متوفی ۹۳ھ اور بقول بعض ۱۰۰ھ اور سعید بن جبیر (شہادت ۹۵ھ) وغیرہم اور اسی طرح ابن ابی ریاح اور عکرمہ مولی ابن عباس کے تلامذہ۔ اسی طرح اہلِ کوفہ میں عبداللہ ابن مسعود کے تلامذہ مثلاً علقمہ بن قیس متوفی ۱۰۲ھ، اسود بن یزید متوفی ۷۵ھ، ابراہیم النخعی، متوفی ۷۵ھ، اور شعبی متوفی ۱۰۵ھ۔ کو دوسروں پر فوقیت حاصل ہے۔ یہی حال اہل مدینہ کے علمائے تفسیر کا ہے جیسے زید بن اسلم (متوفی ۱۳۶ھ) جن سے امام مالک نے تفسیری روایتیں لی ہیں۔ نیز ان (زید بن اسلم) کے لڑکے عبدالرحمٰن متوفی ۱۸۲ھ) اور عبداللہ بن وہب (متوفی ۱۹۹ھ) نے ان سے تفسیری روائتیں لی ہیں۔(۱۵)

امام سیوطی نے "الاتقان" کی نوع نمبر ۸۰ (طبقاتِ مفسرین) میں لکھا ہے کہ "سفیانِ ثوری فرمایا کرتے تھے کہ تفسیر چار شخصوں سے حاصل کرو، سعید بن جبیر سے، مجاہد سے، عکرمہ سے اور ضحاک سے۔ اور قتادہ (متوفی ۱۱۷ھ) کا قول ہے کہ تابعین میں سب سے زیادہ اہل علم چار ہیں۔ عطا بن ابی رباح، مناسک حج کے بہت بڑے عالم تھے۔ سعید بن جبیر کو تفسیر میں سب سے بلند مقام حاصل تھا۔ عکرمہ، سیر کے سب سے زیادہ جاننے والے

تھے اور حسن بصری (متوفی ۱۱۰ھ) حلال وحرام کے متعلق سب سے زیادہ علم رکھتے تھے"۔ ان کے علاوہ درج ذیل تابعین نے بھی تفسیر قرآن میں شہرت پائی، ۱۔عطا بن ابی مسلم الخیراسانی ۲۔ابوالعالیہ، ۳۔محمد بن کعب القرظی، ۴۔قتادہ، ۵۔عطیہ العونی، ۶۔زید بن اسلم، ۷۔مرۃ الہمدانی، ۸۔ابومالک، ان جید علمائے تفسیر کے بعد دوسرے درجے کے لوگوں میں ربیع بن انس اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے نام آتے ہیں۔(۱۶)

امام سیوطی کہتے ہیں کہ یہ لوگ جن کے نام اوپر درج ہوئے ہیں، قدمائے مفسرین ہیں اور ان کے بیشتر اقوال اس قسم کے ہیں کہ انہوں نے اقوال کو صحابہؓ سے سنا اور حاصل کیا ہے۔ پھر اس طبقہ کے بعد ایسی تفسیریں تالیف ہوئیں جو کہ صحابہ اور تابعین دونوں کے اقوال کی جامع ہیں۔ جیسے سفیان بن عینیہ، وکیع بن الجراح، شعبہ بن الحجاج، یزید بن ہارون، عبدالرازق، آدم بن ابی ایاس، اسحٰق بن راہویہ، روح بن عبادہ، عبد بن حمید، سعید، ابوبکر بن ابی شیبہ اور بہت سے دوسرے بزرگوں کی تفسیریں"۔(۱۷)

فواد سزگین لکھتے ہیں: ہمارے پاس پہلی صدی ہجری میں لکھی ہوئی بعض قرآنی تفسیریں ہیں جن سے زمانہ حال کے علم تفسیر کے محقق علماء بھی ناآشنا ہیں۔ ان تفاسیر سے بدلائل یہ ثابت ہوتا ہے کہ متاخر تفسیروں میں وارد اسناد کی تکرار سے دوسرے اقتباسات کے مآخذ بھی قابل وثوق ہوں گے۔ اس زمانے کی بعض تفسیریں جو ہم تک پہنچی ہیں یہ ہیں۔

۱۔تفسیر مصنفہ المجاهد (م۱۰۴ھ/۷۲۲ء)

۲۔تفسیر، مصنفہ العطاء الخراسانی (م۱۳۳ھ/۷۵۵ء)

۳۔ کتاب التنزیل، مصنفہ الزہری

تفسیر مجاہد سب مفسروں کے نزدیک خاص قدر و قیمت کے حامل رہی ہے اور انہوں نے اس کی عبارتیں نقل کی ہیں، اگر سب عبارتوں کو جمع کر لیا جائے تو تفسیر مجاہد کا معتد بہ حصہ تیار ہوسکتا ہے۔ (یاد رہے یہ کام ہوچکا ہے) تفسیر مجاہد کے علاوہ امام طبری نے دوسرے مفسروں کی تفسیروں سے بھی استفادہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ ایک آیت کی تشرح کرتے ہوئے مجاہد کے کئی اقوال نقل کرتے ہیں۔ اس سے امام طبری کا مقصد مجاہد کے قول اور دوسرے مفسروں کے اقوال کی تائید یا اختلاف ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ امام طبری نے لفظ "مثابة" (البقرہ ۱۲۵) کی تشریح کرتے ہوئے تفسیر مجاہد کے علاوہ تفسیر معمر بروایۃ عبدالرزاق

اور تفسیر ابن نجیح کا بھی حوالہ دیا ہے۔ان میں سے پہلی دو تفسیریں ہم تک پہنچی ہیں اور تیسری مفقود ہے۔ان اختلافات کی وضاحت کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابن ابی نجیح کی تفسیر کا آخذ تفسیر مجاہد ہی ہوگی اور انہوں نے اپنے اصلی آخذ سے شاذ و نادر ہی اختلاف کیا ہوگا جیسے امام طبری دوسری تفاسیر کے اقتباسات دیتے رہتے ہیں۔

علم حدیث کے قواعد کی رو سے ہم تمام تفسیروں کے اقتباسات آیات کی ترتیب کو سامنے رکھ کر ضائع شدہ تفسیر کی دوبارہ تدوین اور تکمیل کر سکتے ہیں۔اس طرح ہم تفسیر طبری کے اقتباسات کا اپنے آخذ سے مقابلہ وموازنہ کر سکتے۔

متاخر مفسرین کی طرح متقدم مفسرین بھی قرآن کریم کے متعدد تفسیری اقوال سے آشنا تھے۔یاقوت حموی الطبری کے آخذ کی مختلف روایات سے واقف تھے۔مثال کے طور پر انہوں نے لکھا ہے کہ امام طبری نے اپنی تاریخ میں تفسیر محمد بن سائب الکلبی سے استفادہ کیا ہے اور اپنی تفسیر میں اس کا ذکر نہیں کیا۔

قدیم تفاسیر اپنی اصلی صورت میں ہم تک نہیں پہنچ سکیں۔دوسری صدی ہجری کے نصف آخر کی بچی کچھی ہوئی تفسیریں حسب ذیل ہیں۔

۱۔تفسیر محمد بن سائب الکلبی

۲۔تفسیر معمر/عبدالرزاق

۳۔تفسیر سفیان الثوری

۴۔تفسیر مقاتل بن سلیمان۔

مذکورہ پہلے تین مفسروں نے زیادہ آخذ سے کام نہیں لیا، ان کے مصادر نہایت قلیل ہیں۔مقاتل بن سلیمان تو اپنے آخذ کا بالکل ذکر نہیں کرتا۔محمد بن اسحاق کی کتاب اگرچہ سیرت میں ہے، لیکن اس میں ہمیں ایسا تفسیری مواد ملتا ہے جو کسی تفسیر کی کتاب میں نہیں ملتا۔اس کے علاوہ اس کا شمار قدیم ترین کتب مغازی وفتوح میں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ صدر اسلام میں صحابہ کرامؓ قرآن کریم کی تشریح وتفسیر سے محترز رہا کرتے تھے۔یہی حال حضرت ابوبکر صدیقؓ،حضرت عمر بن الخطابؓ اور دوسرے تابعین، مثلاً سعید بن المسیب کا تھا، لیکن تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ تفسیری مباحث اور دراسات کا آغاز بھی اسی دور کی یادگار ہے۔اس میدان میں اولین کوششوں کا سہرا حضرت عبداللہ بن

عباسؓ کے سر ہے۔ اس کے شاگرد حضرت سعید بن جبیر کا قول ہے کہ جنہوں نے قرآن کریم پڑھا اور اس کی تشریح و تعبیر نہیں کی، وہ اندھے اور جاہل ہیں۔

یہ فرض کر لینا کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے حقیقی معنوں میں کوئی تفسیر اپنی یادگار نہیں چھوڑی، غلط خیال ہے، جو عربی کی ابتدائی اور مختلف علوم و فنون میں لکھی جانے والی کتابوں کے تصور پر قائم ہے۔ (حالیہ) معلومات کے مطابق ہمارا تصور اس سے بالکل مختلف ہے جس کی رو سے ابن عباسؓ پہلے عرب عالم نہ تھے، جنہوں نے اپنے علوم و معارف مدون کئے تھے۔ بلکہ صدر اسلام میں فقہ، امثال، مثالب اور تاریخ وغیرہ پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں، ان میں بعض کا سراغ تو زمانہ جاہلیت تک لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اشعار عرب، انساب عرب، ایام عرب، مغازی، سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہ اسلامی کے بہت بڑے عالم تھے، اس لئے ہم کیسے باور کر سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے علوم و معارف کی جمع و تدوین کی طرف توجہ نہ کی ہوگی۔ مورخ موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے ایک شاگرد کریب بن مسلم (م ۹۷ھ/۷۱۵ء) کے پاس ان کے استاد کی کتابوں کا ذخیرہ تھا۔ جو ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر تھا۔ علی بن عبداللہ بن العباس (م ۱۱۸ھ/۷۲۶ء) موسیٰ بن عقبہ کو لکھ کر ''صحیفہ'' منگوالیا کرتے تھے اور نقل کر کے واپس کر دیا کرتے تھے، لہٰذا اس قول کے قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے خود بھی قرآن کریم کی تفسیر لکھی تھی، جس کا بہت سے مصنفوں نے ذکر کیا ہے اور بعد میں علی بن طلحہ نے ان سے اس کو روایت کیا ہے۔ محدثین کا علی بن طلحہ پر یہ اعتراض کہ علی بن طلحہ نے اس تفسیر کو براہ راست حضرت ابن عباس سے سماع نہیں کیا اور اس کی روایت مقطوع الاسناد ہے، علم اصول حدیث سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ ہم یقین اور جزم کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر تمام کی تمام الطبری کے ہاں موجود ہے۔

علاوہ ازیں حضرت ابن عباسؓ کے بے شمار تفسیری اقوال کتب تفسیر میں مذکور ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تشریحی اقوال ان کے تلامذہ کی کتابوں سے ماخوذ ہیں، جو حضرت ابن عباسؓ کی مجالس عامہ و خاصہ میں شریک ہو کر بعد میں ان کو اپنی کتابوں میں منضبط کر لیا کرتے تھے۔ ان تفسیری اقوال میں جو تناقضات اور اختلافات پائے جاتے ہیں ہم ان کو حضرت ابن عباس اور ان کے شاگردوں کے فکری ارتقاء پر محمول کر سکتے ہیں۔ یہ شاگرد ہمیشہ ان سے

سوالات پوچھتے رہتے تھے اور پھر ان کو اپنی تفسیروں میں لکھ لیتے تھے۔ بعض تفسیری عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ وقت گزرنے اور علم تفسیر کے بسرعت ارتقاء سے حضرت ابن عباس اور ان کے تلامذہ ''تفسیر بالرائی'' سے کام لینے لگے تھے اور بعض اوقات اہل کتاب میں سے علمائے یہود و نصاریٰ سے بھی معلومات حاصل کرلیا کرتے تھے۔ مجاہد (م ۱۰۴ھ/۷۲۲ء) حضرت ابن عباس کے قریب ترین شاگرد تھے۔ وہ آگے بڑھ کر قرآنی آیات کی مشبہ عبارتوں سے مجازی تفسیر کرنے لگے۔ بعد میں یہ موضوع معتزلہ کے فکر ونظر کا مرکز بن گیا۔

حضرت زید بن علی کی تفسیر جو ہم تک پہنچی ہے اور اس کا نام ''تفسیر غریب القرآن'' ہے۔ وہ خالص لغوی نہیں ہے۔ اسی زمانے کی لکھی ہوئی قتادہ کی کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' ہمیں دستیاب ہوتی ہے۔ اسی عہد کی بعض تصنیف شدہ کتابوں کے صرف ناموں سے ہم آشنا ہیں، مثلاً عکرمہ (م ۱۰۵ھ/۷۲۲ء) اور حضرت حسن بصری (م ۱۱۰ھ/ ۷۲۸ء) کی کتابیں۔ اسی زمانے میں آیات قرآنی، وقف اور رسم المصحف پر سب سے پہلے کتابیں لکھی گئیں۔

ابواسحاق نظام کی معتزلہ کے ہاں بڑی قدر و منزلت تھی۔ اس نے حضرت ابن عباس کے دو شاگردوں، عکرمہ اور ضحاک، پر یہ الزام لگایا کہ وہ قرآن کریم کی تفسیر تنگ نظری سے کیا کرتے تھے جس کی بنیاد حدیث پر نہ تھی۔ تفسیر میں حضرت ابن عباس کے اہم ترین شاگرد یہ ہیں۔

۱۔ سعید بن جبیر (م ۹۵ھ/۷۱۲ء)

۲۔ مجاہد (م ۱۰۴ھ/۷۲۲)

۳۔ عکرمہ (م ۱۰۵ھ/۷۲۲ء)

۴۔ ضحاک بن مزاحم (م ۱۰۵ھ/۷۲۳ء)

۵۔ عطاء بن رباح (۱۸)

تفسیر مأثور کا بہت بڑا ذخیرہ مفسرین نے اپنی تفاسیر میں محفوظ کردیا ہے۔ جن سے سیرت کی تحقیق میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ تفسیر مأثور کے حوالہ سے:

﴿۱﴾ تفسیر عبداللہ بن عباسؓ اسے تنویر المقیاس کے نام سے ابی طاہر محمد بن یعقوب فیروزآبادی نے ایک جلد میں مرتب کیا ہے۔ صندوق بوستہ مصریہ سے ایک جلد میں چھپی

ہے، اردو میں تفسیر ابی عباس کے نام سے تین جلد میں عابد الرحمٰن کے ترجمہ کے ساتھ کلام کمپنی کراچی سے شائع ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس سے منسوب کتب تفسیر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو حضرت ابن عباس کی اپنی تحریر کردہ تفسیر ہے، جس کی روایت ان کی تلامذہ نے کی ہے اور دوسری وہ تفسیریں ہیں جو ان کے تلامذہ نے ان کے درس و تدریس کی مجالس میں لکھ لی تھیں۔ علی بن ابی طلحہ کی روایت کردہ تفسیر ابن عباس، جس پر محدثین نے نقد و جرح کی ہے، اس کے اقتباسات قدیم تفسیروں مثلاً تفسیر السدی میں ملتے ہیں۔ تفسیر طبری میں تفسیر ابن عباس دو راویوں یعنی علی بن طلحہ اور علی بن داوٗد اتمیمی کی زبانی کامل موجود ہے۔ امام بخاری نے اس تفسیر سے اخذ و استفادہ کیا ہے۔ اور تشریحات امام بخاری نے ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ کی کتاب مجاز القرآن سے نقل کی ہیں۔ ہم تک بہت سی کتابیں "تفسیر ابن عباس" کے نام سے پہنچی ہیں۔

(الف) جن میں سے ایک کی تہذیب و ترتیب محمد بن السائب الکلبی نے کی تھی اور اس کے راوی ابوطلحہ ہیں۔

(ب) اسی طرح مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی (م ۸۱۷ھ/ ۱۴۱۵ء) نے حضرت ابن عباس کی تفسیری اقوال کو "تنویر القیاس من تفسیر ابن عباس" کے نام سے جمع کیا تھا۔ یہ مجموعہ قاہرہ میں کئی بار چھپ چکا ہے، آخری اشاعت ۱۹۶۱ء کی ہے۔

(ج) غریب القرآن: اس کی تہذیب عطاء بن ابی رباح (م ۱۱۴ھ/ ۷۳۳ء) نے کی تھی۔ اس کے چند اوراق آٹھویں صدی ہجری کے لکھے ہوئے ترکیہ میں ہیں۔

(د) مسائل نافع بن الازرق (م ۶۵ھ/ ۲۸۵ء)، خوارج کے سردار نافع بن الازرق نے قرآن کریم کے دو سو مشکل الفاظ کے معانی دریافت کئے تھے۔ حضرت ابن عباس نے ان کے جوابات قدیم عرب اشعار کی مدد سے دیئے تھے۔ محمد فواد عبدالباقی نے ان کو "معجم غریب القرآن" کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔ (۱۹)

۲۔ تفسیر الثعالبی المسمی بجواہر الحسان فی تفسیر القرآن عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف الثعالبی المالکی (۷۸۶ھ۔۸۷۵ھ) تحقیق علی محمد معوض پانچ جلدیں ۳۰۰/ ہزار صفحات پر دار احیاء التراث العربی بیروت سے ۱۹۹۷ء میں عمدہ تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی۔

۳۔ مرویات مالک بن انس فی التفسیر جمع تحقیق تخریج محمد بن رزق ۴۰۸ صفحات پر ایک جلد میں شائع ہوئی ہے۔ موسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۹۵ء اور دوسرا ایم فل تھیسس ہے، الامام مالک مفسراحمید کا ایک جلد دار الفکر بیروت سے ۵۰۰ صفحات پر مع تحقیق شائع ہوا ہے۔

۴۔ تفسیر الامام الشافعی محمد بن ادریس الشافعی تحقیق مجدی بن منصور ایک جلد دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰ صفحات پر چھپی ہے۔

۵۔ مرویات أم المؤمنین عائشة فی التفسیر الدکتور سعود بن عبدالله الفنیسان ایک جلد مکتبۃ التوبۃ سے ۱۹۹۲ء میں ۵۰۰ صفحات مع تحقیق چھپی ہے۔

۶۔ تفسیر الحسن البصری دکتور شیر علی شاہ دکتور عمر یوسف کمال مقالات پی ایچ ڈی پانچ جلدیں مطبوعہ جامع احسن العلوم کراچی ۱۹۹۳ء دو ہزار سے زائد صفحات مع تحقیق جمع وترتیب کے ساتھ الدکتور عبدالرحیم نے بھی دو جلد میں تیار کیا ہے اسی نام سے دار الحدیث جامعۃ الازہر سے شائع ہوئی ہے۔ تقریباً ۱۰۰۰ ایک ہزار صفحات پر مگر تحقیق بنسبت پہلے نسخہ کے کم درجہ کی ہے۔

۷۔ تفسیر القرآن امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی (۱۲۶ھ - ۲۱۱ھ) تحقیق الدکتور مصطفیٰ مسلم محمد چار جلدوں تین اجزا میں مکتبۃ الرشید ریاض سے))اء میں ۱۵۰۰/سو صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۸۔ تفسیر النسائی۔ امام أبی عبدالرحمٰن أحمد بن شعیب بن علی النسائی تحقیق الجلیمی، المصری پی ایچ ڈی مقالہ دو جلدیں مکتبۃ السنۃ القاہرۃ سے ۱۶۰۰ صفحات پر عمدہ تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہیں۔

۹۔ تفسیر سفیان ابن عیینہ (۱۰۷ھ مطابق ۷۲۵ء - ۱۹۸ھ مطابق ۸۱۴ء) احمد صامحاری ایک جلد میں المکتب الاسلامی بیروت سے ۱۹۸۳ء میں ۴۳۸ صفحات مع تحقیق پر شائع ہوئی۔

۱۰۔ تفسیر سفیان الثوری امام ابی عبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری الکوفی (۱۶۱ھ - ۷۷۷ھ) یہ ایک جلد میں ہے اسے أبی جعفر محمد نے أبی حذیفہ النہدی سے روایت کیا ہے دار الکتب العلمیۃ بیروت سے ۱۹۸۳ء ۳۸۲ صفحات پر مع تحقیق شائع وہا ہے۔

اگر تفسیر سے استفادہ نہ کیا جائے تو سیرت طیبہ ﷺ کے بہت سے پہلو تشنہ رہ جائیں گے۔

ا۔ مثلاً سورۂ انفال کی آیت کہ:

کسی نبی کے لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اللہ آخرت چاہتا ہے۔(۲۰)

اس آیت سے بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ زندہ کو ہی قیدی بنایا جاتا ہے لہٰذا نبی کی ذات پر اس سے الزام آتا ہے؟ اس آیت کا مفہوم اس کی تفسیر اور شان نزول سے واضح ہوتا ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر مشرکین مکہ کے قیدیوں کو جو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا وہ عمل اللہ کو پسند نہیں آیا گویا سیرت طیبہ ﷺ کی تکمیل تفسیر سے ہوئی ہے۔

﴿۲﴾ اسی طرح سورۂ النساء کی آیت کہ آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے نہ لڑیں۔(۲۱) قرآن کریم کے الفاظ سے بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ بھلا نبی ایسا کرسکتا ہے لیکن یہ بات واضح ہوتی ہے، تفسیر سے آپ ﷺ نے ظاہری شہادت کی بنیاد پر یہودی کو چور سمجھ لیا تھا، لہٰذا آپ ﷺ کو اللہ نے تنبیہ فرمائی کہ صحیح فیصلہ کریں فریق ثانی خواہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔(۲۲)

﴿۳﴾ اسی طرح سورۂ احزاب میں ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ دنیا کو اختیار کرلو یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو۔(۳۲)

قرآن کریم کی آیت سے واضح نہیں ہوتا کہ وہ خواتین جنھوں نے اپنی خوشی سے آپ ﷺ کو اختیار کرلیا اب انہیں کیوں اختیار دیا جارہا ہے۔ سیرت کا یہ پہلو تفسیر سے واضح ہوتا ہے۔

﴿۴﴾ یہی صورت حال سورۂ یونس کی آیت ۹۴،

﴿۵﴾ سورۂ الشعراء کی آیت ۳،

﴿۶﴾ سورۂ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۷

﴿۷﴾ سورۂ الانعام کی آیت نمبر ۱۳۲

﴿۸﴾ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۷

﴿۹﴾ سورۂ مجادلہ کی ایت نمبر ۸

﴿۱۰﴾ اور سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۵۲ کی ہے، یہی وجہ ہے میں نے سیرت طیبہ کا دوسرا اصول تفسیر قرآن کو قرار دیا ہے۔

❁

دوسرے اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ جیسے سیرت النبی شبلی نعمانی اردو دائرہ معارف اسلامیہ یہی حال دیگر اہم کتب سیرت کا ہے۔

۲۔ دیکھئے اردو میں میلاد النبی محمد مظہر عالم ص/۱۸۰

۳۔ دیکھئے اردو نثر میں سیرت رسول ڈاکٹر انور محمود خالد ص/۱۵۸

۴۔ جیسے کہ دکتور مہدی رزق اللہ نے اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ میں تفسیر کو قرآن کے بعد رکھا ہے۔ص/۱۶

۵۔ أبی نصر اسماعیل بن حماد الجوہری۔ الصاح ج/۲/ص/۶۶۹ اور القاموس المحیط الدین محمد الفیروز آبادی ص/۵۸۷ مؤسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۹۳ء اور القاموس الجدید وحید الزماں ص/۷۰۳ ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۹۰ء

۶۔ زرکشی البرہان فی علوم القرآن ج/۱/ص/۱۳

۷۔ **الحدیدی صفر، الدکتور ابوالنور، التفسیر بالمأثور و مناھج المفسرین فیہ بحوث المرکز التعلیم الاسلامی مکۃ ۱۹۸۲ء ص/۲۹**

۸۔ سورۃ النحل/۴۴

۹۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود خالد اردو نثر میں سیرت رسول ص/۱۵۸

۱۰۔ سزگین، فواد محمد، تاریخ علوم اسلامیہ ج/۱ ص/۳۷ بحوالہ تاریخ قرآن شفالی (جرمن) ج/۴/ص/۱۶۵

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ حریری غلام احمد تاریخ تفسیر و مفسرین کشمیر بک ڈپو فیصل آباد ۱۹۹۶ء ص/۱۳۴۔۱۳۵

۱۳۔ سیوطی، جلال الدین الاتقان فی علوم القرآن (مترجم محمد حلیم) ج/۲/ص/۵۹۵

۱۴۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود اردو نثر میں سیرت رسول ص/۱۶۰

۱۵۔ ابن تیمیہ اصول التفسیر ص/۱۵

۱۶۔ خالد ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ص/۱۶۳۔۱۶۴

۱۷۔ سیوطی الاتقان ج/۲ص/۶۰۵

۱۸۔ سزگین، فواد محمد تاریخ علوم اسلامیہ ج/۱ص/۳۷۔۳۹

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ سورۃ الانفال/۶۷

۲۱۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر ج/۲ص/۳۸۷اور فی ظلال/ القرآن ج/۲ص/۵۱۰ تفسیر الدر المنثور ج/۲ص/۲۱۶

۲۲۔ سورۃ الاحزاب/۲۸

تمت بالخیر

تیسرا اصول: علم حدیث ہے

سیرت نگاری کے اصولوں میں سے ایک اصل ومصدر ذخیرہ حدیث ہے سیرت حدیث کا حصہ ہے اور تمام کتب احادیث کا حصہ سیرت ہے۔(۱) ابتداء اسلام میں تفسیر حدیث سیرت ایک ہی حلقہ درس کے اسباق تھے بعد میں جدا جدا فن کی حیثیت سے مدون ہوتے گئے۔

سیرت کا حدیث سے تعلق: آپ نے سیرت کے ارتقاء کے ذیل میں مطالعہ کیا ہے کہ حدیث اور سیرت دونوں ایک ہیں، لیکن حدیث کا درجہ سیرت سے زیادہ بلند ہے۔ اس لئے کہ اخذ حدیث کے لئے جو سخت شرائط رکھی گئی ہیں۔ سیرت کے نقل میں انہیں ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ سیرت بغیر حدیث کے مکمل نہیں ہوسکتی ہے خود سیرت کا بہت بڑا ذخیرہ کتب احادیث میں محفوظ ہے، یہی وجہ ہے میں نے سیرت کا تیسرا اصول حدیث کو قرار دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف اس عہد میں بلکہ جب تک دنیا باقی ہے صاحب قرآن کی سیرت وحیات کے مقدس کے مطالعے سے بڑھ کر نوع انسانی کے تمام امراض قلوب و علل ارواح کا اور کوئی علاج نہیں۔ اسلام دائمی معجزہ اور ہمیشگی کی حجۃ اللہ البالغہ قرآن کے بعد اگر کوئی چیز ہے تو وہ صاحب قرآن کی سیرت ہے۔ دراصل قرآن کریم اور حیات نبوۃ مغناً ایک ہی ہیں۔ قرآن کریم متن ہے اور سیرۃ اس کی تشریح، قرآن علم ہے اور سیرۃ اس کا عمل، قرآن صفحات وقراطیس مابین الدفتین اور فی صدور الذین اوتوا العلم (۲) قرآن اہل علم کے سینوں میں ہے اور یہ ایک مجسم وممثل قرآن تھا جو یثرب کی سرزمین پر چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔(۳)

قرآن کریم سے حدیث رسول ﷺ کا تعلق ویسا ہی ہے جیسا تعلق رسول اکرم ﷺ کا اللہ تعالی کی ذات سے ہے، یعنی جس طرح آپ ﷺ کی ذات گرامی اللہ کے پیغامبر، ترجمان اور اس کے احکام کو نافذ کرنے والی ہے، اسی طرح آپ ﷺ کی حدیث

قرآن کریم کی شارح، ترجمان، تفسیر اور تعیین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

وأنزلنا إليک الذکر لتبين للناس مانزل اليهم (۴)

ہم نے آپ ﷺ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کے سامنے اس کی تشریح کرتے جائیں، جو ان کے لئے اتاری گئی ہے۔

حسان بن عطیہ کہتے ہیں:

کان جبريل ينزل على النبی صلى الله عليه وسلم بالقرآن والسنة تفسير القرآن۔ (۵)

جبریل امین رسول اللہ پر قرآن لے کر نازل ہوتے تھے اور سنت (حدیث) قرآن کی تفسیر کرتی تھی۔

سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

علم القرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شہ رگ کی، یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء و جوارح تک خون پہنچا کر ہر آن ان کے لئے تازہ زندگی کا سامان پہنچاتی ہے۔ (۶)

یہی وجہ ہے قرآن کریم کی تفہیم حدیث کی تعلیم پر موقوف ہے۔ قرآن کریم کے مجمل احکام کی تفصیل عموم کی تخصیص، اور مدلولات کی تعیین کا واحد اور مستند ذریعہ حدیث ہے۔

یہی وجہ ہے ارشاد ربانی ہے:

ما آتکم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا (۷)

رسول (ﷺ) جو تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکے اس سے رک جاؤ۔

اسی کی وضاحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

وحدثوا عنی ولا حرج۔ (۸)

مجھ سے جو کچھ سنتے ہو اسے آگے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لیکن ساتھ تاکید بھی کر دی،

من کذب علی متعمدًا فلیتبوأ مقعده من النار، کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ صحاح ستہ میں موجود ہے۔(۹) کہ جس نے میری طرف جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنالے تاکہ لوگ اس مستند ذریعہ سے نبی کی سیرت سنوار کر بیان کرنے کے بجائے کہیں جھوٹ کو نبی کی طرف منسوب کر کے سیرت کا حلیہ بھی نہ بگاڑ دیں (یہی آج ہو رہا ہے)

حدیث کی لغوی و اصطلاحی تعریف: یہاں ایک بات کی اور وضاحت ضروری ہے کہ حدیث کے معنی جدید کے ہیں۔ حدیث کے مقابلہ پر جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ قدیم ہے۔ حدیث کو حدیث غالبًا اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم قدیم ہے اور حدیث بمقابلہ قرآن جدید ہے۔ جیسا کہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے۔

اصطلاح شریعت میں حدیث سے مراد وہ کلام ہے جس کی نسبت حضور کی طرف کی جاتی ہے گویا اسے قرآن کریم کے مقابلہ میں استعمال کیا گیا ہے کیونکہ قرآن کریم قدیم ہے۔(۱۰) ابن حجر کا قول ہے المراد بالحدیث فی الشرع ما اضیف إلی النبی ﷺ کانه أُرِیْدُ بِهٖ مقابَلَةَ القرآن لانده قدیم،

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں۔

جو بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کہی جائے اس پر حدیث کا اطلاق کرنا اللہ تعالیٰ کے قول واما بنعمة ربک فحدث سے مستعار ہے۔(۱۱)

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے کلام کو لفظ "حدیث" سے تعبیر فرمایا ہے۔(۱۲)

قرآن کریم کے بعد تیسرا مآخذ حدیث ہے۔(۱۳)

احادیث نبوی ﷺ کی باقاعدہ تدوین اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (متوفی ۱۰۱ھ) کے عہد حکومت میں ہوئی۔ لیکن یہ امر ثابت شدہ ہے کہ بعض صحابۂ کرام نے آنحضرت کے اقوال، اعمال اور احوال ذاتی طور پر بھی جمع کرنا شروع کر دیے تھے۔ ابتداء حضور ﷺ نے اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ میں

التباس نہ ہو جائے، صرف قرآن کریم کی کتابت کی اجازت دی اور اقوال نبوی ﷺ لکھنے کی حوصلہ افزائی نہ کی۔ لیکن جب قرآن کریم کا بیشتر حصہ نازل ہو گیا، اور صحابہ کرامؓ نے اسے حفظ کر لیا تو آپ ﷺ نے کتابت حدیث کی عام اجازت دے دی، چنانچہ یہ بات مسلمہ ہے کہ بعض صحابیوں نے آپ کی زندگی میں ہی احادیث لکھ لی تھیں، گو احادیث لکھنے کا بیشتر کام آنحضرت ﷺ کی دنیوی حیات کے آخری سالوں میں ہوا۔ عہد رسالت مآب ﷺ میں احادیث نبویہ پر مشتمل صحائف اگرچہ اب الگ طور پر موجود نہیں ہیں، لیکن ان صحائف کے چیدہ چیدہ حصے بعد کے مجموعوں کا جزء بنے اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کافی مدت تک معروف و مقبول رہے۔ حدیث کو بنیادی ماخذ کی حیثیت سے اکثر سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے۔(۱۴) حدیث کی تدوین عہد نبوی ﷺ میں شروع ہوئی، حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ (م ۶۵ھ) نے صحیفہ صادقہ کے نام سے مجموعہ حدیث مرتب کیا تھا۔(۱۵) حضرت ابوہریرہؓ (م ۵۵۸ھ) نے بھی حدیث کے مختلف مجموعے مرتب کئے تھے۔ ایک مجموعہ اپنے شاگرد ہمام بن منبہ کے لئے مرتب کیا تھا۔ یہ آج بھی محفوظ ہے۔(۱۶)

امام ابوحنیفہ (۸۰ھ/ ۶۹۹ء۔ ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء) کی فقہی خدمات سے تو ساری اسلامی دنیا واقف ہے، لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ انہوں نے تدوین حدیث کے سلسلے میں بھی اہم خدمات انجام دی ہیں۔ اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان کے انتقال پر ۱۰۱ھ میں آپ جامع کوفہ کی علمی درس گاہ میں مسند فقہ و علم کلام پر جلوہ افروز ہوئے تو آپ نے احادیث احکام میں سے صحیح اور معمول بہ روایات کا انتخاب فرما کر ایک مستقل تصنیف میں ان کو ابواب فقہ پر مرتب کیا اور اس کا نام "کتاب الآثار" رکھا۔ مولانا عبدالرشید نعمانی اس صحیفہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ "آج امت کے پاس احادیث صحیحہ کی سب سے قدیم ترین کتاب یہی ہے، جو دوسری صدی کے ربع ثانی کی تالیف ہے۔" ان کی رائے میں امام ابوحنیفہ سے پہلے حدیث نبوی ﷺ کے جتنے صحیفے اور مجموعے تھے وہ فنی ترتیب سے محروم تھے۔ جامعین حدیث نے ان تمام احادیث کو قلم بند کر دیا، جو انہیں یاد تھیں، لیکن ان کی یہ کوشش چند ابواب تک محدود رہی۔ امام ابوحنیفہؒ نے پہلی دفعہ احادیث کو باقاعدہ کتب و ابواب پر پوری طرح مرتب کرنے کا ایسا کارنامہ سرانجام دیا جو بعد کے آئمہ کے لئے ترتیب

وتدوین کے سلسلے میں ایک اعلیٰ نمونہ بنا۔(۱۷)

امام مالک بن انس (۹۳ھ۔۱۷۹ء) نے چالیس سال کی محنت کے بعد ۱۴۳ھ میں موطا کے نام سے حدیث کا مجموعہ مرتب کیا جو موطا امام مالک کے نام سے آج ہمارے پاس ہے۔امام احمد بن حنبل نے حدیث کی انسائیکلوپیڈیا تیار کر دی جو آج ہمارے پاس مسند احمد کے نام سے موجود ہے۔اس میں چالیس ہزار احادیث ہیں جو ساڑھے سات لاکھ میں سے منتخب کی گئی ہیں۔(۱۸)

۱۔ صحاح ستہ: حدیث کی چھ مشہور کتابیں ہیں۔صحیح البخاری، صحیح المسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ۔جنہیں صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔یعنی ذخیرہ حدیث میں صحیح ترین مجموعے۔

۲۔ سنن: ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جو فقہی ترتیب پر مرتب کی گئی ہیں۔

۳۔ مسند کا مفہوم: ''مسند'' حدیث کے اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس کو اسمائے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ترتیب پر مرتب کیا جائے۔یعنی ہر صحابیؓ کی حدیث کو الگ الگ بیان کیا جائے۔اس ترتیب میں بعض اوقت فضیلت اور اسلام میں سبقت، بعض اوقات قبیلے اور شہروں اور بعض اوقات ناموں کے حروف کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔سب سے زیادہ آسان اور کتاب سے حدیث کو تلاش کرنے میں مفید صورت یہ ہے کہ کتاب حروف کی ترتیب پر مرتب کی جائے۔''مسند'' کے لفظ سے بعض اوقات حدث کا وہ مجموعہ بھی مراد ہوتا ہے جو موضوعات اور ابواب کے لحاظ سے مرتب ہو، اس لئے کہ اس مجموعے میں مرفوع روایات ہوتی ہیں۔جیسے مسند بقی بن مخلد اندلسی کو اسی معنی میں مسند کہا جاتا ہے۔یہ اسمائے صحابہؓ کی ترتیب پر مرتب نہیں بلکہ فقہی موضوعات یا ابواب پر مرتب ہے۔(۱۹)

مسائید کی تعداد ۱۰۰ار سے بھی زیادہ ہے۔محمد بن جعفر کتانی (۱۳۴۵ھ) نے ۸۲ مسائید ذکر کی ہیں۔ان کے علاوہ بھی بہت سی مسانید ہیں۔(۲۰)

مصنف کا مفہوم: ''مصنف'' اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس کی ترتیب فقہی موضوعات کے مطابق ہو اور اس میں مرفوع احادیث پر اکتفا نہ کیا گیا ہو بلکہ آثار صحابہ و تابعین کا ذکر بھی ہو۔

سنن کا مفہوم: ''سنن'' اس مجموعے کہ کہا جاتا ہے جس میں فقہی ترتیب ہوتی ہے

اور اس میں صرف مرفوع احادیث بیان کی جاتی ہیں۔ آثار، صحابہ وتابعین کا ذکر بہت کم ہوتا ہے۔

صحیح کا مفہوم: ''صحیح'' اس مجموعے کہ کہا جاتا ہے جس کے مصنف نے ارادہ کیا ہو کہ حسن اور ضعیف کی بجائے صرف صحیح درجے کی احادیث ذکر کریں گے۔

معجم کا مفہم: ''معجم'' اس مجموعے کہ کہا جاتا ہے جس میں احادیث کو محدث اپنے اساتذہ کی ترتیب کے مطابق اسی طرح ذکر کرے۔

مستدرک کا مفہوم: ''مستدرک'' اس مجموعے کو کہتے ہیں جسے کسی خاص کتاب کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہو کہ جو احادیث اس میں رہ گئی ہوں، ان کو اس مجموعے میں زکر کر دیا جائے۔

مستخرج کا مفہوم: ''مستخرج'' اس مجموعے کو کہتے ہیں جس کو کسی خاص کتاب کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہو کہ جو احادیث اس میں آتی ہیں، انہی احادیث کو مصنف اپنی سند سے بیان کر دے۔

ان تمام کتب احادیث میں بہت بڑا مستند سیرت نبوی کا ذخیرہ موجود ہے۔ جس سے آپ کی حیات مبارکہ کی جامع فکر اخذ ہوتی ہے اور وہ بھی سندوں کے ذریعہ انتہائی مستند انداز میں۔(۲۱)

صحیح بخاری میں پہلا باب ہی وحی سے متعلق ہے۔(۲۲) اسی طرح کتاب الجہاد ہے۔ جس میں جہاد کے فضائل اور احکامات کا ذکر ہے۔(۲۳) اور اسی طرح کتاب الانبیاء میں آنحضرت ﷺ کی زبان سے دیگر انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے۔(۲۴) کتاب المناقب میں ایک باب آنحضرت ﷺ کے اسماء گرامی سے متعلق ہے۔(۲۵) اسی طرح آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا مستقل ایک باب ہے۔ ایک باب آپ ﷺ کی فصاحت سے متعلق ہے۔(۲۶) اور ایک باب میں علامات نبوۃ کا بیان ہے۔(۲۷) پھر کتاب المغازی میں آپ ﷺ کے غزوات پر مفصل بحث کی گئی ہے۔(۲۸) اسی طرح صحیح مسلم کی کتاب الایمان میں آنحضرت ﷺ پر نزول وحی کا باب ہے۔(۲۹) دیگر کتب احادیث میں بھی اس قسم کے ابواب ہیں۔ آپ کی معاشرتی زندگی کے متعلق بھی ان کتب میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً امام نسائی نے اپنی سنن کے کتاب النکاح کے ایک باب میں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے

نکاح کے بارے میں کیا حکم دیا۔(۳۱) اسی طرح امام ابن ماجہ نے حدیث ما امرتکم بہ فخذ وہ وما انہا کم عنہ فانتہوا (۳۲)درج فرمائی ہے۔ مشکاۃ المصابیح میں ایک باب فضائل سیدالمرسلین ﷺ ہے۔(۳۳) پھر علامات النبوۃ(۳۴) اور باب فی المعراج(۳۵) بھی ہے۔ ان ابواب میں مذکورہ عنوانات کے متعلق بیان ہے۔ جو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم پہلو ہیں۔

محمد مسعود عالم قاسمی نے حدیث کے لٹریچر کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ پہلے طبقہ میں موطا امام مالک، بخاری اور مسلم ہیں صحت کے لحاظ سے ان کا درجہ سب سے بلند ہے۔

۲۔ دوسرے طبقہ میں ابوداؤد، ترمذی اور نسائی شامل ہیں، ان کتب کا دوسرا درجہ ہے۔

۳۔ تیسرے طبقہ میں مسند أبی یعلی، مصنف عبدالرزاق اور ابن أبی شیبہ مسند أبو داؤد الطیالسی سنن بیہقی، طحاوی اور طبرانی شامل ہیں۔ ان میں صحیح ضعیف ہر قسم کی روایات شامل ہیں۔

۴۔ چوتھے طبقے میں وہ روایات ہیں جنہیں بعد میں جمع کیا گیا ہے۔ جیسے کتاب الضعفاء ابن حبان کی الکامل ابن عدی کی تاریخ دمشق ابن عساکر کی شامل ہیں۔

۵۔ پانچویں طبقہ میں وہ کتب احادیث شامل ہیں جن میں ان روایات کو جمع کیا گیا ہے۔ جو فقہاء صوفیاء اور مؤرخین کے ہاں معروف ہیں۔(۳۶) یہ تقسیم دراصل شاہ ولی اللہ کی ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے حدیث کے لٹریچر کی صحیح وضعیف کے اعتبار سے تین قسمیں کی ہیں فرماتے ہیں:

> حدیث کی کتابیں تین قسم کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مصنف اپنی کتاب میں یہ التزام کرے کہ صحیح حدیث کے سوا اور کسی قسم کی حدیث بیان نہ کرے، جیسے بخاری شریف اور صحیح مسلم وغیرہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے نسخہ طبیب کہ اس میں جو ہے وہ بیمار کے لئے مفید ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ صحیح اور ضعیف ہر قسم کی حدیثیں لاتے ہیں، پر صحیح کو جدا بتلا دیتے ہیں اور ضعیف کو جدا ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ جیسے ترمذی

شریفت کہ اس میں کسی حدیث کو لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کسی کو ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے اکثر کتب طب میں ادویہ مفردہ، مرکبہ، نافع، لکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ لکھ دیتے ہیں کہ یہ دوا نافع ہے اور یہ مضر سو کتب طب میں دیکھ کر، کوئی نادان بھی دوا استعمال نہیں کرتا۔ ایسے ہی احادیث ضعیفہ کو کتب احادیث میں دیکھ کر استدلال کرنا عاقل کا کام نہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مصنف اپنی کتاب میں موضوعات یا احادیث ضعیفہ کو جمع کر دے اور غرض اس التزام سے یہ ہو کہ دین دار ان سادہ لوح ان احادیث کو غیر معتبر سمجھ کر عمل کرنے سے باز رہیں۔ یہ کتاب ایسی ہے جسے طبیب پرہیز کی چیزوں کی تفصیل لکھ کر حوالہ دے تاکہ کل کے دن کوئی دھوکا نہ کھا دے، موضوعات ابن جوزی وغیرہ سب اسی قسم کی ہیں۔(۳۷)

لہٰذا سیرت النبی قلمبند کرتے ہوئے صرف یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ یہ حدیث ہے بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ حدیث کس درجہ کی ہے، محدثین حدیث کی تحقیق کے لئے جن اصولوں کو جاری کرتے ہیں سیرت کے لئے بھی وہی اصول جاری ہونے چاہئیں، اصول تنقیح کو احکام الحدیث کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جائے گا، بلکہ انہیں سیرت کی روایات پر بھی جاری کیا جائے گا۔(۳۸) اس سلسلے میں شبلی نعمانی نے حدیث سے سیرت نبوی ﷺ اخذ کرنے کے انتہائی جامعیت کے ساتھ گیارہ اصول نقل کئے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے واقعہ کی تلاش قرآن کریم میں، پھر احادیث صحیحہ مین، پھر عام احادیث میں کرنی چاہئے، اگر نہ ملے تو روایات سیرت کی طرف توجہ کی جائے۔

۲۔ کتب سیرت محتاج تنقیح ہیں، اور ان کے روایات واسناد کی تنقید لازم ہے۔

۳۔ سیرت کی روایتیں بہ اعتبار پایہ صحت، احادیث کی روایتوں سے فروتر ہیں، اس لئے بصورت اختلاف احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی۔

۴۔ بصورت اختلاف روایات احادیث رواۃ ارباب فقہ و ہوش کی روایات کو دوسروں پر ترجیح ہوگی۔

۵۔ سیرت کے واقعات میں سلسلہ علت و معلول کی تلاش نہایت ضروری ہے۔
۶۔ نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم کرنا چاہئے۔
۷۔ روایات میں اصل واقعہ کس قدر ہے؟ اور راوی کی ذاتی رائے وفہم کا کس قدر جزو شامل ہے۔
۸۔ اسباب خارجی کا کس قدر اثر ہے۔
۹۔ جو روایات عام وجوہ عقلی، مشاہدہ عام، اصول مسلمہ اور قرائن حال کے خلاف ہوگی، لائق حجت نہ ہوگی۔(۳۹)
۱۰۔ اہم موضوع پر مختلف روایات کی تطبیق و جمع سے اس کی تسلی کر لینی چاہئے کہ راوی سے ادائے مفہوم میں تو غلطی نہیں ہوئی ہے۔
۱۱۔ روایات احاد کو موضوع کی اہمیت اور قرائن حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول کرنا چاہئے۔(۴۰)

قرآن مجید کے بعد سیرت رسول ﷺ کا دوسرا بڑا ماخذ احادیث نبوی ﷺ ہیں جن کے راویوں کی تعداد ایک لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اس ذخیرہ میں صحیح، قوی، ضعیف اور موضوع احادیث سب الگ الگ ہیں۔ محدثین نے بے حد تلاش، محنت، کاوش اور احتیاط کے بعد کتب احادیث مرتب کی ہیں اور یوں سیرت رسول ﷺ کے لئے ایسا بے مثال ریکارڈ محفوظ کیا، جس کی دنیائے تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہ درست ہے کہ بقول سرسید احمد خاں "کسی مشہور محدث نے بجز ایک کے، ("شمائل ترمذی" کے مرتب امام ابوعیسیٰ ترمذی ۲۰۹ھ تا ۲۷۹ھ) کوئی خاص کتاب آنحضرت ﷺ کی زندگی کے حالات میں نہیں لکھی، لیکن تمام محدثین نے، جن کی سعی اور کوشش کا دنیا پر بہت بڑا احسان ہے، اپنی اپنی کتابوں میں ان حدیثوں کو بھی بیان کیا ہے، جو آنحضرت ﷺ کی زندگی کے حالات سے متعلق ہیں۔ پس وہی حدیث کی کتابیں ہیں، جن سے کم و بیش آنحضرت ﷺ کی زندگی کے حالات صحیح صحیح دریافت ہو سکتے ہیں اور جن کو معقول طرح سے ترتیب دینے سے اور صحیح کو غلط سے تمیز کرنے سے ایک معتبر تذکرہ آپ ﷺ کی زندگی جمع ہو سکتا ہے۔

ان اصولوں کی روشنی میں سیرت پر مختلف کتابیں عربی اردو میں لکھی گئی ہیں، عربی میں الدکتور محمد بن محمد شہبۃ کی ۱۲۰۰/ صفحات پر دو جلدوں میں السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن

والسنۃ کے نام سے دارالقلم دمشق سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی ہے۔ اردو میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی تین ضخیم جلدوں میں سیرۃ المصطفی کے نام سے مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد جامع اشرفیہ لاہور سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی ہے اس کے علاوہ علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی ﷺ بھی انہی اصولوں کی روشنی میں قرآن و حدیث سے اخذ کر کے مستند روایات کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔

تیسرے اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ ابوشهبة الدكتور محمد بن محمد السيرة النبوية فی ضوء القرآن والسنة دارلاقلم دمشق ۱۹۸۸ء ص/ ۲۷

۲۔ سورۃ العنکبوت/ ۴۹

۳۔ ابوالکلام آزاد، رسول رحمت ص/ ۱۱

۴۔ سورۃ النحل/ ۴۴

۵۔ البغدادی، ابوبکر احمد بن علی الخطیب، کتاب الکفایة فی علم الروایة ص/ ۱۸، دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد ۱۳۹۰ھ

۶۔ گیلانی، مولانا مناظر احسن، (مقدمہ) تدوین حدیث مکتبہ تھانوی دیوبند ۱۹۸۳ء

۷۔ سورۃ الحشر/ ۷

۸۔ المسلم القشیری، أبي الحسین مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم ج/ ۱ ص/ ۴۱۴

۹۔ ابن ماجه، أبي عبدالله محمد بن یزید القروبی سینن ابن ماجه، صحيح مسلم، باب تغليظ الكذب مسند احمد ج/ ۴، حدیث ۳۳۴، صحیح بخاری کتاب العلم وغیرہ

۱۰۔ سیوطی، جلال الدین، قدریب الراوی ج/ ۱ ص/ ۴۲، دارالکتب الحدیثہ مصر ۱۳۸۵ھ

۱۱۔ عثمانی، شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد، (مقدمہ) فتح الملہم (بحث تعریف حدیث)

۱۲۔ البخاری، محمد بن اسماعیل صحیح بخاری کتاب الرقاق کتاب العلم (صح المطابع دھلی)

۱۳۔ میں نے چونکہ تفسیر کو دوسرا ماخذ قرار دیا ہے اس لئے حدیث تیسرے نمبر پر آ گئی ہے، ورنہ اکثر سیرت نگاروں نے حدیث کو دوسرا ماخذ قرار دے کر تفسیر کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

۱۴۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں ڈاکٹر مصطفیٰ خاں کی سیرت نبوی، ص/۳۱، ڈاکٹر انور محمود خالد کی اردو نثر میں سیرت رسول ص/۵۳، محمد سرور بن نایف کی دراسات فی السیرۃ النبویۃ ص/۴۷، محمد مظفر کی اردو میں میلاد النبی ص/۱۵۹، الدکتور محمد سعید رمضان البوطی کی فقہ السیرۃ ص/۲۲، شبلی کی سیرت النبی ج/۱ حصہ اول ص/۰، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۴۔۱ ص/۷۵

۱۵۔ أبي داؤد، سلیمان بن اشعث البستانی، سنن أبي دائود، باب کتابة العلم اور مسند دارمی باب من رُخص في کتابة العلم

۱۶۔ صحیفۃ ہمام بن منبہ پر ایک تحقیق ڈاکٹر حمید اللہ کی ہے دوسرے نسخہ پر ڈاکٹر رفعت فوزی عبدالمطلب نے تحقیق تخریج کا کام کیا ہے۔ یہ نسخہ مکتبۃ الخانجی قاہرہ سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا ہے۔ ۲۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۷۔ أبي حنیفہ، النعمان بن ثابت، کتاب الآثار بروایت امام محمد بن حسن الشیبانی یہ ایک جلد میں مختلف حضرات کی تعلیقات کے ساتھ متعدد مطابع سے شائع ہو چکی ہے۔ جس میں الرحیم اکیڈمی اور ادارۃ القراہ شامل ہیں، اس کا مسند امام اعظم کے نام سے محمد حسن نے ترجمہ کیا ہے۔ مطبوعہ سعید پرسنز کراچی

۱۸۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ص/۶۷

۱۹۔ الرسالۃ المستطر ص/۴۷

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ سباعی، ڈاکٹر مصطفیٰ، سیرت نبوی ص/۳۲،

۲۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، ۲،۱، باب کیف کان بدء الوحي الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

۲۳۔ ایضاً، ۱، ۳۹۰۔۴۵۲

۲۴۔ ایضاً، ۱، ۴۶۴۔۴۹۳

۲۵۔ ایضاً، ۵۰۰، باب ماجاء في اسماء رسول اللّٰہ

۲۶۔ ایضاً، ۵۰۱

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ ایضاً ج/۲،۲۔ ۵۶۳۔ ۶۴۲ (آنحضرت ﷺ کے غزوات اور سرایا کی تفصیل)
۲۹۔ مسلم، الجامع الصحیح، ج/۱، ۱۰۸ باب الوحی الی رسول اللہ (کتاب الایمان)
۳۰۔ ایضاً، ۱، ۱۱۱
۳۱۔ النسائی، السنن، ۲، ۵۹
۳۲۔ ابن ماجہ، السنن، ۲،
۳۳۔ الخطیب، مشکوۃ المصابیح، ۵
۳۴۔ ایضاً، ۵۲۴
۳۵۔ ایضاً، ۵۲۶
۳۶۔ قاسمی، محمد مسعود عالم، فتنہ وضع حدیث اور موضوع احادیث کی پہچان ص/۳۶، اہلحدیث ٹرسٹ کورڈ روڈ کراچی
۳۷۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، سیرۃ المصطفیٰ ج/ص/۶، بحوالہ الاجوبۃ الکاملۃ
۳۸۔ ایضاً، ص/۷
۳۹۔ شبلی نعمانی کا یہ اصول قابل تحقیق ہے۔ موصوف درایت وعقل میں فرق قائم نہیں رکھ سکے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: ابوالبرکات کی اصح السیر ص/۳۰۔۳۱ اور شبلی خود بھی وجوہ عقلی کی وضاحت کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ دیکھئے سیرت النبی ج/۱ حصہ اول ص/۵۶ تا ۵۹
۴۰۔ نعمانی، علامہ شبلی، سیرت الرسول ج/۱ص/۶۳

تمت بالخیر

خدا مدح آفریں مصطفیٰ بس   محمد حامد حمد خدا بس

چوتھے اصول: شمائل نبوی ﷺ ہیں

سیرت طیبہ ﷺ کا تفسیر و حدیث کے ساتھ شمائل سے بھی گہرا تعلق ہے۔ شمائل میں آپ ﷺ کے حلیہ مبارک، عادات و خصائل، معمولات زندگی، لباس، نشست و برخاست، قد، رنگ، بال، جسم کے نشیب و فراز، خورد و نوش، مرغوبات و مکروہات، غرض بشری احوال کی تفصیلات جمع کی جاتی ہیں۔

سیرت کا شمائل سے تعلق: ہر سیرت نگار کو سیرت پر لکھتے ہوئے جہاں افکار و خیالات کو پیش کرنا ہوتا ہے وہیں شخصیت کے ذاتی خدوخال کو بھی پیش کرنا ہوتا ہے تاکہ سامع و قاری اس مسحور کن شخصیت کو اپنے سامنے کھڑا ہوا محسوس کرے، اور یہ شمائل سے استفادہ کئے بغیر ممکن نہیں ہے۔

شمائل کا مطالعہ کرنے سے نبی کریم ﷺ کا جسمانی ہیولیٰ پوری تفصیل کے ساتھ اس طرح نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے گویا آپ ﷺ (فداہ أبي و أمي) سامنے کھڑے ہیں، جس حد تک شمائل میں جزئیات نگاری کی گئی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہی اس مأخذ کی خصوصیت ہے۔(۱) سیرت نگاروں نے اسے بھی اصل و مصدر کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔(۲) سیرت طیبہ ﷺ اور شمائل قریب المفہوم ہیں۔ شمائل میں زیادہ تر آپ کی ذات ذاتی احوال و جسمانی کیفیات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ جبکہ سیرت میں عموماً تعلیمات کو موضوع بحث بنایا جاتا ہے۔

موضوع پر تصانیف کا جائزہ: شمائل و اخلاق کے عنوانات سے اس موضوع پر لکھا گیا ہے۔ کچھ حضرات نے اسے مستقل عنوان سے جداگانہ کتابی شکل میں مرتب کیا ہے کچھ

حضرات نے کسی کتاب کا حصہ بنا کر اخلاقیات کے عنوانات کے ساتھ ضمناً ذکر کیا ہے۔ کچھ ایسی کتابیں بھی ہیں۔ جہاں اخلاقیات ہی کے عنوان سے مستقل کتابی شکل میں اس مواد کو جمع کیا گیا ہے۔ اور کتابوں کی تیسری قسم وہ ہے جس میں اس موضوع پر مواد متفرق ناموں سے جمع کیا گیا ہے۔

کتب شمائل میں اوّلیت کا شرف بہر حال ''شمائل ترمذی'' کو حاصل ہے جس کا اصل نام ''الشمائل النبویہ والخصائل المصطفویہ'' (یا کتاب الشمائل) ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس نے بعد کی کتب سیرت وشمائل کے مندرجات کو ایک نئی سمت عطا کی ہے۔ امام ترمذی نے چار سو احادیث کی مدد سے ''الشمائل'' مرتب کی اور ان کو ۵۶ بابوں میں تقسیم کیا۔ اس کتاب میں حضور اکرم ﷺ کے حلیۂ مبارک، لباس، آلات حرب، نشست و برخاست، خورد ونوش، عادات وخصائل، معمولات وعبادات، اسما وعمر شریف، گزراوقات، وصال اور میراث کا تفصیلی ذکر ہے۔ شمائل ترمذی کی ایک خصوصیت اس کی جزئیات نگاری ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں ایسی احادیث بھی ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں۔ جن میں بظاہر چھوٹی سے چھوٹی بات تھی، مثلاً حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کے ضمن میں آپ ﷺ کے قد، رنگ، بال، بدن، سر، ناک، ہاتھ، پاؤں، چہرہ، دہانہ، چشم و ابرو، مژگاں، چال، مہرنبوت، مانگ، ڈاڑھی، رخسار، دانت، گردن وغیرہ کی واضح تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔ اسی طرح آپ کے پہناوے میں لباس، انگوٹھی، نعلین مبارک، عمامہ، لنگی، پاجامہ وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ خورد ونوش میں آنحضرت ﷺ کے مرغوب سالن، پھلوں، سبزیوں، جانوروں اور پرندوں کے گوشت کا بیان ہے اور پسندیدہ مشروبات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ کی حس مزاح، سونے اور جاگنے کے معمولات، شاعری اور قصہ گوئی سے دلچسپی اور نماز، روزہ اور عبادات سے شغفت کا دلاویز بیان ہے۔ ''کتاب الشمائل'' سے ہی آنحضرت ﷺ کے عادات وخصائل، حلم وتواضع، مساوات، شفقت، ملازموں سے برتاؤ، شرم وحیا، فقر واستغنا وغیرہ کا پتہ چلتا ہے۔ یوں یہ کتاب آنحضرت ﷺ کے بشری احوال کی تفصیلات کا ایک قیمتی اور مستند ریکارڈ ہے۔ اردو میں اس کے دس تا پندرہ تراجم وشروحات شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ مستقلاً اس موضوع پر شمائل کے نام سے درج ذیل تصانیف ہیں۔

۱...... الاتحافات الربانية بشرح المشائل الحمدية ـ محمد عبدالجواد الدومی

۲...... أرجوزة فی الشمائل ـ لمصطفی بن کمال الدین الصدیقی الکبیری (۱۱۶۲ھ)

۳...... أشنی الوشائل بشرح الشمائل ـ لاسماعیل بن محمد العجلونی الدمشقی (۱۱۶۲ھ)

۴...... أشرف الوسائل إلی فهم الشمائل ـ لأحمد بن محمد ابن حجر الهیثمی (۹۷۳ھ)

۵...... اقوام الوسائل فی ترجمة الشمائل ـ لاسحاق خوجة سی احمد بن خیر الدین (۱۱۲۰ھ)

۶...... حفة الاخیار علی شمائل المختار ـ لأبی الحسن علی بن محمد الحریثی الغاسی (۱۱۴۲ھ)

۷...... تهذیب الشمائل ـ لملاّ عرب محمد بن عمر الواعظ (۹۳۸ھ)

۸...... جمع الوسائل فی شرح الشمائل ـ لعلی بن سلطان القاری (۱۰۱۳ھ)

۹...... الروض الباسم فی شمائل المصطفی أبی القاسم ـ لزین الدین محمد عبد الرؤوف المناوی (۱۰۳۱ھ) اختصار شمائل ترمذی

۱۰...... روضة النبی فی الشمائل ـ لحبیب اللّٰه القنوجی (۱۱۴۰ھ)

۱۱...... زهر الخمائل علی الشمائل ـ للحافظ السیوطی (۹۱۱ھ)

۱۲...... زواهر الأنوار وبواهر الأبصار والاستبصار فی شمائل انبی المختار، لیحی بن یوسف بن یحیی الصرصری (۶۵۶ھ)

۱۳...... سیّدنا محمد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: شمائل الحمیدة و خصاله المجیده ـ للشیخ عبداللّٰه سراج الدین الحلبی

۱۴...... شرح الشمائل للترمذی ـ لابراهیم بن محمد ابن عربشاه (۹۴۳ھ)

۱۵...... شرح الشمائل للترمذی ـ للملاّ محمد الحنفی

۱۶...... شرح الشمائل للترمذی ۔ لزین الدین محمد عبد الرؤوف بن علی المناوی (۱۰۳۱ھ)

۱۷...... شرح الشمائل للترمذی ۔ لسلطان بن أحمد المصری المزاجی (۱۰۷۵ھ)

۱۸...... شرح الشمائل للترمذی ۔ لعبد اللّٰہ الحموی الحمدونی الازہری (۱۱۳۳ھ)

۱۹...... شرح الشمائل للترمذی ۔ لاسماعیل بن محمد العجلونی (۱۱۶۲ھ)

۲۰...... شرح الشمائل للترمذی ۔ لحسن بن عبداللّٰہ البخشي الجلی (۱۱۹۰ھ)

۲۱...... شرح الشمائل ۔ لمحمد بن القاسم المغربی، المعروف بالجسوس (۱۲۰۰ھ کی تصنیف)

۲۲...... شرح الشمائل ۔ لسلیمان بن عمر المعروف بالجمل (۱۲۰۴ھ)

۲۳...... شرح الشمائل ۔ لعبداللّٰہ نجیب العینتابی شارح الشفا (۱۲۱۹ھ)

۲۴...... شرح الشمائل للترمذی ۔ للباجوری (۱۲۷۷ھ)

۲۵...... شرح الشمائل ۔ لمحود بن عبدالحسن ابن الموقع الدمشقی (۱۳۲۱ھ)

۲۶...... الشمائل النبویة والخصائل المصطفویة ۔ لحمد بن عیسی الترمذی (۲۷۹ھ)

۲۷...... شمائل النبیؐ ۔ لأبی العباس جعفر بن محمد المستغفری (۴۳۲ھ)

۲۸...... شمائل الرسول و دلائل نبوته و فضائله و خصائصه ۔ لأبی الفداء اسماعیل بن کثیر (۷۷۳ھ)

۲۹...... الشمائل بالنور الساطع الکامل ۔ لعلی بن محمد بن ابراهیم الغرناطی ابن المقری (۵۵۲ھ)

۳۰...... الشمائل ۔ للسیّد الصفوی (مخطوطه)

۳۱...... شمائل النبی ـ لمصلح الدین اللاری محمد بن صلاح الدین (۹۸۹ھ)

۳۲...... الشمائل ـ للعبد الأول بن علی بن العلاء الحسینی الدھلوی

۳۳...... شمائل الرسول و شخصیته الانسانیة ـ لأنور الجندی

۳۴...... شیم الحبیب فی ذکر خصال الحبیب ـ لالھی بخشی (۱۲۴۵ھ)

۳۵...... صنف عین الرحمة والنور فی شمائل النبیّ المبرور ـ لمحد ثابت بن عبداللّٰہ القصری (۱۳۱۱ھ)

۳۶...... عنوان الفضائل فی تلخیص الشمائل ـ لحمد بن مصطفی البکری (۱۱۹۲ھ)

۳۷...... عین الرحمة والنور فی شمائل النبیّ المبزور ـ لحمد ثابت بن عبداللّٰہ القیصری (۱۳۱۱ھ)

۳۸...... فُتیة السائل فی اختصار الشمائل ـ لمحمد بن جعفر المکستانی (۱۳۴۵ھ)

۳۹...... کتابة علی الشمائل ـ لعلی بن زین الدین الأ جھوری (۱۰۶۶ھ)

۴۰...... کشف اللّثام عما جاء من الأ حادیث النبویة فی شمائل المصطفی علیه الصلاة والسلام ـ لمحمد بن محمد الروضی المالکی (تصنیف سنہ۱۱۰۳ھ)

۴۱...... مطالع الأنوار فی شمائل المختار ـ للحافظ محمد بن عتیق الأذدی الغرناطی (۶۴۶ھ)

۴۲...... منیة السائل خُلاصة الشمائل ـ لمحمد بن عبد الحیّ بن عبد الکبیر الفاسی (۱۳۸۲ھ)

۴۳...... المواھبُ اللدنیة علی الشمائل المحمدیة ـ لإبراھیم بن محمد الباجوری (۱۲۷۷ھ)

۴۴...... المواھب المحمدیة بشرح الشمائل الترمذیة ـ لسلیمان بن عمر، المعروف بالجمل (۱۲۰۳ھ)

۴۵...... نظم الشمائل المحمدية والسيرة المصطفوية ۔ لعبد الحفیظ مولوی

۴۶...... وسائل الوصول إلى شمائل الرسول ۔ ليوسف بن اسماعیل النبهانی (۱۳۵۰ھ)

۴۷...... الوفا لشرح شمائل المصطفى ۔ لعلیّ بن ابراهيم الحلی، صاحب السيرة (۱۰۴۴ھ)

۴۸...... ينابيع المودّة في شمائل النبیّ صلى الله عليه وسلم ۔ لسليمان بن إبراهيم القندوزی (۱۲۹۴ھ)

۴۹...... شمائل النبیّ ۔ ابو العباس مستغفری (م ۴۳۲ھ)

۵۰...... شمائل النور ۔ ابن المقری غرناطی (م ۵۵۲ھ)(۳)

۵۱...... شمائل و اخلاق نبوی ﷺ، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی () اس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمود الحسن عارف نے کیا ہے۔

۵۲...... شرح الشمائل للترمذی ۔ (مترجم و شارح) مولانا محمد ذکریا کاندھلوی

کچھ کتابیں وہ ہیں جو اسی موضوع پر اخلاقیات کے عنوان سے لکھی گئی ہیں۔

۱...... اخلاق رسول الله ۔ لابن حِبّان، اختصار الإمام محمد بن الوليد الفهری الطرطوشی (۵۲۰)

۲...... أخلاق النبیّ ۔ لحمد بن عبد الله الورّاق (۲۴۹ھ)

۳...... أخلاق النبیّ و آدابه ۔ لحمد بن حِبّان بن أحمد البُسستی الأصبهانی، أبو حاتم (۳۵۴ھ)

۴...... أخلاق النبیّ ۔ لأبی الشيخ عبدالله بن محمد الاصبهانی (۳۶۹ھ)

۵...... الروض الزاهر فی خلق النبیّ الطاهر ومولده الباهر ۔ ليحيى بن أحمد البلخی

۶...... الروضة النادرة في أخلاق المصطفى الباهرة ۔ ليحيى بن يوسف الصرصری (۶۵۶ھ)

۷...... سعادة الدارين في أخلاق سيّد الكونين ۔ منظومة لفاضل بک

۸...... شمس الافاق فیما للمصطفی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم من کرم الأخلاق۔ لحمد علی ابن علاّن المکی (۱۰۵۷ھ)

۹...... محمد ومکارم الأخلاق۔ لأحمد حامد

۱۰...... من أخلاق النبیّ۔ لأحمد الحوفی

۱۱...... ناصر المحسنین فی أخلاق سیّد المرسلین۔ للحکیم ناصر بن علی الغیانیوری (۴)

کچھ تصانیف اسی موضوع پر وہ ہیں جو متفرق عنوانات سے لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے اہم ترین کتاب قاضی عیاض اندلسی (متوفی ۵۴۴ھ) کی ''کتاب الشفا'' ہے۔ جو چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ ان قرآنی آیات پر محیط ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرت ﷺ کی تعظیم وتوقیر کی ہے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ کی پیدائش، سراپا، اخلاق، مناقب، فضائل، معجزات اور نشانیوں کا بطور خاص تذکرہ ہے۔ دوسرا حصہ ان حقوق کے بیان کے لئے واقف ہے، جن کی بجا آوری امت پر فرض کر دی گئی ہے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ پر ایمان لانا، آپ ﷺ کی اطاعت کرنا، آپ ﷺ کی سنت کا اتباع کرنا، آپ ﷺ کی محبت دل میں رکھنا اور آپ پر درود وسلام بھیجنا لازم قرار دیا گیا ہے۔ تیسرا حصہ ان امور پر مشتمل ہے جو حضور ﷺ کے لئے جائز یا ممنوع ہیں یا وہ امور بشریہ جن کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا صحیح ہے۔ اس کے دو ابواب ہیں۔ باب اوّل میں وہ امور دینی مذکور ہیں جن سے عصمت رسول اللہ ﷺ ثابت ہوتی ہے اور باب دوم میں حضور ﷺ کی دنیوی حالات کا بیان ہے، جو بشریت کی وجہ سے آپ ﷺ پر واقع ہوتے رہے۔ چوتھا حصہ ان احکام کی وجوہات کے بیان کے لئے مخصوص ہے، جو (معاذ اللہ) سب وتنقیص کر کے آنحضرت ﷺ کی شانِ ارفع واعلیٰ کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں، یعنی وہ امور جن کی نسبت اگر حضور ﷺ کی طرف کر دی جائے تو وہ سبّ ونقص ہیں، خواہ وہ اشارۃ ہوں یا صراحۃً۔ اسی حصے میں آپ ﷺ کے شاتم (گالی دینے والا) موذی اور تنقیص کرنے والے کی سزا کا حکم ہے۔ اردو میں اس کے تقریباً تین تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ عربی میں اس کتاب پر متعدد حواشی بھی لکھے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ درج ذیل تصانیف اسی موضوع پر ہیں۔

۱...... إزالة الخضاعن حلية المصطفى ـ لعبد الغنى بن اسماعيل النابلسى الدمشقى (۱۱۴۳ھ)

۲...... أشرف الوسائل فى أوصاف سيّد الأواخر والأوائل ـ لعمر بن نوح الوانى (۱۱۲۶ھ)

۳...... بطل الأبطال أو أبرز صفات النبىّ محمد صلّى الله عليه وسلم ـ لعبد الرحمن عزّام (۱۹۷۶م)

۴...... بهجة الأخيار فى حلية المختار ـ لحمد حسن بن عبدالله البخشى الحلبى (۱۱۹۰ھ)

۵...... تحفة الألباب فى حلية النبى والأصاب ـ لوحدى الرومى إبراهيم بن مصطفى (۱۱۲۶ھ)

۶...... تلخيص أوصاف النبى المصطفى و ذكر من بعده من الخلفا ـ لمرعى بن يوسف الكرمى (۱۰۳۳ھ)

۷...... تلخيص صفة النبىّ صلّى الله عليه وسلم ـ لناصر الدين الألبانى

۸...... توشيح التقويم فى شرح حلية الرسول الكريم ـ لوحدى الرومى إبراهيم بن مصطفى بن محمد (۱۱۲۶ھ)

۹...... حلبة المقتفى فى حلية المصطفى ـ لسريجا بن محمد الملطى (۷۸۸ھ)

۱۰...... حلية النبىّ عليه السلام ـ للز محشرى جاز الله محمود بن عمر (۵۳۸ھ)

۱۱...... حلية النبىّ عليه السلام، باسناد عن الإمام على (مخطوطه)

۱۲...... حلية شريفة من الشفا ـ لابراهيم بن محمد الحلبى (۹۵۶ھ)

۱۳...... ذريعه الإ برار فى نعت النبىّ المختار ـ قصيدة لامية لشافى أفندى

۱۴...... السراج المنير فى وصف محمد البشير النذير ـ لأبى بكر بن الحبشى البسطامى (مخطوطه)

۱۵...... صفة النبىّ صلّى الله عليه وسلّم ـ لأبى البخترى وَهب بن

وهب (۲۰۰ھ)(الفہرست ۲۱۳)

۱۶...... صفة النبیّ، صلیّ اللّٰہ علیه وسلم ـ للمدائنی علی بن محمد (۲۲۵ھ)

۱۷...... صفة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ـ لا بن ابی الدنیا (۲۸۱ھ)

۱۸...... صفة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ـ لاسماعیل بن اسحاق القاضی (۲۸۲ھ)

۱۹...... صفة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وصفة اخلاقه ـ روایة ابی علی محمد بن هارون بن شعیب الأنصاری (۳۵۳ھ)

۲۰...... صفات رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ـ وصفات الصحابة والخلفاء الراشدین ـ لعامر بن الحسن الهکسعی تمت کتابته سنة (۱۲۶۹ھ)

۲۱...... غرة الغرر فی حلیة المختار أشرف البشر ـ نظم لمصطفی بن کمال الدین بن علی البکری (۱۱۶۲ھ)

۲۲...... الکمالات الإلٰهیة فی الصفات المحمدیة ـ لعبد الکریم بن إبراهیم الجیلی (۸۲۰ھ)

۲۳...... القول المنیف فی بیان خلق رأسه الشریف ـ لحمد بن محمد البدیری الدمیاطی (۱۱۳۳ھ)

۲۴...... مرآة الحسن البدیع فی حلیة الرسول الشفیع ـ لعبد الرحمن بن عبدالقادر بن الکیلانی البغدادی

۲۵...... مطالع الأنوار البهیة فی الحلیة الجلیلة النبویة ـ للمحدث عبدالحق بن سیف الدین الدهلوی

۲۶...... مطالع الأنوار النبویة فی صفات خیر البریة ـ لیحیی بن عبدالله الواسطی (۷۳۸ھ)

۲۷...... نهایة السول فی حلیة الرسول ـ لعبد الغنی بن اسماعیل النابلسی (۱۱۴۳ھ)(۵)

کچھ شمائل کا حصہ وہ ہے جو صحاح ستہ سمیت مختلف کتب احادیث میں مختلف عنوانات کے ساتھ شامل ہے۔ مثلاً صحیح بخاری میں کتاب الادب، کتاب الاستئذان، کتاب اللباس کے نام وعنوان سے موجود ہے۔ صحیح مسلم میں کتاب البر والصلۃ و الآداب، کتاب فضائل النبی، کتاب اللباس و الزینۃ، کتاب الزہد والرقائق کے عنوانات کے ساتھ موجود ہے۔ جامع ترمذی میں مستقل شمائل کے علاوہ ابواب البر والصلۃ اور ابواب الاستئذان کے عنوانات کے ساتھ شمائل موجود ہیں۔ یہی صورت حال تقریباً تمام کتب احادیث کی ہیں۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کآں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

چوتھے اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت ص/۱۷۳۔۱۷۴

۲۔ تفصیل کے لئے دیکھئے الدکتور مهدی رزق الله کی السیر النبویة فی ضوء المصادر الاملیة ص/۱۸، اردو نثر میں سیرت رسول ص/۱۷۳ تا ۱۷۶ اردو میں میلاد النبی ص/۱۵۹

۳۔ المنجد، صلاح الدین، معجم ما الف عن رسول الله دار الکتب الجدید بیروت ۱۹۸۲ء ص/۱۹۲

۴۔ ایضاً ص/۱۸۴۔۱۸۵

۵۔ ایضاً ص/۱۷۷۔۱۷۹

تمت

پانچواں اصول: علم مغازی وسرایا ہیں

امام ابن حجرؒ لکھتے ہیں سیر لفظ سیرت کی جمع ہے اور اس کا اطلاق جہاد کے ابواب پر ہوتا ہے، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے ان حالات سے ماخوذ ہوتے ہیں جو غزوات میں پیش آئے۔(۱)

غزوہ، مغزی جمع ہے مغازی کی جس کے معنی ہیں قصد وارادہ۔ شریعت میں معنی ہیں کفار سے قتال کرنا۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں مغازی سے مراد رسول اللہ ﷺ کا بہ نفس نفیس یا اپنے لشکر کے ذریعہ کفار کا قصد کرنا یہ قصد کفار کے شہروں کا ہو یا جہاں وہ اترے ہیں۔(۲) بعد میں مغازی کے معنی میں وسعت پیدا ہوگئی اور مغازی کا اطلاق صرف غزوات پر نہیں بلکہ سیرت پر بھی کیا جانے گا۔

سیرت کا مغازی سے تعلق: علم السیر، حدیث شمائل اور مغازی ایک ہی تصور کے مختلف رخ ہیں۔ اس لئے کہ ان سب کا موضوع نبی کی ذات، تعلیمات اور آپ کا عمل ہے۔ آپ ﷺ کی شخصیت کا ایک پہلو رحمۃ للعالمین ہونا ہے۔ تو اسی رحمت کا دوسرا تقاضہ قتال فی سبیل اللہ ہے۔ جس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے۔

محمد رسول اللہ والذین معهٗ أشدّاءُ علی الکفار رحماء بینهم۔(۳)

محمد ﷺ رسول اللہ اور جو صحابہ ان کے ساتھ ہیں یہ کفار کے مقابلہ میں سخت اور باہمی معاشرت میں نہایت رحمدل ہیں۔

بقول اقبال ؎

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم　　رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

مسلمان اپنے آغاز عہد سے حالت جنگ میں رہے اسلام کو مٹانے کے لئے خفیہ

سازشوں کے ساتھ تیر وتفنگ کا استعمال بھی کیا گیا۔ جس کا جواب دینا ہر مرد کامل اور باغیرت انسان کا حق ہے۔ اس جوابی کارروائی کا حصہ دفاعی کے ساتھ کبھی اقدامی بھی ہوتا ہے۔ مجموعی سرگزشت کو غزوہ، جہاد، قتال کا نام وعنوان دیا جاتا ہے۔ مسلمان فتح مکہ تک مسلسل حالت جنگ میں رہے اور جینے کے لئے مسلسل لڑتے رہے اور لڑائی کے لئے قربانی کے جذبوں کو مہمیز کرنے کے لئے غزوات کے واقعات سنائے جاتے یہ واقعات جاہلی تفاخر حسب ونسب کا علاج بھی تھے اور جہادی جذبوں کو فروغ دینے کا ذریعہ بھی ان جہادی واقعات کے ذریعہ تخریبی، رواتی من گھڑت قصہ کہانیوں سے مسلمانوں کی محفلوں کے گرمانے کا سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا، پھر اس روایت میں استحکام ودوام وقبولیت پیدا کرنے کے لئے ان غزوات کو صحت کے ساتھ قلمبند کرنے کا آغاز بھی کیا گیا ابتداءً جتنی کتابیں لکھی گئیں، سب کا نام مغازی تھا۔ خواہ اس جہاد میں آپ ﷺ نے شرکت کی ہو یا نہ کی ہو، حالانکہ اصطلاحاً غزوہ صرف وہ تھا جس میں آپ ﷺ خود شریک ہوئے، جہاں آپ ﷺ نے بنفس نفیس شرکت نہیں کی اسے سریہ کہا جاتا تھا۔ قاضی اطہر صاحب کی تحقیق کے مطابق آپ ﷺ نے ۲۷ غزوات میں حصہ لیا اور ۵۷ سرایا ہوئے۔ (۴) البتہ کچھ وقت گزرنے کے بعد اہل مغازی اور اہل حدیث دو الگ الگ جماعتوں کی شکل اختیار کر گئے، اس کی ایک فطری وجہ بھی تھی وہ یہ کہ محدثین نے اخذ وقرأت حدیث کے لئے جن شرائط کو ملحوظ رکھا تھا۔ اہل مغازی نے اس کا بھرپور لحاظ نہیں رکھا۔ حدیث کی طرح مغازی کے بھی خصوصی مکاتب واساتذہ وجوہ میں آئے (اس حوالہ سے "سیرت کے ارتقاءٗ میں تفصیلا روشنی ڈال چکا ہوں)

بقول شبلی نعمانی:

> محدثین کی اصطلاح میں مغازی اور سیرت عام فن حدیث سے ایک الگ چیز ہے، یہاں تک کہ بعض موقعوں پر ارباب سیر اور محدثین دو مقابل کے گروہ سمجھے جاتے ہیں، بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ تمام ارباب سیر ایک طرف ہوتے ہیں اور امام بخاری ومسلم ایک طرف۔ ایسے موقع پر بعض لوگ امام بخاری کی روایت کو اس بنا پر تسلیم نہیں کرتے کہ تمام ارباب سیر کے خلاف ہے۔ لیکن محققین کہتے ہیں کہ حدیث صحیح تمام ارباب سیر کی متفقہ روایت کے

مقابلہ میں بھی قابل ترجیح ہے۔(۵)

کتب مغازی اور کتب سیرت النبی ﷺ (جس کی جمع سیر ہے) جیسا کہ پہلے وضاحت کر چکا ہوں دونوں ایک ہیں اور سیرت کے مضمون کا دونوں عنوانات احاطہ کرتے ہیں۔ تمام سیرت نگاروں نے سیرت کے مآخذ میں اسے بھی شامل کیا ہے۔(۶) میں نے اسے حدیث کے بعد اس لئے ذکر کیا ہے کہ یہ بھی حدیث ہی ہے لیکن بالاتفاق محدثین حدیث سے کم درجہ کی کتب ہیں۔ اس لئے کہ کتب مغازی میں روایت کے ساتھ درایت کے اصولوں کی مکمل پابندی نہیں کی جاتی، حالانکہ بقول مولانا کاندھلوی محدثین نے جرح و تعدیل کے جو اصول مقرر کئے ہیں وہ حدیث و سیرت دونوں کے لئے ہیں۔(۷) یہی شبلی نعمانی کی بھی رائے ہے۔(۸)

محدثین نے نقد روایت کے جو اصول قائم کئے تھے، ان میں سے بیشتر سیرۃ کی روایتوں میں نظرانداز کر دیئے گئے، کتب احادیث سے بے اعتنائی برتی گئی، سیرۃ میں قدماء نے جو کتابیں لکھیں ان سے مابعد کے لوگوں نے جو روایتیں نقل کیں وہ انہیں کے نام سے کیں اور اس میں تدلیس کا عمل جاری ہو گیا، روایت کے مختلف مدارج کا خیال نہیں رکھا گیا، واقعات میں سلسلہ علت و معلول قائم نہیں کیا گیا، نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم نہیں رکھا گیا اور کبھی روایت میں قیاس کو بھی شامل کر لیا گیا، خارجی اسباب کے حوالے سے روایت کو نہیں پرکھا گیا، دلائل عقلی اور قرائن حالی کی پروا نہیں کی گئی۔(۹)

بایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مغربی سیرۃ نگاروں نے قدیم سیرۃ نگاروں کی ان کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا اور میور Sir William Miur جیسے مصنفین نے تو ان پر بنیاد رکھ کر افسانے تراش لئے، جس کے خلاف سرسید کو خطبات احمدیہ اور شبلی کو سیرۃ النبی لکھنی پڑی۔ شبلی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یورپ کا کوئی عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ پر قلم اٹھانے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا اور اس بیان میں مبالغے کے باوجود اتنی حقیقت ضرور ہے کہ مغربی سیرۃ نگاروں کی دو بنیادی کمزوریاں یا اصول واضح ہیں، اول تو (الحاد اور لادینی کے باوجود) ان کا مزاجاً عیسائی ہونا، دوم ان کا یہ دعویٰ کہ وہ سیرۃ میں معروضی نقطۂ نظر سے (جو علمائے یورپ کا عام نقطہ نظر ہے) کام لینے پر مجبور ہیں۔ منٹگمری واٹ Montgommery Watt جیسے بظاہر غیر جانبدار سیرت نگار نے بھی یہی دعویٰ کیا

ہے۔ مغربی نقاد قدیم سیرۃ نگاری کو تذکرۃ المقدسین (Hagiography، جس میں مقدس ہیرو کے مناقب بڑھا چڑھا کر بیان کئے جاتے ہیں) کے زمرے میں شامل کرکے اسے ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں اور مدعی ہیں کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کو ایک بشر اور ایک عام لیڈر سمجھ کر ان کی بے لاگ سوانح عمری لکھیں گے۔ منٹگمری واٹ نے اسی دعوے کے ساتھ اپنی کتاب What is Islam میں آنحضرت ﷺ پر بطور قائد نظر ڈالی ہے، لیکن اس طریق کار میں کمی یہ ہے کہ فاضل مصنف مقام و منصب نبوت سے ہٹ کر سرور کائنات ﷺ کو ایک عام قائد کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہے حالانکہ اس قیادت میں جو نبوت کے ساتھ وابستہ ہے اور اس میں جو ایک عام ذہین وفطین قائد سے ظہور میں آتی ہے بڑا فرق ہے۔ اسی طرح بعض مصنفین نے انہیں بطور فاتح اور سپہ سالار پیش کیا ہے اور اس سلسلے میں لفظ مغازی سے بے جا فائدہ اٹھایا ہے۔

بہر حال یہ نقطۂ نظر کا فرق ہے اور ان تعصبات کی تو کوئی حد ہی نہیں جو تنقیدی Critical اور علمی Scientific طریق کار کی آڑ میں ظاہر ہوئے ہیں اور جن میں مغرب کے اکثر سیرت نگار مبتلا نظر آتے ہیں۔(۱۰)

قطع نظر مغربی سیرت نگاروں کے مسلمانوں نے اس شعبہ میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، ان صاحب تصانیف سیرت نگاروں میں زیادہ معروف واہم یہ ہیں، ابان بن عثمان غنیؓ (۸۶ھ۔۱۰۰ تا ۱۰۵ھ)، عروہ بن زبیرؓ (م ۹۴ھ)، شرجیل بن سعد (م ۱۲۳ھ)، وہب بن منبہ (م ۱۱۰ھ)، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم (م ۱۳۰ھ)، عاصم بن عمر (م ۱۱۰ھ)، ابن شہاب الزہری (م ۱۲۴ھ)، موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ)، معمر بن راشد (م ۱۵۴ھ)، محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ)، ابو معشر السندی (م ۱۷۰ھ)، الواقدی (م ۲۰۷ھ)، ابن ہشام (م ۲۱۳ھ) اور محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ) وغیرہ زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی کتابوں کو امہات الکتب کا درجہ حاصل ہے، کیونکہ باقی کتابیں ان کے بعد لکھی گئی ہیں اور ان میں مذکور واقعات و احوال کم و بیش انہی ابتدائی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ آپ ﷺ کے محاسن و محامد کے بیان میں صحابہ کبارؓ اور ابتدائی دور کے شعراء کے اشعار بھی انہی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ان کتابوں میں مذکور روایات اور واقعات کو سیرتوں میں کثرت اور تسلسل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح ان کتب سیرت سے بطور خاص

استفادہ کیا جاتا رہا ہے۔(۱۱)

مغازی پر اہم کتب کا جائزہ: ''مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' یہ عروہ بن زبیر کی سیرت النبی ﷺ پر پہلی تصنیف ہے۔ اسے آپ کے شاگرد ابوالاسود نے روایت کیا ہے، جن کا نام محمد تھا، یہ قلمی نسخہ کی شکل میں محفوظ تھی، اسے ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نے ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے، اس کا اردو ترجمہ محمد سعید الرحمٰن نے کیا ہے۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۷ء سے شائع ہوا۔(۱۲) عربی نسخہ کب اور کہاں سے شائع ہوا، تفصیل نہیں مل سکی ہے۔(۱۳) اس کے علاوہ درج ذیل افراد کی مغازی زیادہ مشہور ہیں۔

ابن شہاب زہری (۵۱ھ۔۱۲۴ھ) کی کتاب المغازی (آپ نے یہ کتاب غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیز، فرمائش پر لکھی۔(۱۴)

ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل (م ۱۳۱ یا ۱۳۷ھ) کی کتاب: المغازی،

موسیٰ بن عقبہ بن ربیعہ بن ابی عیاش الاسدی (۵۵ ھ ۔ ۱۴۱ھ) کی کتاب المغازی،

معمر بن راشد (۹۶ھ۔۱۵۰ھ) کی کتاب المغازی (۲۲۷ھ)

محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار (۸۵ھ۔۱۵۱ھ) کی کتاب المغازی والسیر (۲۲۸)

ابن ہشام (ابو محمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب المیری م ۲۱۳) کی سیرت رسول اللہ ﷺ، (محمد بن اسحاق کی کتاب کی ترمیم شدہ شکل ہے)

ابو معشر السندی (م ۱۷۰ھ) کی کتاب المغازی (۱۵)

ابو عبداللہ محمد بن عمر الواقدی (۱۳۰ھ۔۲۰۷ھ) کی التاریخ والمغازی والمبعث اور اس کے علاوہ ازواج النبی ﷺ، وفات النبی ﷺ'' السیرۃ وغیرہ (۱۶)

محمد بن سعد بن منیع الزہری (۱۶۸ھ۔۲۳۰ھ) کی طبقات الکبیر، طبقات الصغیر، تاریخ اسلام، کتاب اخبار النبی ﷺ (۱۷)

ولید بن مسلم القرشی (م ۱۹۵ھ) کی کتاب المغازی، عبدالرزاق بن ہمام النافع الحمیر (م ۲۱۱ھ) کی کتاب المغازی،

ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم (م ۲۸۵ھ) کی کتاب المغازی،
حافظ ابوسعید عبدالملک نیشاپوری (م ۴۰۶ھ) کی شرف المصطفی (آٹھ جلدوں پر مشتمل سیرت رسول ﷺ ہے)
امام ابو عمر یوسف بن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) کی الدرونی اختصار المغازی والسیر۔(۱۸)
قاضی ابوالفضل عیاض بن عمرو (م ۴۴ھ) کی الشفاء بتعریف حقوق المصطفی ﷺ،
ابوالقاسم عبدالرحمٰن السہیلی (م ۵۸۱ھ) کی الروض الانف (دو جلدوں میں سیرت ابن ہشام کی شرح ہے)
حافظ عبدالرحمٰن ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) کی شرف المصطفی ﷺ (۱۹)
شیخ ظہیر الدین علی بن محمد بن مسعود گازرونی (م ۶۹۴ھ) کی المنتقی فی سیرۃ المصطفی (سیرت گازرونی کے نام سے معروف ہے)
محب الدین احمد بن عبداللہ الطبری (م ۶۹۶ھ) کی خلاصۃ السیر (سیرت نبوی کی بارہ مختلف کتابوں کا انتخاب)
حافظ عبدالمومن الدمیاطی (م ۷۰۵ھ) کی المختصر فی سیرۃ سید البشر (۲۰) (سیرت دمیاطی کے نام سے مشہور ہے)
ابوالفتح محمد بن الفتح محمد بن ابن سید الناس اندلسی (م ۷۳۴ھ) کی عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر
علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن بکر بن ایوب سعد زرعی دمشقی (ابن قیم جوزیہ م ۷۵۱ھ) کی زاد المعاد فی ہدی خیر العباد (۲۱) (سیرت اور خصائل وشمائل کے موضوع پر تحقیقی کتاب ہے)
حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) کی السیرۃ النبویہ، چار جلدوں پر مشتمل ہے۔
حافظ ابراہیم بن محمد البرہان الحلبی (م ۸۴۱ھ) نے نور النبراس فی سیرۃ ابن سید الناس کے نام سے عیون الاثر کی شرح لکھی ہے۔(۲۲)
علاؤ الدین مغلطائی (م ۷۶۲ھ) کی سیرۃ مغلطائی کے نام سے مشہور ہے،

شیخ احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب القسطلانی (م ۹۲۳ھ) کی سیرت پر المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ فی السیرۃ النبویہ۔(۲۳)

محدث محمد بن یوسف الشامی (م ۹۴۲ھ) کی کتاب سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد۔

سیرت شامیہ کے نام سے مشہور ہے، اس کتاب میں حضور ﷺ نے فضائل و احوال شرح سے آخر تک سب تحریر کئے ہیں، کتب سیرت میں اکثر اس کے حوالے موجود ہیں۔(۲۴)

علامہ نورالدین علی بن برہان الدین الحلبی (م ۱۰۴۴ھ) کی کتاب انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون، (سیرت حلبیہ کے نام سے مشہور ہے)(۲۵) محمد بن عبدالباقی الزرقانی (م ۱۱۲۲ھ) نے آٹھ جلدوں میں المواہب اللدنیہ (قسطلانی) کی شرح لکھی ہے۔ اور علامہ سید احمد الدحلانی المکی (م ۱۳۰۴ھ) کی کتاب، السیرۃ الدحلانیہ، معروف کتابیں ہیں۔(۲۶)

لیکن ان کتب سے استفادہ کرتے ہوئے سیرت نگار کو اصل درایت و روایت پیش نظر رکھنا چاہئے تاکہ من کذب علی متعمدًا فلیتبوأ مقعدہ من النار (جس نے جان بوجھ کر میری جانب جھوٹ کی نسبت کی اسے چاہئے کہ جہنم کے عذاب کے لئے تیار رہے) کی وعید سے محفوظ رہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ کتب مغازی میں بھی زندگی کے جملہ پہلوؤں مع غزوات (جنگوں) تذکرہ کیا جاتا ہے گویا یہ کتب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی مکمل ترجمانی کرتی ہیں۔ لہٰذا سیرت نگار کو غزوات پر لکھی گئی کتب سے بحیثیت اصل و مصدر استفادہ کرنا چاہئے۔

پانچویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ ابن حجر، فتح الباری کتاب الجهاد والسير ج/۶ ص/۳
۲۔ ایضاً ج/۶ ص/۲۷۹
۳۔ سورۂ فتح/۲۹
۴۔ مبارکپوری، قاضی اطہر، تدوین سیر و مغازی، شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند ۱۴۱۰ھ ص/۳۵۔۳۹
۵۔ نعمانی، شبلی سیرت النبی ج/۱ ص/۲۲
۶۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول، ص/۹۳ تا ۱۳۶، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی سیرت رسول ص/۳۳۔۳۵ محمد مظہر کی اردو میں میلاد النبی ص/۱۵۹، الدکتور محمد سعید رمضان بوطی کی فقه السيرة ص/۲۲، الدکتور مهدی رزق الله کی السيرة النبوية فی ضوء المصادر الأصلية ص/۲۱ وغیرہ۔
۷۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، سیرۃ المصطفیٰ ج/۱ ص/۴
۸۔ نعمانی، شبلی، سیرت النبی ج/۱ ص/۲۳
۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۴۔۱ ص/۱۷۴
۱۰۔ ایضاً ص/۱۷۶۔۱۷۷ محمد حسین ہیکل کے بقول انہوں نے اپنی کتاب حیاۃ محمد انہی دو طرفہ کمزوریوں کے ازالہ کے لئے لکھی ہے۔
۱۱۔ صدیقی، محمد مظفر عالم جاوید۔ اردو میں میلاد النبی ص/۱۷۹
۱۲۔ اس کے محقق فاضل دیوبند ہیں، موصوف کا اس کتاب کے آغاز میں عمدہ مقدمہ ہے۔
۱۳۔ احمد، الدکتور مهدی رزق الله، السيرة النبوية فی ضوء المصادر الأصلية ص/۲۱
۱۴۔ نعمانی، علامہ شبلی، سیرت النبی ج/۱ ص/۱۹

۱۵۔ ابن ندیم، الفہرست ص/۱۵۱، مترجم محمد اسحٰق بھٹی، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور ۱۹۹۰ء

۱۶۔ الحوی، یاقوت معجم الادباء ج/۷ ص/۵۸

۱۷۔ ابن ندیم، الفہرست ص/۱۵۱

۱۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۱ ص/۵۰۸

۱۹۔ نعمانی، علامہ شبلی۔ سیرت النبی ج/۱ ص/۳۶

۲۰۔ ایضاً ج/۱ ص/۳۵

۲۱۔ ابن قیم، الجوزی، زادالمعاد ج/۱ ص/۲۰ مترجم رئیس احمد جعفری

۲۲۔ سخاوی، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم اہل التاریخ اردو ص/۱۹۰

۲۳۔ یہ سیرت محمدیہ ﷺ کے نام سے عبدالجبار خان آصفی کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

۲۴۔ اس کتاب کے معتدد محقق نسخے شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن سب سے عمدہ تفصیلی تحقیق یہ بارہ جلدوں میں مصر سے شائع ہوا ہے۔

۲۵۔ اس کا ایک نام اُم السیر بھی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ نام اسم بامسمیٰ ہے۔ اس کا چھے جلدوں میں انتہائی عمدہ ترجمہ مولانا محمد اسلم قاسمی فاضل دیوبند نے کیا ہے۔ یہ پہلے ہندوستان سے شائع ہوئی تھی اب دارالاشاعت کراچی سے نئی کمپوزنگ کے ساتھ ۱۹۹۹ء میں شائع ہو چکی ہے۔

۲۶۔ الدکتور مہدی رزق اللہ نے السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الأصلیۃ کے آغاز میں ص/۲۳ تا ۱۴۲ ایسے ۶۲ افراد کا تذکرہ کیا ہے۔ جن کی کتب کا ذکر ملتا ہے لیکن کتابیں دستیاب نہیں ہیں۔ یا ضائع ہو چکی ہیں۔

تمت

چھٹا اصول

معاہدات، مکاتیب، فتاویٰ وطب نبوی ﷺ ہیں

سیرت طیبہ ﷺ سے جدا کر کے کچھ پہلوؤں پر الگ حیثیت میں انہیں مدون کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک آپ ﷺ کے معاہدات ومکتوبات کا پہلو ہے، دوسرے آپ کے فیصلے وفتاویٰ ہیں۔ تیسرے طب کے حوالہ سے آپ ﷺ کی ہدایات ہیں۔ یہ موضوعات درج ذیل اقسام پر مشتمل ہیں۔

۱۔ نئے معاہدے یا پرانے معاہدوں کی تجدید
۲۔ خطوط تبلیغی نقطہ نظر سے لکھے ہوئے۔
۳۔ سرکاری نمائندوں کو ارسال کئے گئے۔ خطوط، احکامات وہدایات
۴۔ اجراء دستاویزات ملکیت اراضی واجناس وغیرہ
۵۔ مخصوص افراد کے لئے ہدایات جیسے خطبہ حجۃ الوداع
۶۔ جوابی خطوط
۷۔ مسلمانوں یا غیر مسلموں کی جانب سے آپ کو حکم بنانا اور اس کی روشنی میں فیصلوں کا اجراء عمل میں آنا جسے فتاویٰ کا عنوان دیا گیا ہے۔
۸۔ یا مسلمانوں کا آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کرنا اور آپ ﷺ کا جواب عنایت فرمانا
۹۔ آپ ﷺ کا بیماری میں خود اپنا علاج کرنا۔ بیماری کے لئے دوا تجویز کرنا۔

سیرت کا معاہدات، مکاتیب، فتاویٰ وطب نبوی ﷺ سے تعلق: آپ ﷺ کی شخصیت نبی ہونے کے ساتھ سربراہ وقائد کی بھی تھی۔ اسی حیثیت میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کی طرف سے دیگر اقوام سے معاہدے کئے، ان سیاسی معاہدوں کا آغاز مدینہ

سے شروع ہوتا ہے، گویا آپ ﷺ کی شخصیت کا یہ وہ پہلو ہے جس سے اقوام وملل کے ساتھ معاملات کے اسلوب کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اور کسی انسان کے اندر کی انسانیت کو اس کے معاملات ہی سے پرکھا جاتا ہے۔ اور کسی قائد کا خلوص وتعلق اپنے ماتحتوں سے انہی روابط سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں سے کتنا قریب ہے ان کے اجتماعی و انفرادی مسائل حل کرنے میں کس حد تک متفکر رہتا ہے حتی کہ فکری ومعاشرتی معاملات کے ساتھ ان کے ذاتی معاملات صحت ومرض کی کیفیات میں بھی ان کی رہنمائی کرنا یہ شان صرف آپ ﷺ کی ہے دنیا کا کوئی قائد ایسا نہیں ملے گا، جو اپنے ماننے والوں کے ذاتی مسائل اتنی نچلی سطح پر آ کر حل کرتا ہو۔

لہٰذا سیرت نگار کے لئے ضروری ہے وہ اس اصول سے بھی واقفیت رکھتا ہو اور طب نبوی ﷺ سے بھی اسے آگاہی ہو، تاکہ آپ ﷺ کی شخصیت کے اس پہلو کو بہتر طور پر نکھار کر قاری وسامع کے سامنے پیش کر سکے۔

معاہدہ اس معاملہ کو کہتے ہیں جو دو جانبین سے وجود میں آئے، اقوام عالم میں کئے گئے معاہدات کا نبی ﷺ سے کئے گئے معاہدات سے تقابلی مطالعہ کیا جائے تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ نے کمزور اقوام سے بھی برابری کی بنیاد پر معاہدے کئے اور جب معاہدہ کیا تو اسے ہر قیمت پر باقی رکھا اور معاہدہ کی جو بھی قیمت ادا کرنی پڑی خوش دلی سے ادا کی۔

تیسرے یہ کہ معاہدہ میں فریق ثانی کو تمام ممکنہ رعایات دیں، جبکہ آج دنیا میں رواج ہے کہ معاہدہ طاقت ور کی مرضی سے مسلط کیا جاتا ہے، موقع ملنے پر اسے توڑ دیا جاتا ہے، فقط اپنے مفادات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، فریق ثانی کو سخت سے سخت شرائط میں جکڑا جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے جو خطوط لکھے ہیں وہ آپ ﷺ کی شخصیت کی وسعت حکمرانی کو نہیں بلکہ عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم (۱) اور أحرص الناس علی حیاة (۲) کی ترجمانی کرتی ہے۔ معاہدات کی طرح مکاتیب بھی یکجا کر کے شائع کئے ہیں اور تین مکتوبت ایسے ہیں جو اصل حالت میں آج بھی دستیاب ہیں۔ (۳)

مدائینی کہتے ہیں کہ زید بن ثابتؓ وحی لکھتے تھے۔ اور معاویہؓ آپ ﷺ کے اور قبائل کے درمیان خط و کتابت کرتے تھے۔ حضرت علیؓ نے صلح حدیبیہ لکھا تھا۔ عبداللہ ابن الارقم بادشاہوں کے نام خطوط لکھتے تھے۔ اُبی ابن کعبؓ نے عمان کا خط لکھا تھا۔ عرباض بن ساریہؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے دعا کی تھی:

اَللّٰھُمَّ عَلِّم معاوِیة الحساب و الکتاب

بخاری میں تعلیقاً مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے زید بن ثابتؓ سے کہا تھا کہ یہودیوں کی تحریر سیکھ لو۔ انہوں نے سیکھا، چنانچہ یہودیوں کو وہی خط لکھتے تھے۔ اور ان کے خطوط کا وہی جواب دیتے تھے۔

حضور ﷺ نے ہرقل کو روم خط لکھا۔ کسریٰ کو ایران، نجاشی کو حبشہ، مقوقس کو اسکندریہ، منذر ابن ساوی کو بحرین، ہوذہ بن علی کو یمامہ، حارث ابن ابی خمر غسانی کو دمشق، یہ سیرۃ کا عظیم الشان تحریری سرمایہ ہے۔ یہ خطوط حضور ﷺ نے خود لکھوائے۔ اور انہیں حضرات نے لکھے تھے۔ اس لئے بقرینہ غالب ان کے پاس اُس کی نقلیں موجود ہونگی۔

اِن خطوط کے علاوہ یحنہ ابن رویہ صاحب ایلہ کو آپ نے ایک صلح نامہ لکھ کر دیا۔ اہل جربا اور اذرج کو ایک صلح نامہ لکھ کر دیا۔ اہل خیبر سے بٹائی کا معاملہ تحریری ہوا۔ اہل فدک سے تحریری صلح ہوئی۔ علامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ: تمیم داری کی قوم داریین کے لئے آپ نے ایک ہبہ نامہ لکھا، جس میں بیت عینون، حیرون، مرطوم اور بیت ابراہیم سب ان لوگوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لکھدیا۔ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ: جب ہجرت کر کے حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ایک معاہدہ حضور ﷺ نے لکھوایا۔ جس میں مہاجرین انصار اور یہود کے حقوق اور مل کر مدینہ کی حفاظت کا قاعدہ بتایا گیا۔ اس کے علاوہ علیحدہ علیحدہ یہود کے قبائل بنی قینقاع، بنی نضیر، اور بنی قریظہ کے ساتھ آپ ﷺ کا تحریری معاہدہ ہوا۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان جو قبائل تھے ان میں سے اکثر کے ساتھ آپ کی تحریری صلح ہوئی۔ (۴)

موضوع پر تصانیف: ان معاہدات ومکتوبات پر جو تحریری سرمایہ محفوظ کیا گیا ہے اس کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱...... إعلام السائلين عن كتب سيد المرسلين ـ لمحمد بن طولون

الصالحی الدمشقی (۹۵۳ھ)(مخطوط)

۲...... تحفة الظرفاء فی جمع مافی الکلاعی من الرسائل النبویة والصحابة والخلفاء ۔ لمحمد بن أحمد الیحمدی الفحصی (القرآن الثانی عشر)(مخطوطه)

۳...... دبلو ماسیة محمد ۔ لعون الشریف قاسم

۴...... رسائل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ۔ للمد ائنی، علی بن محمد (۲۲۵ھ)(مخطوط)

۵...... رُسل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ۔ للمدائنی، علی بن محمد (۲۲۵ھ)(مخطوط)(الفہرست ۱۱۲)

۶...... مجموعة رسائل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ۔ لعبد الرضاعلی

۷...... مجموعة الوثائق السیاسیة للعهد النبوی و الخلافة الراشدة ۔ لمحمد حمید اللّٰہ.

عربی میں شائع ہوئی، ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی نے اردو ترجمہ کیا جو مجلس ترقی ادب لاہور سے ۳۴۰/ص پر ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا یہ ڈاکٹر صاحب کا پی ایچ ڈی سیاسی وثیقہ جات کے نام سے شائع ہوا ہے۔ یہ اس موضوع پر سب سے جامع و مفصل کتاب ہے۔

۸...... المصباح المضیّ فی کُتّاب النبی الأمی ورسله إلی ملوک الأرض من عربی و عجمی ۔ لمحمد بن علی بن أحمد ابن حدیدة الأنصاری سنة (۷۷۹ھ) میں لکھی گئی (مخطوط)

۹...... مکاتیبات النبی للاشراف والملوک ۔ نعمارة بن زید (سخاوی ۵۳۸)

۱۰...... مکاتیب الرسول ۔ لعلی حسین علی الأحمد

۱۱...... من رسائل النبی ۔ لأبی الحجاج حافظ

۱۲...... من کتب له النبی کتاباً وأمانا ۔ لعلی بن محمد المدائنی (۲۲۵ھ) مخطوط)(۵)

۱۳...... اعلام السائلین عن کتب سیّد المرسلین شمس الدین محمد بن

علی طولون (٦)

۱۴...... تذکرہ وفود ویلھان وزن مستشرق (٧)

۱۵...... مکاتیب نبوی۔ یزید بن حبیب مصری (٨)

۱۶...... نام رسالات نبویہ عبدالمنعم (٩)

۱۷...... عہود النبی مدائنی (۲۲۵ھ)

۱۸...... المعاهدات والمحالفات فی عهد الرسول ﷺ حسن خطاب وکیل مطبوعہ قاہرہ (۱۳۴۹ھ)(۱۰)

صحابہ کرام کا مرجع تو آپ ﷺ کی ذات ہی تھی، لیکن کچھ غیر مسلم بھی اپنے معاملات فیصلہ کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے، اس معاملہ کے دونوں فریق کبھی مسلم و غیر مسلم ہوتے اور کبھی دونوں فریق غیر مسلم ہوتے تھے۔ یہ فیصلے آپ ﷺ کی انصاف پسندی کا مظہر ہیں۔ ان فیصلوں اور فتاویٰ کو بھی یکجا کر دیا گیا ہے۔ سیرت نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ آپ ﷺ کی انصاف پسندی، معاشرتی معاملات اور ادراک مسئلہ پر لکھتے ہوئے ان فیصلوں کا مطالعہ کرے تاکہ قضاء کے جوہر کو نکھارا جا سکے۔

۱...... عبدالحی کتانی کے بقول اس موضوع پر سب سے پہلے حافظ شامی نے کتاب لکھی ہے اور اس کا عنوان ہے:

جماع ابواب سیرۃ فی احکام و فتاویة (۱۱)

اس فیصلوں کے ساتھ ماننے اور نہ ماننے کے احکامات بھی بیان کئے گئے ہیں۔

۲...... الفتاویٰ النبویة فی المسائل الدینیة والدنیویة حسین بن المبارک الموصولی (۶۴۲ھ)(۱۲)

۳...... أقضیة الرسول علیه الصلاة والسلام ظهیر الدین علی بن عبدالرزاق المرغینانی (۵۰۶ھ)(۱۳)

۴...... أقضیة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم محمد بن فرج المالکی القرطبی المعروف بابن الطلاع (۴۹۷ھ)(۱۴)(مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء، مصر ۱۳۴۶ھ)

۵...... بلوغ السول من أقضیة الرسول ابن قیم الجوزیة محمد بن أبی بکر

(۷۵۱ھ) (مطبوعہ انڈیا ۱۲۹۲ء) (۵) یہ کتاب فتاویٰ امام المفتین و رسول رب العالمین کے نام سے عبدالقادر الأرناؤوط کی تحقیق کے ساتھ بھی شائع ہوئی ہے۔ دارالمعراج الدولیہ سعودی عرب سے ۱۹۹۷ء میں۔

٦...... فقه النبی ﷺ ۔ بن أبی الدنیا عبداللّٰه بن محمد (۲۸۱ھ) (۱٦)

ان فتاویٰ میں عقیدہ توحید و رسالت، تخلیق انسانی، قیامت، مشرکین اور ان کی اولادوں، ہجرت، جہاد، مسح خفین، نماز اور اس کے اوقات، زکوۃ، صدقات سے متعلق سوالات کے جواب دیئے گئے ہیں۔

جہاں تک طب کا تعلق ہے۔ ڈاکٹر فواد سزگین لکھتے ہیں: تاریخ طب، تاریخ علوم کا سب سے پرانا شعبہ ہے۔ (۱۷) اس شعبہ کے حوالہ سے بھی آپ ﷺ نے مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی ہے اور علماء نے اسے طب نبوی ﷺ کے نام سے جمع کر دیا ہے۔ اس موضوع پر ابن أبي صبیعہ نے اپنی کتاب عیون الانبیاء فی طبقات الاطباء میں اور فواد سزگین نے تاریخ علوم تہذیب اسلامی میں جائزہ لیا ہے۔ اس فن کو ابن سینا، ابن نفیس، عبد الطیف بغدادی، الزہراوی، عمار الموصلی، اسحٰق ابن عمران، ابن الجزار وغیرہ نے کمال تک پہنچایا، ان کی کتابوں کو جالینوس، روفوس اور سکندر طرالیسی کی کتابیں قرار دے کر یورپ اپنے درسگاہوں میں طلبہ کو پڑھاتا رہا ہے۔ (۱۸) پھر بھی یہ ظلم ہے کہ کہا جاتا ہے کہ یونان سے طب اسلامی وجود میں آئی ہے۔ حالانکہ طب نبوی ﷺ سے ہی طب اسلامی وجود میں آئی اور یہ بھی صدقہ ہے محسن انسانیت ﷺ کا اس حوالہ سے جو کتابیں لکھی گئیں ہیں وہ یہ ہیں:

۱...... تخریج و دراسة احادیث الطب النبوی فی الأمهات الستة

مرتب : احمد بن محمد یحیی زبیلة، إشراف محمود نادی عبیدات، مكة المكرمة، جامعة أم القری، كلية الدعوة وأصول الدین، قسم الكتاب والسنة، (۱۴۰۸ھ: ۱۱۸۸/ص) (ایم اے کا مقالہ ہے)

۲...... صحة البدن فی السنة

مرتب: اعتماد خمزة سعداوی، إشراف علی عبدالفتاح علی حسن، جدة، كلية التربية للبنات، قسم الدراسات الإسلامية، (۱۴۰٦ھ، ۳۱۴/ص) (ایم اے کا مقالہ ہے)

۳...... الطب فی السنة

مرتب: محمد أحمد محمد السنهوری، إشراف موسی شاهین لاشین (۱۳۹۹ھ، ۳۶۹/ص ایم اے کا مقالہ ہے)

۴...... الطب النبوی

محمد بن ابی بکر بن قیم الجوزیة (ت ۷۵۱ ھ) حلب المطبعة العلمیة، ۱۳۴۷ ھ

القاهرة: دار إحیاء الکتب العربیة، (۱۳۷۷ھ، ۳۳۴/ص) اس کا اردو ترجمہ حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی نے کیا ہے۔ مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور سے ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ اس موضوع پر جامع ترین کتاب ہے۔

۵...... الطب النبوی

مرتب: ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد المقدسی (ت ۶۴۳ھ) حققه وعلق علیه مجدی فتحی السید، طنطا: دار الصحابة للتراث، (۱۴۰۹ھ، ص/۱۰۰)

۶...... الطب النبوی

شمس الدین محمد بن احمد الذهبی تحقیق و تعلیق احمد اعلاء الطب الحدیث، القاهرہ، مطبعة الحلبی (۱۳۸۰ھ ۱۶۵/ص)

۷...... الطب النبوی و الطب القدیم

مرتب: لمحمد بشیر حقی، أبها: النادی الأدبی، (۱۴۰۴ھ، ۱۵۲/ص)

۸...... الطب النبوی و العلم الحدیث

مرتب: محمود ناظم النسیمی، ط۲، بیروت: مؤسة الرسالة (۱۴۱۲ھ، ۳۹۷/ص)

۹...... قبسات من الطب النبوی و الأدلة العلمیة الحدیثة

مرتب: حسان شمسی باشا، تقدیم علی الطظاوی، جدة، مکتبة السوادی، (۱۴۱۲ھ، ۲۷۷/ص)

۱۱...... مختصر من کتاب الطب النبوی

مرتب: عبدالله بن مسفر، بن عبداللّٰہ البشر، الریاض: دار المختار، (۱۳۹۲ھ، ۴۸/ص)وھو اختصار لکتاب الطب النبوی/ لابن قیم الجوزیۃ(۹۱)

۱۲...... الأحکام النبویۃ فی الصناعۃ الطبیۃ ، لعلی بن عبدالکریم بن طرخان حوی الجمال (۷۲۰ھ)

۱۳...... ارسالۃ الذھبیۃ فی طب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، للامام علی بن موسی الرضا (۲۰۲ھ)

۱۴...... رسالۃ فی الطب النبوی ، لابن حزم الاندلسی علی بن أحمد (۴۵۶ھ)

۱۵...... السیر القوی فی الطب النبوی، لمحمد بن عبد الرحمن السخاوی (۹۰۲ھ)

۱۶...... شفاء الأنام فی طب أھل الإسلام ، لیوسف بن محمد الزَمَرّی العبادی الخلیلی (۷۷۶ھ)

۱۷...... الطب النبوی ، لعبد الملک بن حبیب (۲۳۸ھ)

۱۸...... الطب النبوی۔ لأحمد بن محمد ابن السنِّی الدینوری (۳۶۴ھ)

۱۹...... الطب النبوی ۔ لأبی نعیم أحمد بن عبداللّٰہ الأصبھانی (۴۳۰ھ) (کشف ۱۰۹۵)

۲۰...... الطب النبوی۔ لجعفر بن محمد المستغفری (۴۳۲ھ)

۲۱...... الطب النبوی۔ لابن حزم، رسالۃ فی الطب

الطب النبوی ۔ لمحمد بن ابراھیم ابن ساعد الأنصاری المعروف بابن الأکفانی (۷۴۹ھ)

۲۲...... الطب النبوی۔ للضیاء المقدسی، محمد بن عبدالواحد (۶۴۳ھ)

۲۳...... الطب النبوی۔ للحافظ الذھبی، محمد بن أحمد (۷۴۸ھ)

۲۴...... الطب النبوی۔ لمحمد الصفتی الزیتی

۲۵...... الطب النبوی۔ لداود بن الفرج

۲۶...... طب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، لابی القاسم الحسن بن محمد

المحدث النیساپوری (۴۰۶ھ)

۲۷...... **الطب الوقائی فی الإسلام: تعالیم الإسلام الطبیة فی ضوء العلم الحدیث ، لأحمد شوقی الفنجری (۲۰)**

یہ وہ کتاب ہیں جو مستقلاً طب نبوی ﷺ پر لکھی گئی ہیں، عام طب پر ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں، طب اسلامی میں سے کچھ کا ذکر محمد ماہر حمادہ نے **المصادر العربیة** میں کیا ہے۔(۲۱) لہٰذا سیرت نگار کے لئے ضروری ہے وہ نبی کریم ﷺ کی شخصیت پر جب قلم اٹھائے تو اس پہلو پر ضرور استفادہ کرے۔ یہ موضوع آج طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس کے حوالہ سے بھی مرتب کیا گیا ہے اس سے بھی استفادہ ہونا چاہئے تاکہ سیرت طیبہ ﷺ کے طبی پہلو کو بہترین وجدید انداز میں پیش کیا جا سکے۔

یہاں فتاویٰ وطب کو مستقل اصول کی شکل میں الگ الگ بھی پیش کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اختصار کی خاطر ضم کر دیا گیا ہے۔

چھٹے اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورۃ التوبہ/ ۱۲۸
۲۔ سورۃ بقرہ/ ۹۶
۳۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، سیاسی وثیقہ جات از عہد نبوی تا خلافت راشدہ، مترجم ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۰ء ص/۳
۴۔ ابوالبرکات، عبدالرؤف دانا پوری اصح السیر ص/۱۲
۵۔ المنجد، صلاح الدین، معجم ماالف عن رسول اللّٰہ ص/۱۶۴۔۱۶۵
۶۔ ایضاً ص/ ۱۶۷
۷۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد سیاسی وثیقہ جات ص/۴۔۵
۸۔ ایضاً
۹۔ ایضاً
۱۰۔ المنجد، صلاح الدین، معجم ماالف عن رسول اللّٰہ ص/ ۱۶۷
۱۱۔ کتانی، عبدالحی۔ التراتیب الاداریہ مترجم ص/ ۱۳۱۔۱۳۴
۱۲۔ المنجد، صلاح الدین، معجم ماالف عن رسول اللّٰہ ص/۲۸۴
۱۳۔ ایضاً
۱۴۔ ایضاً
۱۵۔ ایضاً
۱۶۔ ایضاً ص/ ۲۸۵
۱۷۔ سزگین، ڈاکٹر فواد تاریخ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام ترجم ڈاکٹر خورشید رضوی ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۹۴ء ص/ ۳۷
۱۸۔ ایضاً ص/ ۴۰۔۵۴
۱۹۔ حفنی، صلاح الدین اور محی الدین عطیہ دلیل مؤلفات الحدیث الشریف

المطبوعة القديمة والحديثه دارابن حزم بیروت ۱۹۹۵ء ج/۲ص/۴۷۲
۔۴۷۳

۲۱۔ حمادہ، محمد ماهر المصادر العربية والمعربة مؤسة الرساله بیروت ۱۹۸۰ء ص/۲۱۹۔۲۲۳

تمت بالخیر

ساتواں اصول: علم دلائل النبوۃ والمعجزات ہیں

دلائل دلیل کی جمع ہے، دلائل النبوہ کا مطلب ہے، ایسے دلائل جو نبی کی نبوۃ کی صداقت واثبات کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے جاتے ہیں۔ یہی مفہوم معجزات کا ہے، یعنی ایسی دلیل جس کا جواب دینے سے مخالفین عاجز آ جائیں۔

سیرت کا دلائل ومعجزات سے تعلق: سیرت کا دلائل سے بھی تعلق ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دلائل سیرت ہی کا حصہ ہے اور آدم علیہ السلام سے ہمارے پیغمبر تک تمام انبیاء کو نبوت کی سچائی کو ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر زمانہ کی مناسبت سے اس زمانہ کے علم وفن کے مطابق معجزات عطا کئے جاتے رہے ہیں۔ کچھ انبیاء کو حسی معجزات عطا ہوئے اور کچھ کو علمی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فن طب عروج پر تھا طبیبوں کا دعویٰ تھا وہ مریض کو موت کے منہ سے واپس لا سکتے ہیں۔ لہٰذا اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو مردہ کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا۔ قرآن کریم کے الفاظ ہیں واحی الموت باذن اللہ (۱) اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کرتا ہوں، برص کے مریض کو شفایاب اور اندھے کو بینائی عطا کرنے (۲) کے معجزات عطا کئے گئے۔

فرعون کے زمانہ مس جادو کا فن عروج پر تھا۔ لہٰذا اسی مناسبت سے موسیٰ علیہ السلام کو عصاء اور ہاتھ کی چمک کا معجزہ عطا کیا گیا جو جادوگروں کے تمام کمالات کو ہضم کر گیا اور فرعون کی آنکھوں کو چکا چوند کر گیا۔ لیکن چونکہ تمام انبیاء کی نبوت مخصوص زمانہ تک کے لئے تھی، لہٰذا انہیں معجزہ بھی ایسا دیا گیا، جو ان کے عہد کے ساتھ ختم ہو گیا ہمارے نبی کی نبوت قیامت تک کرنے والے تمام انسانوں کے لئے ہے، اس لئے آپ کو حسی معجزات کے ساتھ علمی معجزہ یعنی قرآن کریم دیا گیا، جو قیامت تک کرنے والے تمام انسانوں کے لئے ہدایت اسلام اور نبی کی نبوت کی صداقت کا علم بن کر لہراتا رہے گا۔ حسی معجزات کو بہت سے

اہل علم نے اپنی کتابوں کی زینت بنایا ہے۔

دلائل النبوت والمعجزات پر تصانیف کا جائزہ: اس موضوع پر تصانیف سے سیرت نگار استفادہ کر کے جہاں پیغمبر کی نبوت کو بہتر انداز میں پیش کرسکتا ہے، وہیں دیگر انبیاء کے پیروکاروں کو دین اسلام کی طرف راغب کرسکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ معجزات دیکھ کر ایمان لانے کے خوگر رہے ہیں، سو اسلام اور ہمارے پیغمبر کی سیرت اسی حوالہ سے بھی اپنے ماننے والوں کو تشنہ نہیں چھوڑتی ہے۔

اس موضوع پر درج ذیل کتابوں کا ذکر ملتا ہے، ان کتابوں کا ذکر ڈاکٹر فاروق حمادہ نے اپنی کتاب مصادر السیرہ (۳) اور ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر نے اپنی کتاب سیرت النبی ﷺ کے مصادر و مراجع (۴) میں کیا ہے۔

۱۔ ابوالحسن علی بن محمد المدائنی (ت ۲۱۵ھ) آیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۵)
۲۔ عبداللہ بن ہارون المعروف مامون عباسی (ت ۲۱۸ھ) اعلام النبوۃ (۶)
۳۔ ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم (ت ۲۶۴ھ) دلائل النبوۃ (۷)
۴۔ ابوسلیمان داؤد بن علی الاصفہانی (ت ۲۷۰ھ) دلائل النبوۃ (۸)
۵۔ ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی (ت ۲۷۵ھ) دلائل النبوۃ (۹)
۶۔ ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ (ت ۲۷۶ھ) دلائل النبوۃ (۱۰)
۷۔ ابن ابی الدنیا، عبداللہ بن محمد (ت ۲۸۱ھ) دلائل النبوۃ (۱۱)
۸۔ ابراہیم بن اسحاق الحربی (ت ۲۸۵ھ) دلائل النبوۃ (۱۲)
۹۔ ابوبکر جعفر بن محمد الفریابی (ت ۳۰۱ھ) دلائل النبوۃ (۱۳)
۱۰۔ ثابت بن حزم السرقسطی (ت ۳۱۳ھ) دلائل النبوۃ (۱۴)
۱۱۔ ابراہیم بن حماد بن اسحاق (ت ۳۲۰ھ) دلائل النبوۃ (۱۵)
۱۲۔ محمد بن احمد بن ابراہیم بن اسمال (ت ۳۴۹ھ) دلائل النبوۃ (۱۶)
۱۳۔ ابوالحسن القطان (ت ۳۵۹) الاحکام لسیاق آیات النبی ﷺ (۱۷)
۱۴۔ عبداللہ بن محمد الاصبہانی المعروف ابوالشیخ (ت ۳۶۹ھ) دلائل النبوۃ (۱۸)
۱۵۔ ابوعبداللہ محمد بن اسحاق المعروف ابن مندہ (ت ۳۹۵ھ) دلائل النبوۃ (۱۹)

۱۶۔ ابوالمطرف عبدالرحمٰن بن محمد بن فطیس القرطبی (ت ۴۰۲ھ) اعلام النبوۃ فی دلالات الرسالۃ (۲۰)

۱۷۔ ابوسعید الخرکوشی (ت ۴۰۷ھ) شرف المصطفیٰ (۲۱)

۱۸۔ قاضی عبدالجبار بن احمد المعتزلی (ت ۴۱۵ھ) تشبیت دلائل النبوۃ (۲۲)

۱۹۔ ابوالحسین احمد بن الحسین الزیدی (ت ۴۲۱ھ) اثبات نبوۃ النبی (۲۳)

۲۰۔ ابونعیم احمد بن عبداللہ لاصبحانی (ت ۴۳۰ھ) دلائل النبوۃ (۲۴)

۲۱۔ ابوالعباس جعفر بن محمد المستغفری (ت ۴۳۲ھ) دلائل النبوۃ (۲۵)

۲۲۔ ابوذر عبد بن احمد الہروی (ت ۴۳۴ھ) دلائل النبوۃ (۲۶)

۲۳۔ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی (ت ۴۵۰ھ) اعلام النبوۃ (۲۷)

۲۴۔ ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی (ت ۴۵۸ھ) دلائل النبوۃ (۲۸)

۲۵۔ ملقن (ت ۸۰۴ھ) نے غایۃ السول فی خصائص الرسول کے نام سے لکھا۔ (۲۹)

۲۶۔ کسی گمنام عالم نے بھی بیہقی کی کتاب کا اختصار بعنوان بغیۃ السائل بما حواہ کتاب الدلائل لکھا۔ (۳۰)

۲۷۔ اسماعیل بن محمد التیمی الاصبہانی (ت ۵۳۵ھ) دلائل النبوۃ (۳۱)

۲۹۔ حافظ ابن عساکر (ت ۵۷۱ھ) الاربعون حدیثا الدالۃ علی نبوۃ علیہ السلام (۳۲)

۳۰۔ عبداللہ بن عبدالواحد المعروف ضیاء المقدسی (ت ۶۴۳ھ) دلائل النبوۃ (۳۳)

۳۱۔ محمد بن حسن المعروف بالنقاش (ت ۸۵۱ھ) دلائل النبوۃ (۳۴)

کتابوں کی اس طویل فہرست میں چند اہم کتب ہیں جن کا تعارف کرانے کی روایت ہم نے ہر اصول میں جاری رکھی ہے۔

(الف) دلائل النبوۃ امام حافظ ابُونعیم احمد بن عبداللہ: محدث ابونعیمؒ سے ان کے بعض طلباء نے تقاضا کیا کہ آپ ہمیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات وکمالات مختلف اوقات میں سناتے رہتے ہیں۔ اگر آپ انہیں ایک کتابی شکل میں یکجا تحریر فرمادیں۔

تو یہ ایک عظیم دینی خدمت ہوگی، کتاب کے مقدمہ میں آپ خود فرماتے ہیں۔

اَمَّا بَعْدُ : فَقَدْ سَئَلْتُمْ عَمَّرَ اللّٰہُ بِالْبَصَآئِرِ الْجَمِیْلَۃِ طَوِیَّا تِکُمْ وَتَوَرَّفِی الْمَسِیْرِ الخ

امابعد: تم نے مجھ سے تقاضہ کیا، اللہ تمہاری طبائع کو دینی بصائر سے آباد کرے اور تمہارے قلوب و نیات کو اپنی رضا جوئی کے نور سے منور فرمائے، کہ میں شان نبوت دلائل و معجزات اور سید عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلائص کی بکھری ہوئی روایات و احادیث کو روشن تر ترتیب اور مفید تر اسلوب میں یکجا جمع کردوں، جس سے سعید روحیں فائدہ اٹھائیں اور منکرین رسوا ہوں۔ تو میں اللہ تعالیٰ سے اعانت اور توفیق تکمیل چاہتے ہوئے قلم اٹھا رہا ہوں، اسی کی سب طاقتیں ہیں اور وہی سب پر غالب ہے۔

امام ابو نعیم سیوطی یا ہندی کی طرح احادیث کے ناقل یا جامع نہیں کہ مختلف احادیث سے معجزات کے بیان پر مشتمل احادیث چن کر آپ نے کتاب بنالی ہو۔ بلکہ آپ ایک عظیم محدث ہیں آپ ایک حدیث کو پیش کرنے سے پہلے اس کی صحابی یا تابعی تک اپنی سند پہنچاتے ہیں کہ میں نے فلاں سے سنا اس نے فلاں سے سنا اور...... اور...... اور اس نے فلاں صحابی سے سنا کہ ہم نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے یا کر رہے تھے۔

آپ کا سلسلہ سند روایت چلتا چلتا راہ میں اکثر مقامات پر دیگر محدثین کے ساتھ مل جاتا ہے، بیش تر اسانید میں آپ امام بخاری کے اساتذہ سے جا ملتے ہیں۔ اس عاجز نے حاشیہ میں جابجا ضروری مقامات پر احادیث کی تخریج بھی کی ہے۔ جسے پڑھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دلائل النبوۃ میں صحیح بخاری کی احادیث کا ایک معتد بہ ذخیرہ موجود ہے۔

تاہم دلائل النبوۃ کی احادیث کا تقریباً ۱/۴ حصہ وہ بھی ہے جو صرف اسی کتاب میں پایا جا سکتا ہے۔ وہ احادیث کسی دوسرے محدث نے روایت نہیں کی ہیں۔ اس سے اس کتاب کی افادیت اور مصادر علم سیرت میں اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

فن سیرت نگاری کا یہ المیہ رہا ہے کہ سیرت نگاروں نے اگرچہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے احوال و معجزات کو بہتر اور دل نشین انداز میں پیش کیا اور ان کی نیات سراپا خلوص تھیں۔ تاہم انہوں نے صرف احادیث کی عبارت ہی اور وہ بھی اپنے الفاظ میں لکھنے پر اکتفا کیا یا انہوں نے یہ کوشش نہ کی کہ احادیث کی اسناد بھی پیش کریں، جو کہ محدثین کا طریقہ کار تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیرت نبوی ﷺ ایسے واقعات کا مجموعہ بن گئی جس کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا کہ یہ واقعات ہم تک کیسے پہنچے ہیں، کس نے روایت کئے ہیں۔ آیا وہ معتبر راوی تھے یا ناقابل اعتبار۔ اور یوں ضعیف غیر معتبر بلکہ موضوع واقعات بھی آئے جو سیرت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف و شفاف پانی کو داغدار کرنے لگے۔

محدث ابونعیم اور ان کے ہم طرز چند دیگر محدثین کا امت پر یہ احسان ہے کہ انہوں نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ معجزات و دلائل نبوت پر ناقلانہ نہیں محدثانہ قلم اٹھایا ہے اور احادیث کو مع اسناد پیش کیا ہے تاکہ جہاں امت کو معجزات رسول ﷺ یکجا لکھے ہوئے مل جائیں وہاں یہ بھی معلوم ہو سکے کہ ان کا راوی کون ہے آیا وہ قابل اعتبار ہے یا نہیں۔

دلائل النبوۃ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ محدث ابونعیم کسی موضوع پر مثلاً جانوروں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم بجالانا اور آپ کا جانوروں کی گفتگو کو سمجھ لینا وغیرہ، پر اولاً متعدد احادیث پیش کرتے ہیں، ثانیاً ثابت کرتے ہیں کہ ان احادیث سے آپ ﷺ کی شان اعجاز کیسے ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ امر کیوں کر معجزہ ہے اس طرز تحریر کا نمایاں فائدہ یہ ہے کہ قاری کے ذہن پر احادیث کا اپنے موضوع پر انطباق واضح ہو جاتا ہے کہ ہاں واقعی ان احادیث سے ایسا امر ثابت ہو رہا ہے جو بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے۔ یہ طرز تحریر دیگر محدثین کے ہاں نادر الوقوع ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاں کہیں مضمون حدیث کا قرآن کریم سے بظاہر تعارض نظر آ رہا ہو یا کوئی دوسرا شبہ وارد ہو رہا ہو تو وہاں آپ علمی رنگ میں اس کا ازالہ بھی کرتے ہیں تاکہ قاری کا ذہن شبہات سے پاک رہے۔ تاہم بعض مقامات ایسے تھے جہاں شبہات وارد ہوتے تھے مگر بوجوہ انہیں زیر بحث نہ لایا گیا تھا وہاں اس عاجز مترجم نے حاشیہ میں ان کا ازالہ کر دیا ہے۔

کتاب میں مضامین کی ترتیب کے لئے دو اسلوب اختیار کئے گئے ہیں۔

مضامین کے اعتبار سے، مثلاً آپ ایک عنوان قائم کرتے ہیں۔ ”وہ

واقعات جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑے سے کھانے سے ایک بڑی جماعت کو سیر شکم کروادیا۔" یا "تھوڑے سے پانی سے ایک لشکر کو سیراب کردیا۔" اسی طرح آپ عنوان قائم کرتے جاتے ہیں اور اس عنوان کے متعلقہ احادیث وارد کرتے جاتے ہیں۔ ایسے کثیر التعداد عنوان سے کتاب بھری پڑی ہے۔ اس اسلوب کا یہ فائدہ ہے کہ قاری کو وہ تمام معجزات یکجا اکٹھے مل جاتے ہیں، جو ایک موضوع سے متعلق ہوں، یہ اسلوب خصوصاً مبلغین اور علماء کے لئے پر کشش ہے۔

۲۔ مواقع وموارد کے اعتبار سے۔ مثلاً آپ عنوان قائم کرتے ہیں۔ "وہ معجزات جو سفر ہجرت میں ظاہر ہوئے۔" یا "وہ معجزات جو واقعہ بدر میں ظہور پذیر ہوئے۔" ایسے عنوانات کی بھی ایک طویل فہرست ہے۔ اس اسلوب کا اہم فائدہ یہ ہے کہ جب کسی معجزہ کو ان واقعات واحوال کے تناظر میں دیکھا جائے جن میں وہ وقوع پذیر ہوا تھا تو اس کے مضمرات قاری پر کھل کر سامنے آجاتے ہیں اور اس کی اہمیت قاری کے ذہن میں کہیں بڑھ جاتی ہے۔

اور حیران کن امر یہ ہے کہ مذکورہ دونوں اسالیب کو ایک ساتھ نبھانے کے باوجود کتاب میں احادیث اور واقعات کا تکرار پیدا نہیں ہوا ہر واقعہ اپنی جگہ منفرد ہے اس سے آپ کے وسعت مطالعہ اور تبحر علمی کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔

پیش نظر دلائل النبوۃ اصل کتاب کا خلاصہ ہے: کتاب کا سرورق دیکھ کر تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ مکمل دلائل النبوۃ نامی کتاب ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آج وہ مکمل دلائل النبوۃ جو محدث ابونعیمؒ نے تین حصوں میں لکھی تھی کہیں موجود نہیں، موجودہ نسخہ اصل کتاب کا منتخب خلاصہ ہے جس میں اصل کتاب کے ہر باب کی چیدہ احادیث لے کر باقی کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اس لئے اسے دلائل النبوۃ نہیں "منتخب دلائل النبوۃ" کہنا چاہئے یہ اصل کے مقابلہ میں ۱/۳ ہے۔ البتہ حلب سے ۱۹۷۰ء میں شائع ہونے والے نسخہ کے دیباچہ میں بتلایا گیا ہے کہ قاہرہ (مصر) کے دارالکتب المصریہ میں اصل دلائل النبوۃ کا پہلا حصہ موجود ہے جو فصل نمبر ۱۳ تک ہے۔ اس قلمی نسخے کا سن کتابت ۷۳۱ھ جبکہ دوسرے دونوں حصے وہاں بھی موجود نہیں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بیشتر علماء مثلاً امام سیوطی خصائص کبریٰ میں اور علامہ قسطلانی فتح الباری میں دلائل النبوۃ لابی نعیم کے حوالے سے متعدد احادث پیش کرتے ہیں مگر وہ موجودہ دلائل النبوۃ میں غیر موجود ہیں۔

یہ خلاصہ کس نے تیار کیا؟ اس بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں بعض کا خیال ہے کہ خود ابونعیمؒ نے پہلے مفصل دلائل النبوۃ لکھی تھی اور ایک ایک حدیث کو متعدد طرق سے لکھا مگر بعدازاں سہولت کے لئے اسے مختصر کر دیا اور حدیث کے متعدد طرق میں سے زیادہ واضح اور صحیح تر طریق کو لے کر باقی کو حذف کر دیا۔ جیسا کہ دیگر کئی مصنفین نے بھی اپنی کتابوں کو مختصر کیا ہے جیسے علامہ تفتازانی نے علم بیان و معانی پر اپنی کتاب المطول کو مختصر کر کے مختصر المعانی کے نام سے لکھا اور علامہ ابن حزم نے الایصال کو المحلی نام سے مختصر کر دیا مگر وجدان سلیم کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ جن مصنفین نے اپنی کتب کا خلاصہ خود لکھا تھا ان کی اصل کتاب اور خلاصہ دونوں معروف ہوئے ہیں۔ مگر یہاں اصل دلائل النبوۃ کا وجود ہی مفقود ہوگیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کسی اور شخص نے کتاب کو آسان کرنے کی غرض سے اس میں منتخب احادیث کو لے کر باقی کو اڑا دیا ہے تا کہ تکرار طرق سے قاری کبیدہ خاطر نہ ہو اور کتاب کی افادیت بڑھ جائے۔ اگر چہ اس شخص کا نام معلوم نہیں ہوسکا تاہم یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ خلاصہ ۶۰۳ھ سے پہلے یعنی محدث ابونعیم کی وفات سے ۱۷۳ سال بعد یا اس سے کم و بیش عرصہ میں وجود پذیر ہوگیا تھا۔ کیونکہ پٹنہ (ہندوستان) میں خان بہادر خدابخش کی لائبریری میں جو قلمی نسخہ موجود ہے جس کا لائبریری نمبر ۲۲۴۶ ہے اس پر سن کتاب ۶۰۳ھ لکھا ہوا ہے۔ اس میں اور آج کی موجودہ دلائل النبوۃ کتاب میں کچھ فرق نہیں۔ (۳۵)

اس موضوع پر دوسری اہم کتاب

(ب)...... الخصائص الکبریٰ فی المعجزات خیر الوری جلال الدین سیوطی کی ہے:

اس جامع ترین کتاب ''الخصائص الکبریٰ'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہزار سے زائد معجزات جمع کئے گئے ہیں۔ امام سیوطی نے ہر معجزے کی صراحت کے لئے احادیث نبوی کے عظیم الشان ذخیرے کو کھنگالا ہے اور آپ کو جتنی بھی احادیث اس سلسلے میں

دستیاب ہوئی ہیں، ان سب کو بلا تبصرہ راویوں کے حوالے کے ساتھ پیش کیا ہے۔ تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل اس کتاب کی تالیف میں امام سیوطی نے اپنی عمر عزیز کے بیس سال صرف کئے۔ یہ درست ہے کہ ''الخصائص الکبریٰ'' میں ضعیف احادیث بھی شامل ہو گئی ہے اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ یہاں واقعات کی ترتیب میں تسلسل نہیں ہے، لیکن اس امر میں بھی کوئی شک نہیں کہ خصائص نبوت پر اس سے بہتر کوئی کتاب موجود نہیں۔ اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنف نے صدہا کتب کی ورق گردانی کے بعد اس نعتیہ کلام کا انتخاب کیا ہے جس کا بیشتر حصہ شعرائے قبل اسلام کا ہے، جن میں ہاشمی اور غیر ہاشمی سبھی شامل ہیں۔ (۳۶)

(ج)...... جلال الدین سیوطی کا اسی موضوع پر ایک رسالہ ''الخصائص الصغریٰ'' بھی مجلہ ''تحقیق'' لاہور میں ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کے ۱۲ صفحات کے فاضلانہ مقدمے کے ساتھ چھپ گیا ہے۔ ''الخصائص الصغریٰ'' کا متن ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے اور یہ دو ابواب میں منقسم ہے۔ ہر باب کی چار چار فصلیں ہیں، اس رسالہ میں بھی معجزات اور خصائص نبویہ، احادیث نبوی ﷺ کے حوالہ سے درج ہیں۔ (۳۷)

(د)...... دلائل النبوۃ للفریابی (ت ۳۰۱ھ)

اس کے متعلق اس کے محقق عامر حسن صبری مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ اس کے مولف نے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسی معجزات لکھے ہیں۔ اور ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور اللہ عزوجل کے ہاں آپ کی منزلت بیان کی ہے۔ مولف نے اپنی کتاب میں محدثین کے طریقہ کے مطابق روایات کو سندوں سے بیان کیا ہے۔ (۳۸)

سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ سے متعلق ایک روایت کو الگ الگ چار سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑے سے کھانے پر دعا کی تو بہت زیادہ ہو گیا۔ (۳۹) پھر غزوہ خندق میں ''حضرت جابرؓ کے گھر تھوڑا سا کھانا ایک ہزار آدمی نے کھایا'' کا ذکر ہے۔ (۴۰) اسی طرح دیگر معجزات کا ذکر ہے۔ (۴۱)

(و)...... دلائل النبوۃ بیہقی (ت ۴۵۸ھ)

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل نبوۃ کی پوری تفصیل ہے۔ اس کی

پہلی جلد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی مکمل تفصیل ہے۔ چند عنوانات درج ذیل ہیں۔ ولادت نبوی ﷺ، رضاعت، اسماء الرسول، صفات النبی ﷺ اس میں ۱۵۔۲۰ باب ہیں۔(۴۲) پوری کتاب میں آنحضرت ﷺ کے معجزات کا ابتداء سے انتہا تک ذکر ہے۔ اور ساتھ ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے کئی پہلوؤں کا ذکر بھی مذکور ہے۔ چند عنوانات یہ ہیں۔ ولادت کے بعد بعض علامات، شق صدر، بناء کعبہ۔ نبوت کے وقت عمر مبارک، ابتداء وحی، اسلام حضرت ابوذر، حضرت حمزہؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ضمادؓ، ہجرت حبشہ، شعب ابی طالب، وفات ابی طالب و حضرت خدیجہؓ، اسراء و معراج، فرضیت نماز، تزویج حضرت عائشہؓ و حضرت سودہؓ بنت زمعہ، عقبہ اولیٰ، عقبہ ثانیہ، ہجرت مدینہ، مسجد مدینہ کی تاسیس، تحویل کعبہ، فرضیت جہاد۔(۴۳)

مندرجہ بالا عنوانات سے ظاہر ہے کہ کس طرح اس کتاب میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح باقی سات جلدوں میں تفصیل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دلائل النبوۃ کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا تفصیل سے بیان ہے۔ اسی لئے یہ کتب بھی بطور ماخذ شمار ہوتی ہیں۔ لیکن ان کتابوں کے ساتھ آپ ﷺ کی سیرت کی مزید تفصیل کے لئے ہمیں کتب شمائل کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔

آخر میں عرض کروں گا، کتب دلائل نبوۃ دراصل اثبات نبوت اور دفاع منصب نبوت و ایقان نبوۃ کو پیش نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہیں، جس کے ذریعہ سیرت النبی نئے زاویہ سے چیلنج کے انداز میں سامنے آتی ہے۔ لیکن اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب میں صحت روایت کا التزام کم رکھا گیا ہے۔ لہٰذا سیرت نگار کو اس پر خصوصی توجہ مرکوز رکھنی چاہئے۔

ساتویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورۂ آل عمران/۴۹
۲۔ ایضاً
۳۔ حمادہ، ڈاکٹر فاروق، مصادر السیرة النبویة وتقویمها دار الثقافة المغرب ۱۹۸۰ء ص/۴۴
۴۔ ظفر، ڈاکٹر عبدالرؤف سیرت نبوی ﷺ کے مصادر و مراجع اسلامیہ یونیورسٹی بھاولپور ۱۹۹۴ء ص/۲۲۔۲۳
۵۔ ابن ندیم، کتاب الفہرست، نور محمد کتب خانہ تجارت اردو بازار کراچی ص/113
۶۔ ایضاً ص/۱۲۹
۷۔ معجم ما الف فی سیرة الرسول، ص/۶۳
۸۔ الفہرست ص/۲۷۱-۲۷۲
۹۔ کشف الظنون ج/۱، ص/۷۶۰ الرسالة المستطرفة، ص/۱۰۵
۱۰۔ الفہرست ص/۶
۱۱۔ معجم ما الف فی سیرة الرسول، ص/۶۴، مقدمہ دلائل النبوة بیہقی، ج/۱ ص/۹۰ (تحقیق احمد صقر)
۱۲۔ کشف الظنون ج/۱ ص/۷۶۰
۱۳۔ مطبوع من دار حراء، مکہ مکرمہ، ۱۹۸۰ء، الطبعة الاولی، تحقیق عامر حسن جری
۱۴۔ کشف الظنون ج/۲ ص/۱۳۱۸
۱۵۔ الفہرست ص/۲۵۲
۱۶۔ دلائل النبوة بیہقی، ج/۱ ص/۹ (تحقیق احمد صقر)
۱۷۔ دلائل النبوة (احمد صقر) ص/۹
۱۸۔ معجم ما الف فی سیرة الرسول ص/۶۴

۱۹۔ ایضاً
۲۰۔ ایضاً ص ۶۳، الرسالۃ المستطرفہ ص/ ۱۰۵
۲۱۔ دلائل النبوۃ (احمد صقر) ص/ ۹
۲۲۔ معجم ما الف فی سیرۃ الرسول ص/ ۶۳
۲۳۔ دلائل النبوۃ (احمد صقر) ص/ ۹
۲۴۔ مطبوع، دارالمعرفہ، بیروت
۲۵۔ دلائل النبوۃ (احمد صقر) ص/ ۹
۲۶۔ ایضاً
۲۷۔ ایضاً
۲۸۔ اس کتاب کے بے شمار نسخے مختلف لائبریریوں میں ہیں۔ ۹ جلدیں ڈاکٹر قلعجی کی تحقیق سے بھی مطبوعہ ہیں۔
۲۹۔ دلائل النبوۃ (احمد صقر) ص/ ۱۰، کشف الظنون ج/ ۱ص/ ۷۶۰
۳۰۔ دلائل النبوۃ (احمد صقر)
۳۱۔ معجم ما الف فی سیرۃ الرسول ص/ ۶۵
۳۲۔ ایضاً ص ۶۲
۳۳۔ مقدمہ العارفین (۲) ج/ ۶ ص/ ۱۲۳
۳۴۔ کشف الظنون ج/ ۱ص/ ۷۶۰
۳۵۔ ابونعیم، حافظ ابُونعیم احمد بن عبداللہ دلائل النبوۃ مترجم محمد طیب ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۶ء ص/ ۲۸۔۳۱
۳۶۔ سیوطی، جلال الدین الخصائص الکبریٰ مترجم غلام معین الدین نعیمی ج/ ۱ مقدمہ
۳۷۔ سیوطی، جلال الدین، الخصائص الصغریٰ مجلّہ تحقیق پنجاب یونیورسٹی لاہور ج/ ۲، ش/ ۳ ص/ ۶۳
۳۸۔ فریابی، مقدمہ دلائل النبوۃ ص/ ۵
۳۹۔ ایضاً ج/ ۲۹ ص/ ۳۵

۴۰۔ ایضاً ج/۴۹ص/۵۱
۴۱۔ ایضاً ج/۵۲ص/۸۸
۴۲۔ بیہقی، دلائل النبوۃ ج/۱ص/۱۱۵۔۳۸۴
۴۳۔ دلائل النبوۃ، بیہقی، ج/۲ص/۳۔۵۷۶

تمت بالخیر

آٹھواں اصول: علم قصص الانبیاء والمرسلین

مولانا ابوالحسن علی زندویؒ فرماتے ہیں۔ قرآن مجید نے انسانی دل و دماغ میں توحید و رسالت کے مضامین کو اتارنے کے لئے جو وسائل و ذرائع اختیار کئے ہیں ان میں قصص و حکایات کو مرکزی اہمیت حاصل ہے، دینی حلقوں میں قصے کہانیوں سے متعلق جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، اور جس طرح تحقیر کی نگاہ سے اس فن کو دیکھا جاتا ہے اس میں واعظوں اور مصلحوں کے طرز عمل کا بڑا دخل ہے کہ وہ اس کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم نہیں کرتے، مولانا نے فرمایا: قصہ کہانیوں کے متعلق صدیوں سے ایک حقارت آمیز اور ایک احساس کمتری کا خیال چلا آ رہا ہے۔ ہمارے واعظوں نے قصوں اور حکایات کی کچھ ایسی تحقیر کی ہے یا کم از کم انہوں نے اس کی آفادیت اور معنویت کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ بلکہ وہ اس کو ایک تفریحی جز سمجھے، کسی ثقہ و سنجیدہ مجلس میں جہاں لوگ اپنی اصلاح کے لئے بیٹھے ہوں، اگر کوئی قصہ کہنے لگے تو لوگ اس کو ایک بے محل بات سمجھیں گے کہ یہاں تو خدا و رسول کی باتیں ہونی چاہئیں، موعظت اور اعتقادات و ایمانیات کی باتیں ہونی چاہئیں۔ یہ قصہ کہانی کہاں سے شروع کر دیا۔ لیکن قرآن کریم نے قصہ کو بہت اہمیت دی ہے۔ آپ دیکھیں کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیمؑ کے تذکرے واقعات اور قصے کتنے مقامات پر قرآن کریم نے ذکر کئے ہیں، ایک پوری سورۃ حضرت یوسف علیہ السلام سے متعلق ہے۔ یہ پوری سورۃ ان کے قصہ پر مبنی ہے، لیکن وہ اعلیٰ درجہ کی دانشمندانہ باتوں اور مواعظ پر مشتمل ہے، ایسے واقعات پر مبنی ہے کہ ان کے بغیر بہت سے حقائق سمجھ میں نہیں آ سکتے، خود قرآن کریم کہتا ہے:

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ (۱)

ان قصوں میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں، یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں، بلکہ پچھلے واقعات کی تصدیق ہیں۔

اس سے بڑھ کر قصہ کی منقبت یا قصہ کی توثیق کی ہی نہیں جاسکتی کہ کہ خود اللہ تعالیٰ اس قصہ کو احسن القصص فرمارہا ہے۔(۲)

سورۃ الممتحنہ میں دو مقامات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت ابراہیمؑ کی سیرت کو بھی امت مسلمہ کے لئے اُسوہ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔(۳) ان قصص کی افادیت بیان کرتے ہوئے، خود قرآن کریم نے کہا ان سچے واقعات سے استفادہ کرو تا کہ زندگی کی عملی مشکلات میں یہ اُسوہ ثابت قدمی کا ذریعہ بنے۔(۴) قرآن کریم نے اسی وجہ سے انبیاء و مرسلین کے قصوں کو احسن القصص (۵) کہا ہے اور ہر نبی کے فرائض میں شامل تھا کہ وہ پچھلوں کے قصے لوگوں کو سنائے۔(۶) فرماں برداروں کو جنت اور اچھے انجام کی بروں کو جہنم اور برے انجام کی نشاندہی کرے **لعلھم یتفکرون** (۷) تاکہ وہ غور وفکر کریں۔

سیرت کا قصص الانبیاء سے تعلق: قرآن کی واضح تعلیم ہے کہ انبیاء وامم سابقین سے استفادہ کرو عبرت و نصیحت کے نقطہ نظر سے ہمارے پیغمبر پر جو حالات گزرے وہ پچھلوں پر بھی گزرے تھے۔ آپ ﷺ نے متعدد مواقع پر کئی عمل میں اپنے کو پچھلے انبیاء کا مشابہ قرار دیا ہے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو سمجھنے کے لئے ہمیں ان قصص سے استفادہ کرنا چاہئے۔ قصص کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ قصص القرآن

۲۔ قصص الحدیث

قرآن کریم نے جن قصوں کو بیان کیا ہے وہ بھی سیرت نگاری کی اصل ہیں اور حدیث میں جن قصوں کو بیان کیا گیا ہے وہ بھی سیرت نگاری کی اُصل وماٗ خذ ہیں۔

قصص الانبیاء پر تصانیف: قصص القرآن پر بہت سی کتابیں عربی اردو میں لکھی گئی ہیں، ان میں سے کچھ کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ آثار القرآن، شبیر احمد خاور، مکتبہ رشیدیہ، لاہور ۱۹۶۸ء، ۱۳۵/ص

۲۔ آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا، اخلاق حسین، اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۲ء

۳۔ آدم، عبدالصمد صارم، ایم ثناءاللہ خاں، لاہور (بدون تاریخ) ۳۲/ص

۴۔ آدم، عبدالحق، المکتبۃ العلمیہ، لاہور ۱۹۶۵ء، ۴۲/ص

۵۔ ابراہیم خلیل اللہ، ابوالکلام آزاد، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، (بدون تاریخ) ۳۶۰/ص
۶۔ ابراہیم خلیل اللہ، کلیم نشتر، مکتبہ عالیہ، لاہور (بدون تاریخ) ۱۱۰/ص
۷۔ ابن مریم، رحیم بخش، فرید کوٹ روڈ لاہور ۱۹۳۸ء، ۱۶۸/ص
۸۔ ابن مریم اور پرویز، عبدالرحمٰن طاہر سورتی، مکتبہ علمیہ، لاہور (بدون تاریخ) ۸۰/ص
۹۔ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام، عباس محمود العقاد، (مترجم: راغب رحمانی) نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۱ء، ۳۱۶/ص
۱۰۔ احسن القصص، محمد نورالدین، عباسی کتب خانہ، کراچی ۱۹۲۲ء ۴۰/ص
۱۱۔ احوال الانبیاء، راجہ رام بکڈ پولکھنو ۱۹۰۴ء دوجلدیں
۱۲۔ احوال الانبیاء، عبدالسلام عرشی، مطبع رحمانی، حیدرآباد دکن، (بدون تاریخ) ۵۲/ص
۱۳۔ احوال الانبیاء، فی تفسیر الاذکیا، ابوالحسن، نول کشور، لکھنو، ۱۹۲۴ء، دوجلدیں
۱۴۔ اسماعیل، عبدالصمد صارم، ایم ثناءاللہ خاں اینڈ سنز لاہور (بدون تاریخ) ۳۲/ص
۱۵۔ اصحاب کہف، محی الدین احمد ابوالکلام آزاد، ادبستان، لاہور، ۱۹۴۹ء ۱۴۱/ص
۱۶۔ اصحاب کہف، محمد اسحاق، دارالاشاعت، کراچی (بدون تاریخ) ۶۳/ص
۱۷۔ اعلام القرآن یا قرآنی شخصیتیں، عبدالماجد دریابادی، نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۲ء ۲۰۸/ص
۱۸۔ انبیائے قرآن، آغا اشرف، مکتبۃ القریش، اردو بازار، لاہور ۱۹۸۸ء ۸۹/ص
۱۹۔ انبیائے قرآن، محمد جمیل احمد، غلام علی، لاہور ۱۹۵۴ء (چار جلدیں)
۲۰۔ انبیائے کرام، مقبول انور داؤدی، فیروز سنز، لاہور ۱۹۷۵ء ۱۳۱/ص
۲۱۔ انبیائے کرام، ابوالکلام آزاد (مرتبہ غلام رسول مہر) شیخ غلام علی، لاہور ۱۹۷۱ء
۲۲۔ انوارالانبیاء، تالیف ادارہ تصنیف وتالیف، غلام علی اینڈ، لاہور ۱۹۵۹ء
۲۳۔ ایوب، عبدالصمد صارم، ایم ثناءاللہ خان، لاہور (بدون تاریخ) ۳۲/ص
۲۴۔ باغ والے، محمد عبدالحئی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور ۱۹۷۴ء ۳۲/ص
۲۵۔ بصائر الانبیاء (قصص الانبیاء) محمد مہدی بھوپالی، انسٹیٹیوٹ پریس، علی گڑھ ۱۲۰/ص

۲۶۔ بہارِ خلیل نجم الدین ۱۲۲۷ھ، ۱۸۲/ص
۲۷۔ بینات (سیرت انبیاء کرام) عرفان رضوی، رہبر پبلشرز کراچی، ۱۹۹۲ء، دو جلدیں
۲۸۔ تاریخ ابوالبشر، انوار الحق، دارالاقبال، لاہور، ۱۹۱۰ء، ۲۰۲/ص
۲۹۔ تاریخ الانبیاء، انتظام اللہ شہابی، محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل، کراچی ۱۳۷۵ھ
۳۰۔ تاریخ مسیح، خواجہ حسن نظامی، کارکن بکڈپو، حلقہ نظام المشائخ، دہلی ۱۹۲۷ء
۳۱۔ تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء، شاہ ولی اللہ دہلوی، اکادمی شاہ ولی اللہ حیدر آباد ۱۹۶۶ء، ۱۲۳/ص
۳۲۔ تذکرہ انبیاء و تذکار اصحاب محمد، محمد ادریس، بار اول، اسلامی اکادمی، لاہور ۱۹۹۱ء
۳۳۔ تذکرہ انبیاء، ناصر علی خاں، مفید عام، اگرہ ۱۹۲۰ء، ۲۴۰/ص
۳۴۔ تذکرۂ انبیاء، قاری شریف احمد، بار اول، مکتبہ رشیدیہ کراچی ۱۹۸۶ء ج ۲/
۳۵۔ تذکرۂ انبیاء، شاہ محمد علی، حجاز پریس لاہور، ۱۹۴۲ء، ۲۰۰/ص
۳۶۔ تذکرۂ انبیاء، نذیر احمد سیماب، لاہور، (بدون تاریخ)
۳۷۔ تذکرۃ النبیین، عبدالعزیز پتراروی، پرنٹنگ محل ناظم آباد، کراچی ۱۹۸۷ء، ۲۸۷/ص
۳۸۔ تذکرۂ یونس، عبداللطیف، رحمانیہ پریس، مونگیر، ۱۳۳۴ھ، ۴۴/ص
۳۹۔ الترتیب الانیف فی قصہ الکلیم والرقیم، اشرف العلوم، دیوبند ۱۳۶۷ھ
۴۰۔ تفرایح الاذکیا، فی احوال الانبیاء ابوالحسن فرید آبادی، نول کشور، لکھنو، ۱۹۳۱ء
۴۱۔ تفریح الاذکیا فی احوال الانبیاء، ابوالحسن کاکوروی، نفیس اکیڈمی، کراچی (بدون تاریخ)
۴۲۔ تواریخ الانبیاء، سرفراز خان، مطبع رضوی، دہلی ۱۲۸۱ھ
۴۳۔ تواریخ قصہ خلاصۃ الانبیاء، غلام نبی، محمد چھاپا خانہ، بمبئی، ۱۲۶۳ھ، ۲۲۸/ص
۴۴۔ پیغمبروں کی کہانیاں، خواجہ حسن نظامی، نظام المشائخ، دہلی
۴۵۔ چار پیامبر، سلطان احمد خاں، چودھری برادرز، لاہور (بدون تاریخ)
۴۶۔ حالات انبیاء، وحید الدین، نظامی پریس، بدایوں، ۱۹۳۰ء، ۷۲/ص
۴۷۔ حضرت ابراہیم و حضرت ہاجرہ، عباس محمود العقاد، اقبال بک ڈپو، کراچی
۴۸۔ حضرت ابراہیم و حضرت ہاجرہ، عنایت اللہ رسول، چریاکوٹی، مرکنٹائل بک ڈپو

۱۹۲۵ء، ۱۶۵/ص

۴۹۔ حضرت داؤدؑ، عبدالصمد صارم، ایم ثناء اللہ خاں، لاہور (بدون تاریخ) ۳۲/ص
۵۰۔ حضرت سلیمانؑ، چراغ علی اعظم یار جنگ، نولکشور پریس، لکھنؤ ۱۹۲۰ء، ۳۲/ص
۵۱۔ حضرت عیسیٰ، محمد عبدالحئی سلیم، مدینہ بک ایجنسی، بجنور
۵۲۔ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ (مرتبہ ادارہ تصنیف وتالیف) کتاب منزل، لاہور،
۵۳۔ حضرت مسیحؑ، تاجور نجیب آبادی، (بدون تاریخ) ۱۴/ص
۵۴۔ حضرت موسیٰ، محمد عبدالحئی سلیم، مکتبہ الحسنات، رامپور ۱۹۰۹ء، ۱۶۸/ص
۵۵۔ حضرت یوسف، ابوالکلام آزاد، ادبستان، لاہور، ۱۹۵۳ء، ۱۴۲/ص
۵۶۔ حضرت یوسف، سید جلیل قریشی، خلا پریس، پانی پت، تجارتی پریس کانپور ۳۶/ص
۵۷۔ حضرت یوسف، ابوالکلام آزاد، عباسی کتب خانہ، کراچی ۱۹۵۳ء، ۱۴۳/ص
۵۸۔ حضرت یوسف قرآن کریم کے آئینہ میں، سید احمد عروج قادری، مرکزی مکتبہ اسلامی
۵۹۔ حکایات القرآن، سید محمد صفی، جامعہ تعلیمات اسلامی، کراچی (بدون تاریخ) ۵۲۸/ص
۶۰۔ حکایات لقمان، شریف حسین، پنجاب بکڈپو، لاہور ۸۰/ص
۶۱۔ حیاۃ الانبیاء، والاولیاء، محمد صالح سیالکوٹی، کریمی پریس، لاہور ۱۳۴۳ھ، ۶۴/ص
۶۲۔ حیاۃ الانبیاء، حفیظ اللہ (مجلہ طیلسانحین) حیدر آباد دکن، اکتوبر ۱۹۴۳ء، ۵۷/ص
۶۳۔ حیاۃ خضرؑ، اصغر حسن، طبع چہارم، دار اللہ رئیس الاشاعت، سہارنپور ۱۳۵۵ھ، ۴۴/ص
۶۴۔ خلاصۃ الانبیاء (ترجمہ قصص الانبیاء) مترجم: غلام نبی، بمبئی ۱۲۶۳ھ، ۵۴۰/ص
۶۵۔ داستان یوسف، محمد اسحاق شاہ، صدیقیہ بکڈپو، بہاولپور، ۳۶۴/ص
۶۶۔ دس پیغمبر، سید بشیر احمد سعدی، بار اوّل، مکتبہ جدید، لاہور، ۱۹۶۳ء، ۲۶۲/ص
۶۷۔ ذوالقرنین کا اصولی تصور، غلام اعظم، استقلال پریس، لاہور ۱۹۶۲ء، ۲۲۸/ص
۶۸۔ روضۃ الاصفیاء فی ذکر الانبیاء معروف بقصص الانبیاء، محمد طاہر، نول کشور، لکھنؤ ۱۹۳۹ء

۶۹۔ رونق الکلام فی احوال الخضر، عبدالماجد، رشدی، مطبع عثمانیہ، حیدرآباد
۷۰۔ انبیائے کرام قرآن کریم کی روشنی میں) عقیدت اللہ قاسمی، کلاسک
۷۱۔ سوانح حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم۔ کریم عظیم، کراچی ۱۴۰۳ھ، ۹۶/ص
۷۲۔ سوانح عمری حضرت ابراہیمؑ، سید عبدالجلیل قریشی، بختی پریس، کلکتہ، ۱۹۰۵ء، ۴۳/ص
۷۳۔ سیرت ابراہیمؑ، محمد جمیل، نعمانی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۸۳ء، ۳۳۰/ص
۷۴۔ سیرت الانبیاء، ابن کثیر (مترجم ہدایت اللہ ندوی) مکتبہ جامع اشاعت، ۸۰۵/ص
۷۵۔ سیرت انبیائے کرام، محمد عبدالرحمٰن، بار اول، ادارہ اسلامیات، لاہور
۷۶۔ صالحؑ، عبدالصمد صارم، ایم ثناء اللہ خاں، لاہور، ۳۲/ص
۷۷۔ صبر ایوب، ذکی، سلطان اینڈ سنز، تاجر کتب خانہ، کراچی ۱۹۴۵ء، ۲۲/ص
۷۸۔ صبر ایوبؑ، گوہر علی رامپوری، ۲۴۸/ص
۷۹۔ عبرتیں اور بصیرتیں (مع حالات حضرت آدمؑ تا حضرت صالحؑ) مولانا حفظ الرحمان (مرتبہ سید تنظیم حسین) انجمن اشاعت القرآن العظیم، ۱۹۸۸ء، (چھ جلدیں)
۸۰۔ عجائب القصص (بدون مصنف) مترجم فخرالدین، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۲۶۵ھ ۱۹۲/ص
۸۱۔ عجائب القصص (حصہ دوم) حکیم محمد احسن اللہ خاں، نول کشور، لکھنو ۱۹۲۲ء، ۱۳۴/ص
۸۲۔ عزیز عبدالصمد صارم، ایم ثناء اللہ خاں، لاہور، ۴۸/ص
۸۳۔ عیسیٰ، عبدالصمد صارم، ایم ثناء اللہ خاں، لاہور ۴۸/ص
۸۴۔ قرآن کی کہانیاں، خواجہ حسن نظامی، نظام المشائخ، دہلی
۸۵۔ قرآنی قصے، علامہ راشد الخیری، عصمت بکڈپو، دہلی
۸۶۔ قصص الانبیاء، قدرتی دکھنی، رسالہ العلم، کراچی، اکتوبر، دسمبر ۱۹۵۳ء، ۵۰۰/ص
۸۷۔ قصص الانبیاء (ترجمہ بزبان دکھنی) ولی محمد میراں، ۱۲۲۶ھ
۸۸۔ قصص الانبیاء، شاہ محمد عبداللہ، قومی پریس کانپور (بدون تاریخ) ۳۸۸/ص
۸۹۔ قصص الانبیاء، محمد طیب کمال پبلشنگ ہاؤس (بدون تاریخ) ۲۵۶/ص
۹۰۔ قصص الانبیاء، شکیل ممتاز شکیل ممتاز پبلشرز لاہور (بدون تاریخ) ۴۳/ص

۹۱۔ قصص الانبیاء
۹۲۔ قصص الانبیاء
۹۳۔ قصص الانبیاء
۹۴۔ قصص الانبیاء
۹۵۔ قصص الانبیاء
۹۶۔ قصص القرآن، علیم الدین، مرغوب بک ایجنسی، لاہور، ۱۹۲۵ء، ۱۳۰/ص
۹۷۔ قصص القرآن، محمد احمد جار اللہ مصری (مترجم مولانا محمد ذکریا مائل) ۱۹۵۵ء، ۵۰۰/ص
۹۸۔ قصص القرآن، سید صدر الدین بلاغی، (مترجم عبدالصمد صادم) معین الادب، لاہور، ۳۴۸/ص
۹۹۔ قصص القرآن، محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ندوۃ المصنفین، دہلی ۸۸۔۱۹۸۷ء
۱۰۰۔ قصص القرآن، سید ظفر حسن، شمیم بکڈپو، کراچی ۴۶۴/ص
۱۰۱۔ قصص القرآن، قیصری کانپوری، چلڈرن قرآن سوسائٹی، لاہور ۱۹۶۰ء
۱۰۲۔ قصص القرآن، تاریخی حیثیت سے، سید حسین، مجلہ طیلسانین، عثمانیہ حیدرآباد دکن، اکتوبر ۱۹۳۴ئص ۸۰/ص
۱۰۳۔ قصص القرآن، ابوبکر عتیق، چاپخانہ گونہ، تہران، ۱۳۶۵ھ، ۵۳۴/ص
۱۰۴۔ قصص القرآن مجید، (حصہ اول) عبدالملک، مکتبہ جامعہ ملیہ، دہلی ۱۶/ص
۱۰۵۔ قصص القرآن مجید، (حصہ دوم) عبدالملک، مکتبہ جامعہ ملیہ، دہلی ۱۶/ص
۱۰۶ قصص النبیین، سید ابوالحسن ندوی، مکتبہ تعلیماتِ اسلام، لکھنؤ ۱۹۴۶ء
۱۰۷۔ قصص ومسائل، عبدالماجد دریابادی، ادارہ اشاعت اردو، حیدرآباد دکن، ۱۳۲/ص
۱۰۸۔ قصہ بی بی مریم، علی بخش مدراسی، نظامی پریس، مدراس، ۱۹۹۰ء، ۸۱/ص
۱۰۹۔ مدفن مسیح، شبیر احمد عثمانی، دارالتبلیغ، دیوبند،
۱۱۰۔ محفل انبیاء، محمد جمیل، فیروزسنز، لاہور، ۲۷۵/ص

جو قصے یا حکایات حدیث کی کتابوں میں وارد ہوئے ہیں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بیان ہوئے ہیں، ان کی صداقت وصحت میں شک وشبہ کی گنجائش

نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ان قصص کی بڑی اہمیت ہے اس لئے شراح نے ان کی تشریح وبیان کی طرف خصوصی توجہ کی ہے۔ ان سے بہت سے فوائد مستنبط کئے ہیں ان کے ادبی و دعوتی پہلو پر بھی ان کی نظر ہے اور اس جانب شراح حدیث میں علامہ عینیؒ نے خاص توجہ دی ہے۔

موجودہ دور میں بہت سے علماء نے ان قصص کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن سے بہت سے دروس وعبر مستنبط کئے ہیں اور ان کے ادبی و دعوتی پہلو پر بھی گفتگو کی ہے۔ اس موضوع پر علماء معاصرین کی بعض کتابوں کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔

۱۔ **سیدنا محمد فی اهذاعه الادبی** از دکتور محمد احمد بیہومی یہ ان کی پی۔ایچ۔ڈی کے رسالہ کا موضوع ہے جس پر انہوں نے جامع ازہر سے یہ ڈگری حاصل کی ہے۔

۲۔ **"الحديث النبوی من الوجهة البلاغية"** از دکتور عز الدین علی سید۔ یہ کتاب مکتبہ وہب قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔

۳۔ **القصص النبوی** یہ سید سحاقہ و سید تقی الدین نے آپس کے تعاون سے تالیف کیا۔

۴۔ **تذکرۃ الدعاۃ** از استاذ بھی اللہ خولی، اس کتاب میں جہاں انہوں نے دعوۃ کے اسالیب بیان کئے ہیں، وہاں بعض احادیث کی ادبی حیثیت سے شرح کی ہے۔

۵۔ **الحدیث النبوی** از استاذ محمود الصباغ انہوں نے اس میں بعض قصص کو کتب احادیث سے جمع کیا ہے۔

۶۔ **القصص فی الحدیث النبوی** از استاد محمد حسن الزیر، یہ اپنے موضوع پر اہم کتاب ہے۔ جو ۱۹۷۸ء میں مصر سے شائع ہوئی۔

۷۔ **قصص الماضين فی حديث سيد المرسلين** از استاد مشہور حسن سلمان، ریاض سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصے تعلیم و تربیت کی غرض سے بیان فرمائے ہیں، جن سے اسلام کے عقائد و اعمال و اخلاق کی عظمت بیان کرنی مقصود تھی۔ اس لئے کبھی ایک ہی قصہ کو متعدد مجالس میں بیان فرمایا۔

بعض علماء نے صحاح ستہ و موطا محمد و سنن دارمی و مسند احمد ان کتابوں سے ان قصص کے مکررات کو حذف کرنے کے بعد شمار کیا ہے۔ ان کی تعداد ۱۳۹۰ر تک پہنچتی ہے۔ اگر حدیث کے دیگر مصادر کو سامنے رکھ کر یہ قصے جمع کئے جائیں تو یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوگی۔

ان قصص کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے ان پر عناوین قائم کئے ہیں، امام بخاری نے متعدد تراجم ان قصص پر قائم کئے ہیں اور ترجمہ کے تحت قصہ کو ذکر کیا ہے۔ صحیح بخاری کے بعض تراجم:

باب قصه الجيش وقول النبي صلى الله عليه وسلم يا بني رقدة باب قصه غزوة بدر ، باب قصه الاسود العنسي، باب قصة يا جوج و ماجوج، باب قصة عمر و بن طفيل الدوسي، باب قصه اهل نجران۔

اسی طرح ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد امام بخاری فرماتے ہیں:

وقص الحديث،

صحيح مسلم میں باب : قصة الجساسة باب قصة اصحاب الأخدود والساحر والراهب والغلام

امام ترمذی اکثر فرماتے ہیں:

وفي الحديث قصة

اور امام فرماتے ہیں:

فذكر قصة في هذ الحديث طويله

اس طرح کی مثالیں دیگر مصادر میں موجود ہیں، جو قصے حدیث شریف میں وارد ہوئے ہیں وہ مختلف نوعیت کے ہیں۔

کچھ قصے ایسے ہیں جن کا تعلق انبیاء و رسل سے ہے۔ کچھ قصے ایسے ہیں جن کا تعلق اخبار الماضین سے ہے۔ اور بعض کا تعلق بعث اور آخرت کے دن سے ہے، اور بہت سے قصے ایسے ہیں جن کا تعلق علامات قیامت سے ہے اور بعض کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذات گرامی سے ہے، ان میں کچھ کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی تجارت سے ہے اور بعض کا تعلق امور غیبیہ سے ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیرت نگاری کے لئے ان قصص سے استفادہ کیا جانا چاہئے تا کہ عبرت وموعظت کو موثر بنا کر تبلیغ کا صحیح حق ادا کیا جا سکے۔

❁

آٹھویں اصول : کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورۂ یوسف/۱۱۱
۲۔ ہفت روزہ تعمیر حیات لکھنو انڈیا ۱۰/ اپریل ۱۹۹۹ء، ص/۶
۳۔ سورۂ الممتحنہ/۴ اور ۶
۴۔ سورۂ ہود/۲
۵۔ سورۂ یوسف/۲
۶۔ سورۂ الانعام/۱۳۰
۷۔ سورۂ الاعراف/۱۷۶

نواں اصول: علم آثار صحابہؓ وصحابیاتؓ

جو عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو، اسے آثار نبوی کہا جاتا ہے، اسی طرح جب یہ لفظ مطلقاً استعمال ہو تو بھی یہی مطلب ہوتا ہے(۱) لیکن جو عمل صحابہؓ یا صحابیاتؓ سے منقول ہو اسے آثار صحابہ کہتے ہیں۔ سیرت طیبہ پر لکھنے والوں میں محدث بھی ہیں اور فقیہ بھی، مورخ بھی ہیں اور سیرت نگار بھی، مدبر بھی ہیں اور قانون دان بھی، ادیب بھی ہیں اور شاعر بھی، اپنے بھی ہیں اور بیگانے بھی، اپنوں نے جس صحت، جامعیت، دقت نظر اور شفقت سے رسول مبین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ مبارکہ اور آپ ﷺ کے عہد ہمایوں پر قلم اٹھایا، وہ تو خیر تحسین کے قابل تھے ہی لیکن بعض دوسرے لوگوں نے بھی اس کام کو جس امعان نظر سے انجام دیا ہے، وہ بھی داد کے قابل ہیں۔ صحابہؓ کو حضور ختمی مرتبت ﷺ سے ایک شعوری اور جذباتی لگاؤ تھا، وہ آپ ﷺ کو دیکھتے رہتے لیکن ان کی آنکھیں نہ تھکتیں، وہ آپ ﷺ کو سنتے رہتے لیکن اکتاہٹ محسوس نہ کرتے، دید میں بھی انہیں حسرتِ دید رہی، جہد و کوشش کی کڑی سے کڑی آزمائش سے گزرنے کے باوجود ان کی ہمتیں پست ہوئیں نہ ان کے پاؤں ڈگمگائے، اتباع رسول ﷺ میں انہوں نے سرمو انحراف کیا نہ کبھی تعمیل ارشاد میں ان سے سستی ہوئی۔ ان صحابہ کبارؓ کے لئے آپ ﷺ کی اطاعت عین ذاتِ خداوندی کی اطاعت تھی، اور قربات عنداللہ کا واحد ذریعہ۔

سیرت کا آثار صحابہؓ سے تعلق: یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن کریم کے احکام پر اس وقت عمل کیا جاسکتا ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو نمونہ بنا کر ان طریقوں کو اپنایا جائے، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور ویسا ہی عمل کیا جائے جیسا آپ نے کرکے دکھایا، یہی سیرت ہے اور یہ عمل ہم تک صحابہؓ کے توسط سے پہنچا ہے۔ گویا دوسرا نمونہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل ہے جسے بسااوقات تعامل اہل مدینہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے چنانچہ مالکیوں نے اہل مدینہ کے عرف و عادات اور طور طریقوں

کو قانون سازی میں بہت اہمیت دی ہے۔ صحابہ کرامؓ کا درجہ امت اسلامیہ میں بہت بلند ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری پردہ فرمانے کے بعد کسی بھی انسان کو صحابی ہونے کا شرف حاصل نہیں ہوسکتا۔ نیز صحابہ کرامؓ نے دین اسلام کو اپنے خون سے سینچا اور اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر دین کی حفاظت کی۔ ان میں عشرہ مبشرہ ہیں۔ ان میں اہل بدر واحد ہیں۔ سب سے بڑھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو روشنی کے ستارے قرار دیا اور ان کی پیروی کرنے کی تاکید فرمائی چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، ان میں جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

تاہم اگر وقت نظر سے دیکھا جائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سارا شرف اور مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کی پیروی کی وجہ سے ہے کیونکہ بحالت ایمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہی نے انہیں صحابی ہونے کا شرف عطا کیا، نیز اسلام کی آمد سے پہلے عربوں کی حالت کسی سے پوشیدہ نہیں، ان میں تمام انسانی برائیاں پائی جاتی تھیں، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کیمیا گر نظر سے ان کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ حالی نے کیا خوب کہا ہے:

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے اک نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

صحابہ کرامؓ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس امر کی پیروی کرنے کی تلقین فرمائی اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک صحابہ کرام اسوۂ حسنہ کے مطابق عمل کرتے رہیں ان کی راہ اپنائی جائے۔ گویا اس ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ سیرت نبوی پر صحابہ کرامؓ نے جس طرح عمل کیا عام مسلمان بھی اسی طرح عمل کریں، جس سے ثابت ہوا کہ صحابہؓ کے راستہ پر چلنا درحقیقت سیرت نبوی ﷺ کی راہ اختیار کرنا ہے۔ کیونکہ اصل نمونہ خاتم الانبیاء کا اسوۂ حسنہ ہے۔

صحابہ کرامؓ کی یہی خصوصیت ہے جن کی راہ پر چلنے اور اتباع کرنے کی ہر بندہ نماز میں دعاء کرتا ہے:

اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم(۲)

اے اللہ ہمیں سیدھے راستہ پر چلا ایسے لوگوں کا راستہ جن پر تو نے دنیا و آخرت میں انعام فرمایا ہے۔

ایسا انعام کہ یہ انعام یافتگان اللہ سے اور اللہ ان سے راضی ہوگیا۔(۳)

آثار صحابہؓ کی اہمیت اور اس کے مأخذ: سیرت کو سمجھنے کے لئے اقوال صحابہؓ و آثار صحابہؓ وصحابیاتؓ بہت اہمیت کے حامل ہیں اسی لئے میں نے سیرت نگاری کے لئے ایک اصول قرار دیا ہے۔ صحابہؓ شاہد ہیں نزول آیات و واقعات کے پس منظر کے عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: قرآن کریم کی جو بھی آیت نازل ہوئی:

أنا اعلم فیمن نزلت؟ أین نزلت (۴)

ا۔ میں جانتا ہوں کیوں نازل ہوئی؟ کہاں نازل ہوئی؟ اور ہمارا (صحابہؓ کا) معمول تھا جب تک دس آیات کو اچھی طرح سمجھ نہ لیتے اور عمل نہ کر لیتے آگے نہیں بڑھتے تھے۔(۵)

جن صحابہؓ کے آثار بکثرت منقول ہیں ان میں خلفاء اربعہ ازواج مطہرات بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہؓ، ابن مسعودؓ، بن عباسؓ، اُبی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ کے نام زیادہ نمایاں ہیں۔(۶) طبقات المفسرین نے ایسے ۲۹ افراد کا ذکر کیا ہے۔(۷) جن حضرات نے ان آثار کو جمع کیا ہے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں،

تفسیر بالمأثور کو جن حضرات نے جمع کیا ہے ان میں ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ)، ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)، ابوبکر النیسابوری (۳۱۸ھ)، اُبی حاتم (م ۳۲۷ھ)، ابن حبان (م ۳۶۹) حاکم (م ۴۰۵ھ)، ابوبکر بن مردویں (م ۴۰۱ھ) شامل ہیں۔(۸)

البتہ امام طبری کو دیگر پر یہ خصوصیات حاصل ہے وہ متعدد اقوال و آثار نقل کر کے کسی ایک کو ترجیح دیتے ہیں اور وجوہ ترجیح بیان کر دیتے ہیں، یہ آثار درج ذیل ذخائر میں محفوظ ہیں۔

ا۔ تفسیری لٹریچر میں۔

۲۔حدیث کی کتابوں میں۔

۳۔کتب سیرت میں ہے۔

۴۔سوانح کی کتابوں میں۔

۵۔کچھ مستقل کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔

آثار صحابہؓ پر تصانیف : اقوال وآثار صحابہ کا ذخیرہ بہت سی تفاسیر میں موجود ہے، جس میں سے بطور نمونہ کچھ یہ ہیں:

۱۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن مصنفہ أبو جعفر محمد بن جریر الطبری (م ۳۱۰ھ)

۲۔ تفسیر بقی بن مخلد مصنفہ بقی بن مخلد الاندلیسی القرطبی

۳۔ بحر العلوم مصنفہ ابواللیث السمرقندی (م ۳۷۳ھ)

۴۔ الکشف والبیان عن تفسیر القرآن مصنفہ أبو اسحٰق الثعلبی النیسابوری (م ۴۲۷ھ)

۵۔ معالم التنزیل مصنفہ أبو محمد الحسین بن مسعود البغوی (م ۵۱۰ھ)

۶۔ المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ابو محمد عبدالحق بن غالب الاندلسی (م ۵۴۶ھ)

۷۔ تفسیر القرآن العظیم حافظ عماد الدین بن کثیر (م ۷۷۴ھ)

۸۔ الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ)(۹)

۹۔ تفسیر قرطبی ڈاکٹر ابوالنوز نے ایسی تفاسیر کا مکمل جائزہ پیش کیا ہے۔(۱۰) اقوال و آثار صحابہؓ کا ذخیرہ بہت سی کتب احادیث میں بھی محفوظ ہے۔جس میں سے بطور نمونہ چند یہ ہیں۔

۱۔ صحاح ستہ: بخاری، مسلم ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ

۲۔ مصنف عبدالرزاق

۳۔ مصنف بن أبی شیبہ وغیرہ

۴۔ مسند احمد بن حنبل

۵۔ جامع الاصول لاحادیث الرسول ابن اثیر الجزری وغیرہ

کتب سیرت میں سے۔

۱۔ سیرت ومغازی ابن اسحٰق

۲۔ سیرت ومغازی موسیٰ بن عقبہ

۳۔ المغازی لزہری

۴۔ سیرت حلبیہ

۵۔ سبل الہدیٰ والرشاد وغیرہ

کچھ تصانیف جدا جدا شخصیات پر لکھی گئی ہیں۔ جن میں اس صحابہ وتابعی سے منقول اقوال وآثار جمع کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً

۱۔ فقہ ابوبکرؓ

۲۔ فقہ عمرؓ

۳۔ فقہ علیؓ

۴۔ فقہ عبداللہ بن مسعود

۵۔ فقہ سفیان ثوری

۶۔ فقہ عمر بن عبدالعزیز

۷۔ فقہ حسن بصری وغیرہ

اسی طرح موسوعۃ آثار الصحابہ کے نام سے حال ہی میں دو جلدوں میں کتاب شائع ہوچکی ہے۔ جس میں آثار کا بہت عظیم ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔ گویا یہ آثار کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ نے اپنی کتاب سیاسی وثیقہ جات میں خلفاء اربعہ وصحابہ کرام کے آثار کو جمع کر دیا ہے۔(۱۱)

خلاصہ بحث یہ کہ سیرت نگار کی نظر اس ذخیرہ پر بھی ہونی چاہئے تاکہ جس پہلو پر کام ہو وہ ہر لحاظ سے جامع ہو۔

نویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

1- Al Khudrowi, decb A Dictionary of Islamic Terms Al yamamah Beirut 1995 p.16

۲۔ سورۃ الفاتحہ/۵۔۶

۳۔ سورۃ البینہ/۸

۴۔ ابن حجر، فتح الباری، شرح صحیح البخاری ج/۹ص/۴۷

۵۔ الطبری، تفسیر طبری، ج/۱ص/۲۸

۶۔ ابوالنور الحدیدی، الدکتور، التفسیر بالماثور و مناحج المفسرین بحوث المرکز التعلیم الاسلامی مکۃ ۱۹۸۲ء، ص/۴۷

۷۔ الاہ دنہ وی، طبقات المفسرین احمد بن محمد بن الادنہ وی تحقیق سلیمان بن صالح مکتبۃ العلوم والحکم مدینۃ ۱۹۹۷ء، ص/۳۔۸

۸۔ ابوالنور الحدیدی، الدکتور، التفسیر بالمأثور و مناھم المفسرس، ص/۸۷۔۸۸

۹۔ ایضاً ص/۹۱۔۱۰۱

۱۰۔ الفتسیر با المأثور و مناحج المفسرین فیہ کو ملاحظہ کریں۔

۱۱۔ دیکھئے: حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، سیاسی وثیقہ جات مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۰ء

تمت ابالخیر

دسواں اصول: علم رجال حدیث نبوی ﷺ ہے

ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں حجۃ الوداع کے موقع پر (۱۰ھ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدت مند لاکھ ڈیڑھ لاکھ تھے، جو حاضر نہیں تھے۔ ان کی تعداد یقیناً اس سے کئی گناہ زیادہ ہوگی، ماہرین حدیث کے مطابق جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے، ایک لاکھ سے زائد ہے۔ دنیا کی کسی شخصیت کے حالات کے اتنے سارے عینی شاہدین کیا اس کا ہزارواں حصہ بھی نہیں ملیں گے۔(۱) ایسے حضرات کے ذریعے جب تمام سرمایہ سیرت وحدیث تحریر ہوگیا تو ان تمام راویوں کے احوال کو بھی ضبط تحریر میں لایا گیا، اسی تحریر شدہ ذخیرہ علم کا نام علم رجال اور ایسی کتابوں کا نام کتب رجال ہے۔ بقول جرمن اسکالر ڈاکٹر اسپرنگر" کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص (راویوں) کا حال (سوانح حیات) معلوم ہوسکتا ہے۔"(۲)

علم رجال کی خصوصیت: علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں: سیرت نبوی کے واقعات بعد میں قلمبند ہوئے۔ ابتداء سب زبانی روایتوں کی شکل میں تھے۔ مصنفین کا مأخذ کوئی کتاب نہیں تھی۔ اس قسم کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آتا ہے حالانکہ مدت کے بعد قلم بند کیے جاتے ہیں، تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلم بند کرلی جاتی، جن کے راویوں کا نام ونشان تک معلوم نہیں ہوتا، ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کرلئے جاتے ہیں جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں، یورپ کی تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا ہے اس سے بہت زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے، اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے،

جو خود شریک واقعہ تھا، اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے، اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کیا جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بین؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا، سینکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں، ایک ایک شہر میں گئے، راویوں سے ملے اُن کے متعلق ہر قسم کے معلومات بہم پہنچائے، جو لوگ ان کے زمانہ میں موجود نہ تھے، ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کئے، اور کسی شخص کے رتبہ وحیثیت کی پروا نہ کی، بڑے بڑے مقتداؤں اور بادشاہوں کی سراغ رسانی اور پردہ داری کر کے ان کے حالات مرتب کئے۔ (۳) شاہ عبدالعزیزؒ (م ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں: صدر اول یعنی تابعین و تبع تابعین کے دور سے امام بخاری و امام مسلم کے دور تک راویوں کے حالات کی جستجو کی اور جس شخص میں شمہ برابر بھی بد دیانتی کذب یا سوء حفظ (یاداشت کی کمزوری) محسوس کی اس کی حدیث نہیں قبول کرتے تھے۔ (۴) جن صحابہؓ و صحابیاتؓ سے سب سے زیادہ حدیثیں منقول تھیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ أبو ہریرہ المتوفی سنہ (۵۹ھ) تعداد حدیث ۵۳۷۴

۲۔ عائشہ ام المؤمنین المتوفی سنہ (۵۷ھ) تعداد حدیث ۲۲۱۰

۳۔ انس بن مالک المتوفی سنہ (۹۳ھ) تعداد حدیث ۲۲۸۶

۴۔ عبداللہ بن عباس المتوفی سنہ (۶۸ھ) تعداد حدیث ۱۶۹۶

۵۔ عبداللہ بن عمر المتوفی سنہ (۷۳ھ) تعداد حدیث ۲۶۳۰

۶۔ جابر بن عبداللہ المتوفی سنہ (۷۸ھ) تعداد حدیث ۱۵۴۰

۷۔ ابوسعید الخدری المتوفی سنہ (۷۴ھ) تعداد حدیث ۱۱۷۰

۸۔ ابن مسعود المتوفی تعداد حدیث ۸۴۸

۹۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص تعداد حدیث ۷۰۰ (۶)

سیرت کا علم رجال سے تعلق: صحابہؓ کے حالات جن کتابوں میں جمع کیے گئے، انہیں "کتب اسماء الرجال" کہا جاتا ہے۔ یہ کتابیں اس لحاظ سے بڑی مفید ہیں کہ صحابۂ کرامؓ

کے حالات وکوائف منضبط کرتے وقت ضمناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات بھی ان میں محفوظ ہو گئے ہیں، کیونکہ صحابہؓ نے حضور اکرم ﷺ سے جو کچھ سنا، سیکھا یا آپ ﷺ کا جو بھی واقعہ ان کی نظر سے گزرا، وہ سب کچھ صحابہؓ نے اپنے راویوں کے سامنے بیان کیا۔ یوں صحابہ کرامؓ کے حالات سے بالواسطہ ہمیں آنحضرت ﷺ کے واقعات زندگی بھی معلوم ہوتے گئے۔ علاوہ ازیں بعض کتابوں کی ابتداء میں صحابہؓ اور تابعین کے تذکرے کے ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ کا بھی مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔ سیرت رسول ﷺ کے لئے کتب اسماء الرجال کا یہ عظیم الشان سرمایہ انتہائی قابل قدر ہے۔ سیرت اور حدیث دونوں کے راوی ایک ہیں، سیرت میں جہاں نبی کریم ﷺ کا تذکرہ ہوتا وہیں صحابہؓ کا بھی ذکر آتا ہے۔ اور کتب رجال میں جہاں صحابہؓ کا ذکر آتا ہے وہاں نبی کریم ﷺ کا ذکر آتا ہے۔ (۷)

کتب اسماء الرجال کا تعلق فن حدیث کے دو علوم ''رجال الحدیث'' اور ''جرح و تعدیل'' سے ہے۔ اول الذکر میں حدیث و سیرت کے راویوں کے حالات زندگی کا ذکر کیا جاتا ہے اور ثانی الذکر میں بحیثیت راوی ان کی خوبیوں اور خامیوں سے بحث کی جاتی ہے۔ کتب اسماء الرجال میں راویوں کے حالات سے پہلے صحابہ کرامؓ کا تذکرہ ہوتا ہے اس لئے بے شمار راویوں کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کے حالات بھی کتب اسماء الرجال کا جزو بن گئے، تاہم بعض کتابیں خاص طور پر صحابہؓ کے حالات کے لئے وقف ہیں اور ان میں بعد کے راویوں پر تنقید و جرح شامل نہیں ہے۔ (۸) اس جگہ میں صرف صحابہؓ تک ہی اپنی بحث کو محدود رکھوں گا، اس لئے کہ میرا دائرہ بحث فقط صحابہؓ ہیں۔

علم رجال حدیث کا تدوینی ارتقاء: مسلمان اس اعتبار سے دنیا کی ایسی منفرد قوم ہے جس نے اپنے نبی ﷺ کے اقوال و آثار کو محفوظ کرنے میں بے مثال سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ آنحضور ﷺ کی سیرت کی حفاظت میں ان جزئیات کا بھی استقصاء کیا جو بظاہر غیر اہم معلوم ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کے رفقاء نے آپ ﷺ کی جملہ تفصیلات کو نقل کیا ہے۔ یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ یہ نقل و روایت کا عمل بے ہنگم نہیں تھا۔ اول روز سے ہی احتیاط پیش نظر رہی۔ ابتدائی دور میں جو سادہ احتیاطی تدابیر تھیں آگے چل کر اصول علمیہ کی صورت اختیار کر گئیں۔

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے ابوبکر صدیقؓ کے احوال میں لکھا ہے کہ وہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے قبول خبر میں احتیاط سے کام لیا۔(۹) حضرت عمرؓ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے محدثین کے لئے روایت میں جانچ پڑتال کا طریقہ وضع کیا۔ اور جب انہیں شک ہوتا تو خبر واحد کو قبول کرنے میں توقف سے کام لیتے۔ بلکہ شہادت طلب کرتے تھے۔(۱۰) حضرت علیؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے امام ذہبیؒ لکھتے ہیں وہ امام عالم تھے اور روایت قبول کرنے میں چھان پھٹک سے کام لیتے یہاں تک کہ حدیث روایت کرنے والے سے حلف کا مطالبہ کرتے۔(۱۱) اور حضرت عائشہؓ کی روایت ''میت کو اس کے خاندان کی آہ و بکا کے باعث عذاب ہوتا ہے'' پر اعتراض کیا اور کہا کہ یہ قرآن حکیم کی آیت کے خلاف ہے اور کہا کہ انہیں سننے میں غلطی ہوئی ہے۔(۱۲) ان حضرات کی احتیاط صحابہؓ پر کسی عدم اعتماد کا نتیجہ نہ تھی کیونکہ یہ سب لوگ صحبت رسول ﷺ کے فیض یافتہ تھے۔ یہ متقیانہ روش تھی کہ آنحضور ﷺ کی طرف سماع وفہم کی غلطی سے کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے، اکثر صحابیؓ روایت کرتے وقت حضور اکرم ﷺ سے مروی یہ قول پیش نظر رکھتے:

مَنْ کَذبَ علیّ متعمداً فَلْیتبوأ مَقْعده مِنَ النَّارِ۔(۱۳)

جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرتا ہے اسے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالینا چاہیے۔

صحابہؓ اور تابعینؒ کا دور عہد رسول ﷺ سے قریب کے باعث اور ان حضرات کی عدالت اور ان کے شرف کی وجہ سے انہیں جرح و تعدیل کا موضوع نہیں بنایا گیا، کیونکہ صحابہ کرامؓ عدول تھے۔(۱۴) اور تابعین محترم (۱۵) لیکن ان کی روایت کی جانچ پڑتال کی جاسکتی ہے۔

مبتدعین اور فتنہ گروں نے وضع احادیث کا سلسلہ شروع کیا تو اہل علم کو خطرے کا احساس ہوا۔ انہوں نے حدیث کی حفاظت کا اہتمام کیا۔ یہی وہ دور ہے جب حدیث کے سلسلے میں اسناد اور رواۃ کے حال پر زیادہ توجہ دی جانے لگی۔ امام مسلم نے اپنی صحیح کے ''مقدمہ'' اور امام ترمذی نے ''العلل'' میں محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے:

لَمْ یکونوا یسالون عَنْ الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا

سَمُّوا لنا رجالکم فینظر الی حدیث اهل السنة فیوخذ حدیثهم و ینظر الی اهل البدع فلا یوخذ حدیثهم ۔(۱۶)

پہلے لوگ اسناد کے بارے میں پوچھ گچھ نہیں کرتے تھے لیکن جب دور فتنہ آیا تو کہنے لگے: تم اپنے رجال (راویوں) کے نام بتاؤ تا کہ اہل سنت کی روایت کو قبول کیا جا سکے اور اہل بدعت کی حدیث کو رد کیا جا سکے۔

علماء صحابہؓ نے لوگوں کو اس امر کی ترغیب دی کہ راویوں سے حدیث اخذ کرنے میں احتیاط سے کام لیں اور صرف ان ہی افراد سے حدیث قبول کریں، جن کے دین اور حافظے پر انہیں اعتماد ہو، اس طرح اہل علم و دین میں ایک قاعدہ اشاعت پذیر ہوا، جس کے الفاظ کچھ یوں تھے:

انما هذه الا حادیث دین فانظروا عمن تاخذونها (۱۷)

بلاشبہ یہ احادیث دین ہی تو ہیں سو تمہیں ضرور جاننا چاہیے کہ تم کس سے اخذ کر رہے ہو۔

فن رجال کے ماہرین: صحابہؓ میں سے عبداللہ بن عباسؓ (م ۹۶ھ) ”عبادة بن الصامت“ (۱۹) اور انس بن مالک (م ۹۳ھ) (۳۰) وغیرہ نے رجال کے بارے میں اظہار خیال کیا، گو اس کی حیثیت بالکل ابتدائی تھی۔ تابعین میں سے سعید بن المسیب (۲۱) عامر الشعبیؒ (۲۲) اور ابن سیرینؒ (۲۳) وغیرہ نے رجال کی تحقیق کے سلسلے میں اس طریق کو آگے بڑھایا۔ ان کے علاوہ شعبی (م ۱۰۴ھ) ابن سیرین (۱۱۰ھ)، اعمش (م ۱۴۸ھ)، شعبہ (م ۱۶۰ھ)، امام مالک (م ۱۷۹ھ)، ابن مبارک (م ۱۸۱ھ) ابن عینیہ (م ۱۹۷ھ)، یحیٰی بن معین (م ۲۳۳ھ) اور احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) بھی شامل ہیں۔ اس سلسلے کی سب سے پہلی کتاب مشہور محدث یحیٰی ابن سعید القطان (م ۱۹۸ھ) نے لکھی تھی، پھر اُن کے تلامذہ یحیٰی ابن معین (م ۲۳۳ھ)، امام احمد (م ۲۴۱ھ)، ابوخیثمہ (م ۲۳۴ھ) اور عمر و ابن علی الفلاس (م ۲۴۹ھ) وغیرہ نے اس فن میں داد تحقیق لی، پھر ان لوگوں کے تلامذہ امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے ادھر توجہ کی۔

علم رجال حدیث کی اہم تصانیف: جو کتابیں راویان حدیث کے حالات پر لکھی گئی ہیں ان میں کچھ تو وہ ہیں جن میں صرف صحابہؓ کے حالات ہیں کچھ وہ ہیں جن میں بلاتخصیص حالات جمع کئے گئے ہیں۔ یہاں میں صرف صحابہؓ پر لکھی ہوئی کتابیں پیش کر رہا ہوں۔ کچھ غیر صحابی افراد کا ان کتب میں ضمناً ذکر آیا ہے۔

۱۔ الصحابة، لأبی عبيد معمر بن المثنی (ت ۲۰۸ھ) ذکرہ ابن کثیر (۱)

۲۔ فضائل الصحابة، لاسد بن موسی المعروف بأسد النسة (ت ۲۱۲ھ) (۲۶)

۳۔ الطبقات الكبری، لابن سعد (ت ۲۳۰ھ) (مطبوع)

۴۔ معرفة من نَزَلَ من الصحابة سائر البلدان، لعلی بن المدینی (ت ۲۳۴ھ) (۲۷)

۵۔ تسمية اولاد العشرة وغيره هم من الصحابة، لعلی بن المدين، مطبوع

۶۔ الصحابة، لخليفة بن خياط (ت ۲۴۰ھ) (۲۸)

۷۔ الطبقات، لخليفة بن خياط ايضاً، مطبوع

غالباً دونوں ایک ھی کتابیں هیں:

۸۔ فضائل الصحابة، للإمام احمد بن حنبل (ت ۲۴۱ھ) دو جلدیں

۹۔ الصحابة، لعبد الرحمن بن إبراهيم المعروف بدحيم (ت ۲۴۵ھ) (۲۹)

۱۰۔ الصحابة، لأبی عبدالله محمد بن إسماعيل البخاری (ت ۲۵۶ھ) (۳۰)

۱۱۔ الوجدان، للبخاری، ذكره أبو نعيم الأصبهانی (۳۱)

۱۲۔ التاريخ الكبير، للإمام البخاری ايضاً، (مطبوع)

۱۳۔ التاريخ الصغير (وصواب: الأوسط) للإمام البخاری ایضاً: مطبوع

۱۴۔ من نزل فلسطين من الصحابة، لموسی بن سهل الرَّملی

(ت۲۶۰ھ)(۳۲)

۱۵۔ الضبقات للإمام مسلمبنالحجاج النیسابوری (ت۲۶۱ھ)(۳۳)

۱۶۔ المنفردات والوحدان، للإمام مسلم، أورد فیه الصحابة الذین لم یرو بن حجاج النیسا بوری (ت۲۶۱ھ)(۳۴)

۱۷۔ الصحابة، لأبی زرعة الرازی (ت۲۶۴ھ)(۳۶)

۱۸۔ الصحابة، لاحمد بن سیّار المروزی (ت۲۶۸ھ)(۳۶)

۱۹۔ الصحابة، لابی بکر أحمد بن عبداللّٰه المعروف بابن البرقی (ت۲۷۰ھ)(۳۷)

۲۰۔ الصحابة، لابی داود سلیمان بن الأشعث الحجستانی (ت ۲۷۵ھ)(۳۸)

۲۱۔ الصحابة، لأبی حاتم محمد بن إدریس الرازی (ت۲۷۵ھ)(۳۹)

۲۲۔ المعرفة والتاریخ، لیعقوب بن سفیان الفسوی (ت۲۷۷ھ)

۲۳۔ تمیة اصحاب رسول اللّٰه ﷺ، لأبی عیسی محمد بن عیسی الترمذی (ت۲۷۰ھ)(۴۰)

۲۴۔ الصحابة، لأحمد بن زهیر، المعروف بابن أبی خیثمة (ت ۲۷۹ھ)(۴۱)

۲۵۔ التاریخ، لأبن أبی خیثمة (۴۲)(مخطوط)

۲۶۔ تسمیة من نزل الشام من الصحابة، لأبی زرعة عبدالرحمن بن عمرو الدمشقی (ت۲۸۱ھ)(۴۳)

۲۷۔ الصحابة، لمحمد بن یونس الکدیمی (ت۲۸۶ھ)(۴۴)

۲۸۔ الآحاد والمثانی، لأبی بکر أحمد بن عمرو المعروف بابن أبی عاصم (ت۲۸۷ھ)(مطبوع)

۲۹۔ معرفة الصحابة، لأبی محمد عبداللّٰه بن محمد المعروف بعبدان المروزی(ت۲۹۳ھ)(۴۵)

۳۰۔ الصحابة، لأبی جعفر محمد بن عبداللّٰه الحضرمی المعروف به

مطین (ت ۲۹۷ھ)(۴۶)

۳۱۔ الصحابة، لأبی منصور محمد بن سعد الباوردی (ت۳۰۱ھ)(۴۷)

۳۲۔ فضائل الصحابة للنسائی (ت۳۰۳ھ) مطبوع

۳۳۔ فضائل فاطمة للنسائی ایضاً، مطبوع، وھما جزء ان مٓن السنن الکبری للنسائی

۳۴۔ الآحاد فی الصحابة، لأبی محمد عبداللّٰہ بن الجارود النیسابوری (ت ۳۰۷ھ)(۴۸)

۳۵۔ ذیل المذیل من تاریخ الصحابة، لأبی جعفر الطبری (ت۳۱۰ھ)

۳۶۔ ذیل المذیل من تاریخ الصحابة، لأبی جعفر الطبری (ت ۳۱۰ھ)(۴۹)

۳۷۔ الصحابة، لأبی بکر عبداللّٰہ بن أبی داود السجستانی (ت ۳۱۶ھ)(۵۱)

۳۸۔ معجم الصحابة، لأبی القاسم عبداللّٰہ بن محمد البغوی (ت ۳۱۷ھ)(۵۱) مخطوط

۳۹۔ الطبقات، لأبی عروبة الحسین بن محمد السلمی الحرانی (ت ۳۱۸ھ)(۵۲) مخطوط

۴۰۔ الصحابة، لأبی جعفر محمد بن عمر العقیلی (ت۳۲۲ھ)(۵۳)

۴۱۔ الصحابة، لأبی العباس محمد بن عبدالرحمن الدغولی (ت ۳۲۵ھ)(۵۴)

۴۲۔ فضائل الصحابة، للقاضی بکر بن العلأ المالکی (ت۳۳۴ھ)(۵۵)

۴۳۔ فضائل الصحابة، لأبی سعید بن العرابی (ت۳۴۰ھ)(۵۶)

۴۴۔ فضائل الخلفاء الأربعة، لأبی أحمد بن إسحاق النیسابوری (ت ۳۴۲ھ)(۵۷)

۴۵۔ فضائل الصحابة، لخیثمة بن سلیمان (ت۳۴۳ھ)(۵۸)

۴۶۔ فضائل الصدیق، لخیثمة ایضاً مخطوطہ

۴۷۔ الصحابة، للقاضي أبي أحمد بن محمد العسال (ت ۳۴۹ھ)(۵۹)

۴۸۔ معجم الصحابة، للقاضي أبي الحسين عبدالباقي بن قانع (ت۳۵۱ھ)

۴۹۔ معجم الصحابة لأبي علي سعيد بن عثمان البغدادی المعروف بابن السکن (ت ۳۵۳ھ)(۶۰)

۵۰۔ الصحابة، لأبن حبان البستي (ت ۳۵۴ھ)(۶۱) ذکر ابن حجر مخطوط

۵۱۔ الثقات، لابن حبان أیضا ۹/ جلدیں

۵۲۔ المعجم الکبیر، لأبي القاسم سلیمان بن أحمد الطبراني (ت۳۶۰ھ) مطبوع

۵۳۔ أسماء الصحابة، لأبي أحمد عبداللّٰه بن عدی الجرجاني (ت ۳۶۵ھ)(۶۲)

۵۴۔ أسماء الصحابة، لأبي بکر أحمد بن إبراهیم الاسماعیلي ذکره ابن عتید (ت۳۷۱ھ)(۶۳)

۵۵۔ الصحابة، لأبي الفتح محمد بن الحسن الأزدی (ت۳۷۴ھ)(۶۴)

۵۶۔ معرفة الصحابة، لأبي أحمد الحسن بن عبداللّٰه العسکری (ت ۳۸۲ھ)(۶۵)

۵۷۔ أسماء الصحابة الذین اتفق فیها البخاری و مسلم، وما انفرد به کل منهما، لأبي الحسن علي بن عمر الدارقطني (ت ۳۸۵ھ)(۶۶) مخطوط

۵۸۔ فضائل الصحابة ومناقبهم، للدارقطني ایضاً (۶۷) مخطوط

۵۹۔ الصحابة، لأبیحفص، عمر بن أحمد المعروف بابن شاهین (ت۳۸۵ھ)(۶۸)

۶۰۔ فضائل فاطمة، لأبن شاهین أیضاً مطبوع

۶۱۔ معرفة الصحابة، لأبي عبداللّٰه محمد بن إسحاق بن منده (ت ۳۹۵ھ)

۶۲۔ جزء فیمن عاش من الصحابة، مائة وعشرین سنة، لابن منده،

مطبوع

۶۳۔ معجم الصحابة، لأبي بكر أحمد بن علي بن لآل الهمداني الشافعي (ت ۳۹۸ھ)(۶۹)

۶۴۔ فضائل الصحابة، لأبي المطرف عبدالرحمن بن محمد بن عيسى بن فطيس ابن أصبغ القُرطبي (ت ۴۰۲ھ)(۷۰)

۶۵۔ معرفة الصحابة، لأبي نعيم الأصبهاني (ت ۴۳۰ھ)(۷۱)

۶۶۔ حلية الأولياء، لأبي نعيم الأصبهاني ایضاً، مطبوعہ

۶۷۔ فضائل الصحابة، لأبي نعيم الأصبهاني ایضاً (۷۲)

۶۸۔ معرفة الصحابة، لأبي العباس جعفر بن محمد المستغفرى(ت ۴۳۲ھ)(۷۳)

۶۹۔ الاستيعاب في معرفة الأ صحابة، لأبي عمر يوسف بن عبدالله بن محمد ابن عبدالبر (ت ۴۶۳ھ)مطبوع

۷۰۔ استدراک على الاستيعاب، لأبي علي الغسائي (ت ۴۹۸ھ)

۷۱۔ ذيل الاستيعاب، لأبي بكر محمد بن أبي القاسم المعروف بابن فتحون الأندلسي المالكي (ت ۵۱۹ھ)(۷۴)

۷۲۔ الذيل على الاستيعاب، لأبي الحجاج يوسف بن محمد بن مقلد الجماهيرى(ت ھ)(۷)

۷۳۔ معجم الصحابة، لأبي عساكر (ت ۵۷۱ھ)(۷۵)

۷۴۔ ترتيب أسماء الصحابة الذين أخرج حديثهم الإمام أحمد في المسند، لابن عساكر ایضاً، مطبوع

۷۵۔ الصحابة، لأبي موسى المديني محمد بن أبي بكر بن أبي عيسى الأصفهاني (ت ۵۸۱ھ)(۷۶)

۷۶۔ معجم الصحابة، لأبي المواهب الحسن بن هبة الله بن محفوظ بن صرصرى (ت ۵۸۶ھ)(۷۷)

۷۷۔ فضائل الصحابة، لأبي المواهب ایضاً، ذكره السيوطي والكنائي

ایضاً

۷۸۔ ذیل أبی القاسم محمد بن عبدالواحد الغافقی الغرناطی (ت ۶۱۹ھ) علی الاستیعاب، ذکرہ (۷۸)

۷۹۔ الأستبصار فی نسب الصحابة من الأنصار، لأبی قدامة المقدسی (ت ۶۲۰ھ) مطبوع

۸۰۔ تهذیب روضة الأحباب فی مختصر الاستیعاب للأذرعی، تالیف یحیی بن حمیدة الحلبی (ت ۶۳۰ھ) (۷۹)

۸۱۔ أسد الغابة فی معرفة الصحابة، لعزالدین بن الأثیر أبی الحسن علی بن محمد الجزری (ت ۶۳۰ھ) مطبوع

۸۲۔ نقعة الصدیان (فی الصحابة) للصغانی (ت ۶۵۰ھ) مطبوع

۸۳۔ مختصر کتاب أسد الغابة للنووی (ت ۶۷۶ھ) (۸۰)

۸۴۔ مختصر کتاب أسد الغابة، لمحمد بن أحمد الکاشغی النحوی اللغوی (ت ۷۰۵ھ) (۸۱)

۸۵۔ تجرید أسماء الصحابة، للذهبی أبی عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان (ت ۷۴۸ھ)

۸۶۔ الإصابة فی معرفة الصحابة، للحافظ ابن حجر، أحمد بن علی بن محمد العسقلانی (ت ۸۵۲ھ) مطبوع

۸۷۔ الریاض المستطابة فی جملة من روی فی الصحیحین من الصحابة، لیحی أبی بکر العامری الیمنی (ت ۸۹۳ھ) مطبوع

۸۸۔ عین الإصابة فی معرفة الصحابة، لجلال الدین السیوطی (ت ۹۱۱ھ) (۸۲)

مذکورہ کتب میں سے بعض میں ضمناً تابعین وتبع تابعین کا بھی تذکرہ آخر میں بطور نمونہ چند کتب کا تفصیلی پیش خدمت ہے۔

۱۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد (عربی بارہ/جلدیں اردو آٹھ جلدیں)

• سیرت رسول ﷺ تاریخ خلفاء راشدین واخبار صحابہؓ وصحابیاتؓ پر مشتمل ایڈیشن،

تاریخی مجموعہ جواہر عبداللہ محمد بن سعد البصری نے ۲۰۷ھ اور ۲۲۷ھ کی درمیانی دور میں مرتب کیا۔ ابوعبداللہ جو مامون و ہارون کے زمانہ کا عالم ہے۔ ۱۶۸ھ میں بصرہ میں پیدا ہوا۔ عبداللہ کو، ہشام، سفیان ثوری، ابن عیینہ، ابن علیہ، ولید بن مسلم جیسے کبار محدثین سے تلمیذ حاصل ہے۔ آپ کے استاد عمر واقدی بھی تھے، جن کو صحابہؓ جرح و تعدیل نے ثقہ و حجت نہیں مانا، البتہ ابن سعد کو تمام اساطین حدیث ثقہ، حجت، ثبت وصدوق مانتے ہیں، ابن ابی الدنیا (۲۰۸ھ/۸۲۳ء۔ ۲۸۱ھ/۸۹۴ء) جیسا جلیل القدر ادیب بھی ابن سعد کے درس میں بیٹھا کرتا تھا، امام محمد بن حنبل ان کے مجموعہ احادیث منگوا کر ان سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ ابن سعد، غریب القرآن، حدیث، فقہ، تاریخ اور اخبار صحابہؓ جیسے جلیل القدر علوم، میں سرخیل تسلیم کئے جاتے تھے۔

ان کی مرتب کردہ کتاب الطبقات الکبریٰ الطبقات الکبیر سیرت رسول ﷺ اور اخبار صحابہؓ و تابعین میں بنیادی ماخذ و مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ بغداد میں قیام کے دوران یہ کتاب تالیف کی گئی اور مصنف کے دور میں ہی اس کو بیحد مقبولیت حاصل ہوئی۔ (۸۳) اور مولانا عبداللہ العمادی سے ۱۹۴۴ء میں اس کا ترجمہ کرایا اور اسے شائع کیا۔ لیکن یہ ترجمہ مکمل نہ تھا اور صرف ابتدائی پانچ حصوں کا تھا، آخری تین حصے ابھی ترجمہ سے ہی رہے۔ بعد ازاں نفیس اکیڈمی نے مولانا نذیرالحق صاحب میرٹھی سے اس کے آخری حصوں کا ترجمہ کرایا اور اسے شائع کیا، اس طرح یہ قیمتی و دقیع کتاب اب مکمل طور پر اردو زبان میں بھی دستیاب ہے۔ ترجمہ کے اول و دوم حصص نبی کریم ﷺ کی سیرت حصہ سوم خلفاء راشدین، چہارم مہاجرین و انصار پنجم، تابعین و تبع تابعین، ششم اصحاب کوفہ، ہفتم دور آخر کے صحابہؓ تابعین و فقہاء اور ہشتم صحابیات و صحابیات کے عنوان سے ۲۲۱ھ تک کی خواتین اسلام کی سیرتوں پر مشتمل ہے۔ ائمہ اسماء الرجال کے نزدیک محمد بن سعد ایک محقق اور قابل اعتمال راوی ہیں۔

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

> (محمد) بن سعد بن سیع الهاشی مولاهم ابوعبدالله البصری نزیل بغداد کاتب الواقدی و صاحب الطبقات واحد الحفاظ ابکار الثقات (۸۴)

۲۔ اسد الغابة فی معرفه الصحابة

شمائل کے علاوہ ابن اثیر نے نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ کی ایک معجم بہ ترتیب حروف تہجی بھی تیار کی جو "اسد الغابۃ فی تفسیر الصحابۃ" کے نام سے علماء وطلباء میں معروف ہے۔ اس کتاب میں ساڑھے سات ہزار افراد کے حالات زندگی قلمبند ہیں۔(۸۵)

۳۔ تهذیب الکمال فی اسماء الرجال امام مزی الدمشقی

اسما الرجال کی کتاب میں سب سے اہم کتاب امام مزی الدمشقی (ف ۷۴۲ھ) کی تہذیب الکمال فی اسماء والرجال ہے۔ اس کتاب میں امام مزی نے صحاح ستہ کے راویان کرام کے اسمائے گرامی ان کے اساتذہ، تلامذہ اور ان کے بارے میں اصل جرح و تعدیل کے اقوال جمع کیے ہیں، اور اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر بعد میں آنے والے کئی مؤلفین نے اس کتاب کا اختصار اور تہذیب کی ہے۔(۸۶)

عموماً اسما الرجال کی کتابوں میں سیرت نبوی ﷺ بیان نہیں کی جاتی، لیکن امام مزی نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ ان کی کتاب کی ابتدا اس بابرکت تذکرے سے ہو، انہوں نے شروع میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ یہ کتاب اس مقصد کے لئے نہیں ہے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہ کتاب سیرت نبوی ﷺ کے ذکر سے خالی نہ رہے تاکہ برکت حاصل ہو اور آپ ﷺ کا ذکر مبارک شامل ہو سکے۔(۸۷)

اور اس کے بعد انہوں نے آپ ﷺ کا نسب شریف، آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کی سیرت، آپ ﷺ کے اسمائے مبارکہ، آپ ﷺ کی مختصر سیرت بیان کی ہے، اس کے علاوہ آپ ﷺ کی اولاد، حج اور عمروں کی تعداد، غزوات، آپ ﷺ کے ارسال کردہ نمائندے، آپ ﷺ کے چچا اور پھوپھیاں، ازواج مطہرات، آپ ﷺ کے شمائل، جسمانی اور اخلاقی صفات کا تذکرہ کیا ہے۔ اس طرح تقریباً ستر صفحات میں سیرت النبی کا مختصر جائزہ پیش کر دیا ہے، اور اس تذکرے میں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ تمام سیرت صحیح احادیث سے سند کے ساتھ حاصل کی گئی ہے، اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام مزی نے کتب حدیث اور کتب سیرت کی بنیاد پر صحیح ترین معلومات جمع کر دی ہیں۔

۴۔ کتاب الثقات ابن حبان

اسما الرجال کی ایک اور اہم کتاب حافظ ابن حبان (ف ۳۵۴ھ) کی کتاب الثقات ہے، جس میں انہوں نے راوایان حدیث کی ایک کثیر تعداد کا تذکرہ کیا ہے، نو جلدوں میں یہ کتاب دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن سے ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی تھی، اس کی پہلی دو جلدوں میں مؤلف نے سیرت نبوی ﷺ کا تذکرہ بھی شامل کیا ہے، اور امام مزی کے برعکس نسب شریف ذکر کرنے کے بعد آپ ﷺ کی مکی زندگی کے حالات بھی بیان کئے ہیں، جو کہ تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہیں، اور اس کے بعد ہجرت کا ذکر شروع کیا ہے اور باقی سیرت طیبہ تسلسل زمنی کے ساتھ سال بہ سال کے واقعات بیان کئے ہیں۔

حافظ ابن حبان نے محدثین کے طریقے کے مطابق روایات کو سند کے ساتھ ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے، اور ہر سال کے اہم واقعات میں غزوات، سرایا، تاریخ ولادت و وفات اور اس سال میں وقوع پذیر ہونے والے اہم واقعات بیان کئے ہیں، اور ان کا طریقہ خلیفہ بن خیاط کے طریقے سے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔

حافظ ابن حبان کے اہم مصادر میں کتب حدیث اور کتب سیرت مثلاً سیرت ابن ہشام اور مغازی واقدی شامل ہیں۔

تہذیب الکمال کی طرح کتاب الثقات میں بھی یہی کوشش نظر آتی ہے کہ سیرت کی صحیح روایات سند کے ساتھ جمع کردی جائیں، ان کتابوں میں مذکورہ سیرت طیبہ ہمارے لئے دوسری کتابوں کی بہ نسبت کوئی جدید معلومات نہیں دیتی، لیکن ہر مؤلف جب اپنی سند سے روایت بیان کرتا ہے تو کثرت روایات تقویت کی باعث بنتی ہیں، اور مختلف روایات کے جمع ہونے سے کئی الفاظ اور واقعات کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ طبقات اور تاریخ کی کتابوں کے ذریعے سے ہمیں واقعات کے تسلسل اور ترتیب کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے، اور اسماء الرجال کی کتب ہمیں سند کے ذریعے سے مزید تقویت بہم پہنچاتی ہیں۔

اس جائزے سے ایک اہم نقطہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کتب سیرت و تاریخ کے ساتھ کتب حدیث سے سیرت حاصل کرنا نہایت ضروری ہے، اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کتب سیرت و تاریخ میں بہت روایات مرسل اور منقطع اسانید کے ساتھ بیان کردی جاتی ہیں، جبکہ کتب حدیث میں روایات متصل سند کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں، جن کی وجہ سے کتب

سیرت کی روایات کی توثیق ہو جاتی ہے۔

اگر یہی منہج اپنایا جائے تو ہم سیرت نبویہ ﷺ کو انتہائی مکمل اور صحیح انداز میں پیش کر سکتے ہیں اور یہ نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۔ کتب سیرت سے حاصل کردہ معلومات کے بارے میں مکمل یقین اور اطمینان کا حصول۔

۲۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کئی نئی معلومات کا اضافہ، اس لئے کہ کتب سیرت اور تاریخ عموماً مغازی وغیرہ کو اہمیت دیتی ہیں، جبکہ کتب حدیث سے ہم بہت سی اجتماعی، اقتصادی اور انتظامی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

۳۔ موٴرخین کے درمیان اختلافی مسائل کی وضاحت، مثلاً غزوہ بنی المصطلق کے بارے میں امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اچانک حملہ کیا تھا، جبکہ کتب سیرت کا دعویٰ ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں پہلے خبردار کیا تھا اور تیاری کے بعد مریسیع کے مقام پر جنگ ہوئی تھی۔ اس مسئلے میں تین آرا پائی جاتی ہیں۔

۱۔ جنگ سے پہلے دعوت دینا واجب نہیں ہے، یہ امام مازری اور قاضی عیاض کی رائے ہے۔

۲۔ دعوت دینا واجب ہے، امام مالک کی رائے ہے۔

۳۔ جس کو دعوت پہلے نہ پہنچی ہو اس کو دعوت دینا لازمی ہے اور جس کو پہنچ چکی ہو اس کے لئے دعوت دینا لازمی نہیں ہے، اور یہ رائے امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد کی ہے، اور یہی راجح ہے۔ (۸) اور اس راجح موقف کی تائید امام بخاری کی روایت سے ہوتی ہے، اس صورت میں کتب سیرت اور تاریخ کی روایت کو قوی قرار دینا صحیح نہیں ہوگا۔

۴۔ مسلمان اہل علم کی کوششوں اور محنتوں کا بہترین ثمر ہمارے سامنے موجود ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہر قسم کی معلومات جمع کر دی گئی ہیں، ان میں وہ روایات بھی ہیں جو کہ اصول حدیث کے قواعد و ضوابط کے مطابق صحیح یا حسن کے درجے میں ہیں، اور اس کے علاوہ وہ روایات بھی ہیں جو کہ مطلوبہ معیار پر پوری نہیں اترتیں، لیکن سند کی موجودگی میں ان کو آسانی سے

پر کھا جا سکتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ایسے تمام وسائل مہیا کر دیئے جن کے ذریعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ بالکل محفوظ و مصون ہوگئی اور ہر زمانے اور ہر عہد میں مسلمان اس اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اپنی زندگی کے مسائل حل کرتے چلے آ رہے ہیں۔

۵۔ **تواریخ امام بخاری**

امام بخاری (م ۲۵۶ھ) نے فن اسماء الرجال میں تین کتابیں تالیف کیں، **۱۔التاریخ الکبیر، ۲۔ التاریخ الاوسط، ۳۔ التاریخ الصغیر، "التاریخ الکبیر"** امام بخاری نے اٹھارہ برس کی عمر میں مرتب کی اور اس میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔"التاریخ الصغیر" میں آنحضرت ﷺ کے لئے پندرہ صفحات وقف ہیں اور باقی کتاب میں مہاجرین و انصار، صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کے انتقال کے سنوں، نسب اور کنیت وغیرہ کی بحث ہے۔ امام صاحب نے طریق کار یہ اختیار کیا ہے کہ ایک سن میں جن جن اصحاب نے انتقال کیا تھا، ان سب کا ایک جگہ تذکرہ کیا ہے اور پھر اگلے سن میں وفات پانے والوں کا سلسلہ وار ذکر ہے۔"التاریخ الاوسط" بھی اس فن کی ایک مفید کتاب ہے۔

۶۔ **کتاب الجرح و التعدیل**

یہ علامہ احمد بن عبداللہ العجلی (م ۲۶۱ھ) کی کتاب کا نام ہے اور اپنے فن کی ایک اہم کتاب ہے۔ اسی نام کی ایک کتاب امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (م ۳۲۷ھ) کی بھی ہے۔ عقیلی نے بھی رجال پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جو خاص ضعیف الروایہ لوگوں کے احوال پر مشتمل ہے۔ امام دارقطنی کی کتاب بھی ضعیف الروایہ اشخاص کے حال میں ہے۔ **"کتاب الکامل فی معرفتہ الضعفا و المتروکین"** بھی اسی قسم کی کتاب ہے۔ جو ابواحمد عبداللہ بن محمد ابن عدی کی تالیف ہے اور فن اسماء الرجال کی سب سے مشہور کتاب ہے۔ تمام محدثین اور متاخرین نے اسے اپنا ماخذ قرار دیا ہے۔ یہ سب کتابیں مشہور ہونے کے باوجود اب تقریباً ناپید ہیں، البتہ اب جن کتابوں کا ذکر آ رہا ہے، وہ موجود ہیں اور شائع ہو چکی ہیں۔

۷۔ **استیعاب فی معرفۃ الاصحاب**

حافظ ابوعمرو یوسف بن عبدالبر اندلسی (م ۴۶۳ھ) کی دو جلدوں پر مشتمل مشہور کتاب ہے۔ یہ پہلے حیدر آباد دکن میں اور پھر مصر میں شائع ہوئی۔

۸۔ **الکمال فی معرفۃ الرجال**

حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی (م ۶۰۰ھ) کی تصنیف ہے۔

۹۔ **میزان الاعتدال فی نقد الرجال**

امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) کی تصنیف ہے اور تین جلدوں میں ہے۔ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے اس پر اضافہ کر کے "**لسان المیزان**" نام رکھا۔ علاوہ ازیں ذہبی کی ایک کتاب "**الاصابہ فی تجرید اسماء الصحابہ**" ہے جس میں صحابہ کے ناموں کی فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے دی گئی ہے۔ اس کی بنیاد زیادہ تر ابن اثیر کی "اسد الغابہ" پر ہے۔

۱۰۔ **تہذیب التہذیب**

ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) کی بارہ جلدوں پر مشتمل مشہور تصنیف ہے، جو آٹھ سالوں میں مکمل ہوئی۔ انہیں کی ایک اور کتاب:

۱۱۔ **الاصابہ فی تمیز الصحابہ**

اس میں ابن حجر نے "**طبقاتِ ابن سعد**" "**الاستیعاب**" اور "**اسد الغابہ**" کا نہ صرف مواد جمع کیا ہے بلکہ اس میں مفید اضافے بھی کئے ہیں۔ "**الاصابہ**" مصر میں پہلے آٹھ جلدوں میں اب چار جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں معلومات کا لاجواب خزانہ ہے۔ اس کتاب کے بے شمار حوالے کتب سیرت میں آئے ہیں۔

ان کتابوں میں استیعاب، اسد الغابہ اور اصابہ خاص طور پر صحابہ کرامؓ کے تذکرے کے لئے وقف ہیں، لیکن ان میں بالواسطہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و واقعات بھی کافی تعداد میں شامل ہیں، جو سیرت کی کتابوں کا ایک اہم ماخذ ہیں۔ لہٰذا سیرت نگار کو چاہئے وہ علم رجال حدیث نبوی ﷺ پر لکھی جانے والی کتب سے استفادہ کرے۔

تمت بالخیر

دسویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص/۲۴

۲۔ خالدی، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ص/۵۴۔۵۵، بحوالہ الاصابۃ انگریزی کا مقدمہ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۳ء

۳۔ نعمانی، علامہ شبلی، سیرت النبی ج/۱ ص/۳۹

۴۔ دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث، عجالہ نافعہ ص/۲

۵۔ ابن الجوزی، تلقیح فہوم اہل الاثر، مطبوعہ انڈیا ص/۱۸۴، اور علم رجال الحدیث الدکتور تقی الدین ندوی المظاہری مکتبۃ الایمان مدینۃ ۱۹۸۷ء

۶۔ احمد بن محمد شاکر، الطباعت الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث مطبوعہ قاہرہ، ص/۱۸۸، اور حافظ سخاوی، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث مدینۃ منورہ ۱۳۸۸ھ، ج/۳ ص/۱۰۷

۷۔ بن قانع البغہ روی الحنفی، أبي الحسین عبدالباقی، معجم الصحابۃ، ج/۱ ص/۷۵، مزید دیکھیں کتاب الثقات لابن حبان

۸۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ، ص/۱۶۷۔۱۶۸

۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۱ اور الضعفاء الکبیر ۱/۱۰، مکتبہ علمیہ، بیروت

۱۰۔ الضعفاء الکبیر، ۱/۹،۱۰، تذکرۃ ۱/۱۰،

۱۱۔ الضعفاء الکبیر، ۱/۱۰، تذکرۃ ۱/۱۰

۱۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، ۲/۱، دارالفکر، بیروت

۱۳۔ ایضاً، کتاب العلم، ۱/۳۵

۱۴۔ علوم الحدیث، ۲۶۴،

۱۵۔ علوم الحدیث ص/۲۷۱

۱۶۔ مسلم، الجامع، مقدمہ ۱/۱۱، ابن رجب، شرح العقل، ص/۸۱،

تحقیق صبحی جاسم، مطبوعہ بغداد

۱۷۔ خطیب بغدادی، شرف اصحاب الحدیث، ۴۱، مطبوع انقرہ، ۱۹۷۱ء

۱۸۔ عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب القرشی الہاشمی (م ۶۸ھ) صحابی جلیل۔ "حبر الامہ" کے نقب سے ملقب تھے۔ علوم دینیہ سے گہرا لگاؤ تھا۔ حضرت عمر ابن عباسؓ کا خصوصی خیال فرماتے۔ تذکرہ الحفاظ، ۱/۴۰، حلیہ الاولیاء، ۱/۳۱۴

۱۹۔ عبادۃ بن الصامت (م ۳۴ھ) مشہور صحابی، غزوات میں شریک ہوئے، سادات صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ تقریباً دو سو ۲۰۰/احادیث روایت کیں۔ تہذیب، ۵/۱۱۱، حسن المحاضرۃ ۱/۸۹، سیر، ۲/۵، الجرح والتعدیل، ۶/۹۵

۲۰۔ انس بن مالک الخزرجی الانصاری (م ۹۳ھ) رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص تھے۔ بچپن میں اسلام سے مشرف ہوئے۔ بصرہ میں وفات پائی۔ تذکرۃ ۱/۴۴، تہذیب، ۱/۳۷۶، تہذیب ابن عساکر، ۳/۱۳۹

۲۱۔ سعید بن المسیب المخرومی، القرشی (م ۹۴ھ) سید التابعین، مدینہ منورہ کے فقہاء میں سے تھے۔ طلب علم کے لئے مختلف شہروں کے سفر کئے، تعبیر رؤیا میں دسترس رکھتے تھے۔ طبقات ابن سعد، ۵/۱۱۹، تذکرہ ۱/۵۱، وفیات، ۲/۳۷۵،

۲۲۔ عامر بن شراحیل الشعبی الحمیری (م ۱۰۳ھ) ثقہ محدث اور اس اجل فقیہ تھے۔ ضرب المثل حافظے کے مالک تھے۔ تاریخ بغداد، ۱۲/۲۲۷، وفیات، ۳/۱۲، تہذیب ۵/۶۵، تذکرہ ۱/۷۴

۲۳۔ محمد بن سیرین البصری (م ۱۱۰ھ)، تابعی، علوم دینیہ میں اپنے وقت کے امام تھے۔ خوابوں کی تعبیر کے سلسلے میں شہرت رکھتے تھے، زاہد و عابد تھے۔ تاریخ بغداد، ۵/۳۳۱، وفیات، ۴/۱۸۱، تہذیب ۹/۲۱۴، تذکرہ ۱/۷۳

۲۴۔ خالدی، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول، ص/۱۶۸

۲۵۔ جامع المسانید لابن کثیر ۶/۱۳۶

۲۶۔ فتح المغیث ۳/۱۲۰، الإعلان بالتوبیخ، ص/۹۵

۲۷۔ الرسالة المستطرفة: ۱۲۷
۲۸۔ جامع المسانيد، ۱۲۱/۲
۲۹۔ جامع المسانيد، ۱۱۹/۲
۳۰۔ معرفة الصابة، ترجمة رقم ۱۱۳، ۱۳۸، ۲۵۳، الإصابة، ۳/۲
۳۱۔ معارفة الصحابة، ترجمه رقم ۳۸، ۱۵۲، الرسالة المستطرفه، ص/۷۶
۳۲۔ الإصابة، ۱/۱۵۰، ۳۷۲،
۳۳۔ الفهرست، ص/۲۸٦، تاريخ التراث العربى، ۲۲۲/۱، مكتبة أحمد الثالث باسطنبول، رقم (۲٦/٦۲۳) فى ۱۹ لوحة،
۳۴۔ طبع بتحقيق د، عبدالغفار سليمان البندارى، والعيد بن هيونى رغلول، ۱۴۰۸ھ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۳۵۔ جامع المسانيد، ۱۵٦/۲
۳۶۔ معرفة الصحابة، ترجمة رقم ۲۸۸، جامع المسانيد، ۱۳۹/۱
۳۷۔ الإعلان بالتربيخ، ص/۹۵، طبقات الحظاظ، ص/۲۵۳
۳۸۔ جامع المسانيد، ۳۳/۱
۳۹۔ جامع المسانيد، ۱۵٦/۱
۴۰۔ طبع بتحقيق الشيخ/ عماد الدين احمد حيدر، نشرته مؤسنة الكتب الشقافيه فى بيروت سنة ۱۴۰٦ھ
۴۱۔ جامع المسانيد، ۳۱/۱
۴۲۔ تذكره الحفاظ، ۵۹٦/۲، الإعلان بالتربيخ، ص/۹۳، الرسالة المستطرفة، ص/۱۳۰، مرارد الخطيب، ص/۱۳۸
۴۳۔ جامع المسانيد، ۵۵/۳
۴۴۔ جامع المسانيد، ۸٦/۱
۴۵۔ جامع المسانيد، ٦۳/۱، الإ صابة ۳/۱، الإعلان بالتربيخ، ص/۹۵، فتح المغيث، ۸۳/۳، الرسالة المستطرفة، ص/۱۳٦،

۴۶۔ الإصابة، ۱/۳، فتح المغیث، ۳/۸۴
۴۷۔ الإصابة، ۱/۳، الإعلان بالتربیخ، ص/۹۵، فتح المغیث، ۳/۸۴
۴۸۔ الاستیعاب، ۱/۲۳
۴۹۔ الاستیعاب، ۱/۲۳
۵۰۔ الإصابة، ۱/۳، فتح المغیث ۳/۸۴
۵۱۔ الإصابة ۱/۳، فتح المغیث، ۳/۸۵، الرسالة المستظرفة ص/۱۳۶
۵۲۔ المعجم المفهرس ۱/۳۱۵، معجم المؤلفین، ۴/۶۰، فهرس مخطوطات الظاهریة، ص/۱۷۸، تاریخ التراث العربی، ۱/۲۸۲
۵۳۔ الإستیعاب، ۱/۲۴
۵۴۔ فتح المغیث ۳/۸۴
۵۵۔ فتح المغیث ۳/۱۲۰
۵۶۔ فتح المغیث ۳/۱۲۰
۵۷۔ کشف الظنون ۲/۱۲۷۵
۵۸۔ تذکرة الحفاظ ۳/۸۵۸، طبقات الحفاظ، ص/۳۵۲، تاریخ التراث العربی، ۱/۳۴۳
۵۹۔ معرفة الصحابة، ترجمة رقم ۵۱، جامع المسانید، ۲/۲۱۸
۶۰۔ تذکرة الحفاظ، ۳/۹۳۷، الإصابة ۱/۳، الإعلان بالتربیخ، ص/۹۵، الرسالة المسترطقة ص/۱۲۷
۶۱۔ الإصابة ۱/۳، فتح المغیث ۳/۸۴، الرسالة المستطرفة ص/۱۲۷، تاریخ التراث العربی ۱/۳۰۹
۶۲۔ تاریخ التراث العربی ۱/۳۲۳
۶۳۔ جامع المسانید، ۱/۹۲. ۳/۱۸۸
۶۴۔ تذکرة الحفاظ، ۳/۳۹۰، الرسالة المسترطفة ص/۱۴۵
۶۵۔ الإعلان بالتربیخ، ص/۹۵، الرسالة المسترطفة ص/۱۲۶
۶۶۔ تاریخ التراث العربی ۱/۳۴۱

۶۷۔ تاریخ التراث العربی ۱/۳۴۳

۶۸۔ الإصابة ۱/۳، الرسالة المسترطفة ص/۱۲۷، اسد الغابة ۱/۱۰، سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۳۳، الإصابة ۱/۳، الإعلان بالتربیخ، ص/۹۵، الرسالة المسترطفة ص/۱۲۷، تاریخ التراث العربی ۱/۳۵۴، فہرست مکتبہ عارف حکمت (بخط الاله الکانبة) ص/۱۹،

۶۹۔ الرسالة المسترطفة ص/۱۳۶

۷۰۔ طبقات الحفاظ ص/۳۵۲، الرسالة المستطرفة، ص/۱۰۵

۷۱۔ توجدمنه نسخة مخقوطه کاملة فی مکتبة احمد الثالث باسطنبول تحت رقم ۴۹۷، بعنوان، طبقات الصحابة، وطبع جزء من اول الکتاب بتحقیق د، محمد راضی بن حاج عثمان فی ۱۴۰۸ھ، فی ثلاثة اجزا،

۷۲۔ منهاج السنة ۴/۵۳، سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۴۵۶، تذکرة الحظاظ ۴/۱۰۹۷، طبقات الشافعية ۴/۲۲، طبقات الحفاظ، ص/۴۲۳، کشف الظنون ۲/۱۲۷۶، الرسالة المستطرفه ص/۵۸،

۷۳۔ الإعلانبالتوبیخ ص/۹۵، طبقات الحفاظ، ص/۴۲۴، الرسالة المستطرفه ص/۵۱

۷۴۔ الإصابة ۱/۳، الرسالة المستطرفه ص/۲۰۳، الرسالة المستطرفه ص/۴

۷۵۔ الرسالة المستطرفه ص/۱۳۶

۷۶۔ اسد الغابة ۱/۱۰، الإصابة ۱/۴، فتح الباری ۱/۳۲۳

۷۷۔ طبقات الحفاظ ص/۳۸۲

۷۸۔ الرسالة المستطرفه ص/۲۰۴

۷۹۔ الرسالة المستطرفه ص/۲۰۳، وأنبه هنا أن بعض هذه المصنفات لا یختص بالصحابة، بل اشتمل علی،

۸۰۔ الرسالة المستطرفه ص/۲۰۴

۸۱۔ الرسالة المستطرفه ص/۲۰۴

۸۲۔ تدریب الراوی ۲/۲۰۸، کشف الظنون، ۱/۱۰۶، الرسالة المستطرفه ص/۱۵۳، انظر، کتاب بحرث فی تاریخ السنة . د. اکرم ضیاء العمری

۸۳۔ صدیقی محمد سعید، مسلمان مؤرخین کا اسلوب تحقیق ص/۲۶

۸۴۔ ابن حجر، شهاب الدین ابن الفضل احمد بن علی، العسقلانی، تهذیب التهذیب حیدر آباد دکن، ۱۳۲۶ھ، ج/۹، ص/۱۸۲

۸۵۔ ابن اثیر کے حالات زندگی مرتب کرنے میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا۔

الف۔ الموسوعه العربیه السیره ص/۹

ب۔ الجزری، عزالدین ابن اثیر، اللباب فی تهذیب اانانساب، بغداد ج/۱، ص/۲.۵

ج۔ الجزری، مبارک بن محمد اثیر، جامع الاصول من احادیث الرسول (بیروت ۱۹۸۰) ج/۱

د۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (لاہور ۱۹۸۰ء) ج/۱، ص/۳۱۸

۸۶۔ مقدمہ تہذیب الکمال از ڈاکٹر بشار عواد معروف، ۱/۵۱۔۷۱

۸۷۔ تہذیب الکمال، ۱/۱۷۴

۸۸۔ نیل الاوطار، شوکانی ۷/۲۶۲،

تمت بالخیر

گیارہواں اصول: علم تاریخ ہے

کہا جاتا ہے کہ علم تاریخ دیگر علوم کی بنسبت اتنا قدیم ہے جتنا خود انسان یعنی انسانوں کے ساتھ اس علم کا آغاز ہوتا ہے، لیکن میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ علم انسان سے بھی زیادہ قدیم ہے، جیسا کہ قرآنی قصص تاریخ آدم اور تخلیق کائنات کے تذکرہ سے واضح ہوتا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے تحریری تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود تحریر۔

لغوی و اصطلاحی تعریف: تاریخ History سے مراد دن، رات، مہینے یا کسی چیز کے ظہور کا وقت یا ایسا فن یا کتاب ہے جس میں مشہور افراد و حکمرانوں، روایات قصوں اور جنگوں کے حالات کا بیان ہو(۱) جوہری کہتے ہیں، تاریخ وقت کی تعریف کا نام ہے اور توریخ کا بھی یہی مفہوم ہے، اس کا مادہ اُرخ ہے۔ بمعنی نئی چیز نوزائیدہ۔(۲)

تاریخ کا لغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں۔ التاریخ حریف الوقت، والتوریخ مثلہ۔(۳) تاریخ وقت کو پہچاننے کا نام ہے اور توریخ بھی اسی طرح ہے۔ یعنی انسان جس علم کے ذریعہ "وقت" اور حوادث وقت و زمانہ کو پہچانے وہ علم تاریخ کہلاتا ہے۔ لفظ تاریخ اردو اور عربی میں مشترکہ لفظ ہے اور اصلی وضع کے اعتبار سے عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی کی ادائیگی کے لئے اردو میں کوئی مخصوص لفظ نہیں ہے۔ بلکہ اس لفظ کو اردو میں منتقل کرلیا گیا ہے۔

تاریخ کے لغوی مفہوم کی وضاحت کے بعد علم التاریخ کی اصطلاحی تعریف بیان کی جاتی ہے۔ تاریخ کے اصطلاحی معنی عربی انسائیکلوپیڈیا میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

هوقصة ماضي انسان او هو عرض منظم مكتوب
للاحداث و خاصة تلك التي نو ترقي امة او نظام او

علم او فن۔ (۴)
تاریخ ماضی کے انسان کا قصہ بیان کرنے کو یا اس منظم معروض کو کہتے ہیں جو ان خصوصی واقعات کے متعلق ہو کہ جو کسی امت، نظام، علم یا فن میں امتیازی حیثیت رکھتے ہوں۔

آگے چل کر موسوعہ ایک مزید شرط کا اضافہ کرتا ہے کہ محض کسی وقت و زمانہ کے واقعات کو من وعن نقل کر دینا تاریخ کی تعریف پر پورا نہیں اترتا بلکہ:

بل یسمی الی ایضاح اسباب هذه الاحداث و دلالاتها (۵)
بلکہ تاریخ کا نام اس وتیقہ کو دیا جائے گا کہ جس میں بیان کردہ واقعات کے اسباب اور نتائج کا بھی ذکر ہو۔

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں یہ تعریف بیان کی گئی ہے۔ انسانی حظا پذیر شہادت و فہم کے مطابق قصہ ہائے پارینہ کا زیادہ صحت کے ساتھ بیان تاریخ کہلاتا ہے۔ (۶)

علم تاریخ کی پہلی تعریف پر غور کیا جائے تو ہمیں تاریخ کے متعدد شعبوں کا علم ہوگا۔ جن کا ذکر ان الفاظ میں کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ ماضی کے انسان کا قصہ اور اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا بیان۔
۲۔ کسی قوم کے امتیازی حیثیت کے حامل چند واقعات۔
۳۔ کسی نظام کی چند امتیازی خصوصیات
۴۔ کسی علم کی حدود و غایات
۵۔ یا کسی فن کی تاریخ
۶۔ یہ تمام معروضات ایک منظم شکل میں مربوط انداز میں کی گئی ہوں، یعنی ایسے غیر مربوط واقعات جو یا تو تحریری شکل میں موجود نہ ہوں یا موجود ہوں تو انتشار و افتراق کا شکار ہوں اور ربط و ارتباط سے یکسر محروم ہوں، تاریخ کہلانے کے مستحق نہیں۔

یعنی ایک مورخ کا فرض یہ ہے کہ وہ واقعات کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان واقعات کا تنقیدی نظر سے جائزہ بھی لے، ان واقعات وحوادث کے اسباب بھی بیان کرے

اور نتائج سے بھی غالب تاریخ کو آگاہ کرے۔ تاکہ استفادہ کرنے والے لوگ ماضی سے اس بات کا علم حاصل کر سکیں کہ اقوام سابقہ کے حالات کیسے گزرے اگر اچھی حالت و کیفیت میں گزرے ہیں تو اس کے اسباب اور پس منظر میں حالات کیا تھے، اور اگر وہ مادی و روحانی طور پر پسماندہ زندگی گزارتے رہے تو اس کے اسباب کیا تھے؟ تاکہ آنے والی قوم اچھے نتائج کو پیدا کرنے والے اسباب کو اختیار کرنے کی کوشش کرے اور تباہی پر منتج ہونے والے اسباب سے اپنے آپ کو محفوظ و مامون رکھے۔(۷)

تاریخ کی اقسام فوائد و مآخذ: ڈاکٹر صادق علی گل نے تاریخ کی بہت سی اقسام بیان کی ہیں، سوانحی، سیاسی، معاشی، جنگی، مذہبی، تمدنی، فلسفی، سائنسی (۸) وغیرہ جس سے تاریخ کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ تاریخ سے عظیم لوگوں کے حالات معلوم ہوتے ہیں اور انسان انہی جیسا بننا چاہتا ہے۔ انسانی شعور و آگاہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ وسعت فکر و نظر پیدا ہوتی ہے۔(۹) بعد میں عام مؤرخین اپنی تاریخ کی تدوین کے لئے جن مآخذ سے استفادہ کرتے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں جس میں سے اہم مآخذ پرائیویٹ و سرکاری دستاویزات۔ معاہدات و منشورات، سرکاری اعلانات، خط و کتابت، سفرنامے، سوانح عمریاں، تذکرے، وصیت نامے، وقائع، چارٹ وغیرہ شامل ہیں۔(۱۰)

قرآن اور تاریخ: قرآن کی رو سے علم کے تین ذرائع ہیں، یعنی تین اہم مآخذ ہیں، ا۔علم بایولوجی، ۲۔علم بالحواس، ۳۔علم بالتاریخ یہی وجہ ہے قرآن نے تاریخ کا علم حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

نحن نقص علیک احسن القصص بما او حینا الیک
ھذا القرآن وان کنت من قبلہ لمن الغافلین۔(۱۱)

ہم آپ کے سامنے عمدہ قصے بیان کرتے ہیں اس قرآن کی وحی کے دوران، جبکہ اس سے قبل آپ اس سے بے خبر تھے۔

دوسری جگہ فرمایا

فاقصص القصص لعلھم یتفکرون (۱۲)

ان کے سامنے (تاریخی) قصہ بیان کرو تاکہ غور کریں، اس میں عبرت

ونصیحت ہے عقلمندوں کے لئے (۱۳)

ان اقوام سابقہ کے قصص کو اس لئے بیان کیا کرتے ہیں تاکہ آپ اور آپ ﷺ کی امت آگاہ ہو جائے کہ امم سابقہ میں سے کون لوگ صالح و متقی تھے، اور کون فساق و فجار تھے اور ہر دو طبقہ کا انجام کار کیا ہوا۔ ارشاد الٰہی ہے:

لقد كان في قصصهم عبرة لاولي الباب ماكان حديثا يفترى ولكن تصديق الذى بين يديه و تفصيل كل شيئى و هدى ورحمة لقوم يؤمنون (۱۴)

(ان انبیاء و امم سابقین) کے قصہ میں سمجھدار لوگوں کے لئے بڑی عبرت ہے، یہ قرآن جس میں یہ قصے ہیں کوئی تراشی ہوئی بات تو نہیں ہے۔ (کہ اس میں عبرت نہیں ہوتی) بلکہ اس سے پہلے جو (آسمانی) کتابیں ہو چکی ہیں، یہ ان کی تصدیق کرنے والا ہے اور ہر (ضروری) بات کی تفصیل کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لئے ذریعہ ہدایت و رحمت ہے۔

فرعون کے غرور و تکبر کو، حضرت موسیٰ سے بغاوت و نافرمانی کو اور اس کے رب الاعلیٰ کے نام نہاد اعلان کو نقل کرنے کے بعد فرمایا:

فاخذه الله نكال الاخرة ولاولى ان فى ذالک لعبرة لمن يخش (۱۵)

کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا بیشک اس (واقعہ) میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے، جو (اللہ تعالیٰ) سے ڈرے۔

معلوم ہوا کہ قرآن اقوام سابقہ کی تاریخ اس وجہ سے نقل کرتا ہے کہ اہل ایمان غفلت سے بیدار ہو کر سبق حاصل کریں کہ کن اقوام نے اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا طریقہ اختیار کیا اور اسے اس کی کیا جزا ملی؟ اور کن اقوام نے اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت اور سرکشی کا طریقہ اختیار کیا اور اس پر انہیں کیا سزا ملی، تاکہ اہل ایمان ان

اعمال کو اختیار کریں، جن کی بنا پر اقوام سابقہ کو انعام واکرام سے نوازا گیا اور اعمال فاسقہ و فاجرہ سے بچیں جن کی بنا پر اقوام سابقہ عذاب وغضب الٰہی کا نشانہ بنیں۔

چنانچہ تاریخ میں جو معرفت وقت کا نام ہے، کے حاصل کرنے کی غرض و غایت اور اس کا مقصود یہی ہونا چاہئے کہ انسان کی آنکھیں، دل و دماغ سبق عبرت حاصل کریں۔

علامہ ابن خلدون مقدمہ میں تاریخ کی فصیلت اس بنیاد پر ثابت کرتے ہیں۔

وفی باطنه نظر و تحقیق و تحلیل للکائنات و مبادیها الرفیق و علم بکیفیات الوقائع و اسالیبها عبق فهو لذالک اصل فی الحکمة عریط (١٦)

اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو تاریخ میں تحقیقی نظریات بھی ہیں اور کائنات کے لطیف علل و مبادی بھی اور اسی طرح واقعات کی کیفیات و اسباب کا گہرا علم بھی ہے۔ اس لئے تاریخ کی فلسفہ وحکمت میں گہری جڑیں ہیں اور یہ اس لائق ہے کہ اسے علوم حکمت میں شمار کیا جائے۔

یعنی ابن خلدون کے نزدیک تاریخ محض واقعات کو نقل کر دینے کا نام نہیں بلکہ ان واقعات کے اسباب وعلل کا جائزہ بھی مورخ کا فرض ہے۔

سیرت کا تاریخ سے تعلق: جیسا کہ آپ نے مطالعہ کیا، تاریخ کی بنیاد راوی ہے جس کی وجہ سے علم رجال وجود میں آیا، اسی طرح سیرت بھی ایک حیثیت میں تاریخ ہے اس لئے کہ تاریخ کے دائرہ میں سوانح بھی داخل ہے۔ جو کتابیں تاریخ اسلام والمسلمین کے حوالہ سے مرتب کی گئی ہیں ان میں سے اکثر کا ابتدائی حصہ یا درمیانی حصہ سیرت طیبہ ﷺ پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے اصول سیرت میں سے ایک اصول تاریخ کو قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ مثلاً طبقات ابن سعد کی ابتدائی دو جلدیں سیرت پر ہیں۔

۲۔ المعارف لابن قتیبہ دیگر انبیاء کے ساتھ ہمارے نبی کا نسب نامہ وکوائف ہیں۔

۳۔ المحبر بن حبیب میں آپ ﷺ کی سیرت اولاد، ازواج، غزوات وخلفاء کا ذکر ہے۔

۴۔ تاریخ طبری میں سیرت کا مواد موجود ہے؟
۵۔ تاریخ مدینة دمشق لابن عساکر . کی پہلی جلد سیرت پر ہے۔
۶۔ المنتظم فی تاریخ الملوک والامم میں بھی سیرت النبی ﷺ ہے۔
۷۔ المختصر فی اخبار الشبر خلاصه الکامل لابن الاثیر
۸۔ البدایة والنہایة لابن کثیر تقریباً ۷۰۰ صفحات کے مواد پر مشتمل ہے۔
۹۔ تاریخ الاسلام محمد حسین ذھبی جلد اول سیرت پر مشتمل ہے۔

سیرت نگار تاریخ کی مدد سے سیرت طیبہ کی کڑیاں باہم مربوط کرسکتا ہے اور سیرت کو زیادہ نکھار کر پیش کرسکتا ہے۔ مثلاً ہجرت حبشہ پر لکھنے والا اسی وقت حق ادا کرے گا جب وہ حبشہ کے حکمرانوں، حبشہ کی تاریخ اہل حبشہ کے مذاہب وغیرہ سے استفادہ کرکے لکھے گا اور یہ مواد سیرت سے نہیں بلکہ تاریخ سے ملے گا۔

عرب میں تاریخ کا تدوینی ارتقاء: مورخ کی سب سے اولین شرط تو یہ ہے کہ جس وقت و زمانہ کے حالات وحوادث پر وہ تاریخ مرتب کررہا ہے۔ ان حالات کا بخوبی علم رکھتا ہو۔ اور اگر اس کا علم مشاہداتی ہو تو تاریخ کی ترتیب میں اس کی تحقیق وتوثیق میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ ان واقعات کو دیانتداری سے نقل کرے۔ مؤرخ کی دوسری شرط جو تاریخ کی تعریف کے ضمن میں بھی آئی وہ یہ ہے کہ ایک مورخ محض واقعات کا علم اور اس کو نقل کرنے کی صلاحیت ہی نہ رکھتا ہو، بلکہ اس پر مستزاد یہ کہ وہ ان واقعات کے اسباب پس منظر اور وجوہات پر بھی گہری نظر رکھتا ہو، اور پھر ان کے عواقب ونتائج سے بھی بنظر عمیق آگاہ ہو اور ان کو نقل بھی کرے۔(۱۷)

مورخ کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ جس زمانہ کے حالات و واقعات تحریر کررہا ہے اس زمانہ کی اور اس زمانہ میں زندگی گزارنے والوں کی ثقافت، تمدن اور تہذیب پر پوری دسترس رکھتا ہو اور اس پر منظر میں ان کے حالات کا جائزہ لے۔ یعنی محض حالات نقل کردینا، پھر اس پر تنقید کردینا اور نتیجہ ومحاکمہ تنقید قائم کردینا ہی کافی نہیں ہوتا، بلکہ مورخ کی تنقید، اس وقت زیادہ قابل فہم معلوم ہوتی ہے جب وہ اس قوم کے تمدن و معاشرت سے آگاہ ہو۔(۱۸)

تاریخ عرب اور تاریخ اسلام کے حوالہ سے بہت بڑا ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے۔ لیکن بدقسمتی سے زمانہ جاہلیت میں متداول کتابوں کے ناموں سے ہم ناآشنا ہیں۔ بعض مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ چند ایک عالم قدیم کتابوں کو پڑھایا، جمع کیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں سزگین سے استفادہ کرتے ہوئے جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے مذکورہ کتابوں میں خانہ کعبہ کی تاریخ بھی ہوتی تھی، جس سے ایک بڑے مورخ وہب بن منبہ (۱۱۰ھ/۷۲۸ء یا ۱۱۴ھ) نے بھی استفادہ کیا تھا۔ (۱۹) اس تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے اہل مکہ کعبہ کے نقوش (کتبات) کی اپنی تاریخ میں اہمیت سے بخوبی واقف تھے اور یمنیوں، یہودیوں اور عیسائی راہبوں کی مدد سے ان کو سمجھا کرتے تھے۔

اگرچہ اسلام نے علم تاریخ کے ذوق کو نئے آفاق سے آشنا کیا تھا، لیکن عربوں کا زمانہ جاہلیت کی تاریخ اور واقعات سے شغف کم نہ ہوسکا۔ بہت سے کبار صحابہؓ عالم انساب تھے۔ اسی طرح بہت سے تابعین، جنہوں نے مغازی اور فتوح اسلامیہ پر کتابیں لکھی تھیں، ماہر انساب تھے۔

مقام افسوس ہے کہ سیرت نگاری میں قدیم عرب کی تاریخ اور دوسرے علوم کا تذکرہ سرسری سا ہوتا ہے۔ اس بارے میں قدیم ترین کتابوں کے نام یہ ہیں "اخبار الیمن واشعار ھا وانسابھا"، **عبید بن شریة الجرثمی** کی "کتاب الامثال" ، صحار کی "کتاب الامثال" اور زیاد بن ابیہ (م ۵۳ھ/۶۷۳ء) کی "کتاب المثالب"

قدیم ترین کتب، مثلاً ابن اسحاق کی کتابوں "اخبار کلیب و جساس اور حرب البسوس بین بکر تغلب" اور ابن الکلبی کی "کتاب النسب" سے امید ہے کہ قدیم عرب کے بارے میں ہماری معلومات میں اضافہ ہوسکے اور آخری اموی دور کے علمائے کبار کی تصانیف سے ہم شناسا ہوسکیں۔

دور حاضر میں ایک تابعی خراش بن اسماعیل الشیبانی کے بارے میں ہماری معلومات زیادہ تفصیلی اور گہری نہیں ہیں، جن سے محمد بن سائب الکلبی نے اپنی کتاب "اخبار ربیعہ وانسابہا" میں بہت سی روایتیں درج کی ہیں۔

اسی طرح حانی بن المنذر الکلاعی سے منسوب ایک کتاب "نسب حمیر" ہے جو ابن یونس (م ۳۴۷ھ/۹۵۸ء) کا ماخذ رہی ہے۔ (۲۰)

مسلمانوں کا تاریخ عالم سے اشتغال، اگرچہ ابتدائی حالت میں تھا، لیکن یہ اہتمام تفسیر القرآن، سیرت النبی ﷺ اور آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اسلام لانے والے یہودی فضلاء مثلاً عبداللہ بن سلام اور کعب الاحبار خلق عالم اور انبیاء سابقین کے بارے میں قرآنی قصص کی تشریح وتفصیل بیان کیا کرتے تھے۔ اس موضوع کے متعلق عبداللہ بن سلام اور کعب الاحبار سے منسوب بہت سی کتابیں ہم تک پہنچی ہیں، اگرچہ ان کی اصلیت محل نظر ہے، پھر بھی کتب معازی اور قدیم تفسیروں میں جن تک ہماری رسائی ہوسکی ہے، ان نو علم یہودی فضلاء کی بہت سی آراء شامل ہیں۔ کعب الاحبار خود بھی مصنف تھے اور علمائے سلف ان کی کتابوں سے آشنا تھے۔

کعب گوناگوں علوم ومعارف میں دسترس رکھتے تھے اور حضرت عمر بن الخطاب سمیت بہت سے مسلمانوں کے لئے جو عرب قدیم کے حالات سننے کے شائق تھے، معلومات کا مآخذ ومنبع تھے۔ کعب کے بعد دوسری نسل کے مسلمانوں کے لئے وہب بن منبہ مختلف علوم وفنون کے جامع تھے۔ وہب بن منبہ نے ایک کتاب، "کتاب الملوک" حمیری حکمرانوں کے بارے میں لکھی تھی، جو تاریخ عرب لکھنے کی ابتدائی کوشش تھی، اگرچہ بیان کردہ حالات وواقعات کی بناء پر اس کی تاریخی اہمیت کچھ زیادہ نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہب بن منبہ نے اس کتاب میں اپنے اسلاف کی کتابیں بھی شامل کردی تھیں۔ آفرینش عالم اور انبیائے سابقین کے بارے میں مرویات بھی تاریخ عالم کی ایک قسم ہے۔ ان کی بعض اقسام سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فتوحات اسلامیہ پر مبنی ہیں۔ (۲۱)

قدیم عربی مآخذ اور ان کے اقتباسات، کے مطالعہ اور تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ ملکوں اور شہروں کی ابتدائی تاریخ اسلامی فتوحات اور جغرافیہ سے وابستہ ہے، اس لئے ان کا مرجع اسلام کا اولین زمانہ ہے، الازرقی (م۲۲۲ھ/ ۸۲۷ء) کا بیان ہے کہ مورخ وہب بن منبہ (م۱۰۰ھ/ ۸۲۸ء) نے کعبہ کی تاریخ کے لئے ایک قدیم کتاب سے استفادہ کیا تھا، کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب، حضرت عبداللہ بن عباس اور بعض اہل علم کعبہ کی تاریخ میں دلچسپی رکھتے تھے اور اسلام سے کچھ عرصہ پہلے بعض اہل مکہ نے یمنیوں اور یہودیوں سے کہا تھا کہ وہ کعبہ پر لکھی ہوئی عبارتیں پڑھ کرسنا دیں۔

عہد اسلام میں بعض مکرر روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب تاریخ و

جغرافیہ سے شغف رکھتے تھے۔ انہوں نے بعض علمائے انساب جو ایام عرب کے بھی واقف کار تھے کے ذمہ یہ کام لگایا تھا کہ وہ قبائل عرب کے بارے میں ایک رپورٹ مرتب کردیں اور پتھر لگا کر حرم مکی کی حد بندی کردیں۔ المسعودی نے کتب تاریخ کے آغاز تالیف کے بارے میں لکھا ہے کہ اسلامی فتوحات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ایک معاصر ''حکیم'' کو لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے عربوں کو ان شہروں کا حاکم بنایا ہے اور وہاں سکونت عطا کی ہے، اس لئے ان شہروں کے مکمل حالات لکھ کر بھیج دیئے جائیں۔ اس پر حکیم نے شام، مصر، حجاز، عراق، خراسان اور فارس کے بارے میں تمام تفصیلات لکھ بھیجیں، اسی طرح حضرت عمرؓ نے فاتح قادسیہ کو حکم دیا کہ وہ قادسیہ کے حالات لکھ بھیجیں۔ (۳۴۹ھ) کراتشوفسکی نے ان روایات کی اصالت کی تصدیق کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ قدیم ترین اور اہم ترین تحریریں مسلمانوں کے تاریخی اور جغرافیائی ذوق کی شہادت دیتی ہیں۔

اسی بارے میں بصرہ کی رپورٹ جو زیادہ بن ابیہ (م ۵۳ھ/۶۷۲ء) نے حضرت عثمان بن عفان کے لئے تیار کی تھی۔ جغرافیہ اور تاریخ دانوں کے حلقوں میں ایک عرصے تک متداول رہی۔ یاقوت الحموی نے بھی اس رپورٹ سے استفادہ کیا تھا جو زکریا یحیٰ الساجی (م ۳۰۷ھ/۹۲۰ء) نے اپنے ہاتھ سے لکھی تھی۔

حضرت سبعی (م ۱۹ھ/۶۴۰ء) کے زمانے میں بھی مشہور ومعروف تھیں اور خود انہوں نے بھی ایک کتاب نفس موضوع پر لکھی تھی۔ الواقدی نے اموی عہد میں لکھی جانے والی بعض کتب الفتوح کے مولفوں کا ذکر کیا ہے، جن سے اس نے فائدہ اٹھایا ہے۔

موضوع کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ یزید بن ابی حبیب (م ۱۲۸ھ/۷۴۵ء) اور عبید اللہ بن ابی جعفر (م ۱۲۵ھ/۷۵۱ء) نے اموی عہد میں تاریخ مصر پر کتابیں لکھی تھیں۔ عمر بن محمد بن یوسف الکندی نے چوتھی صدی ہجری میں اپنے مآخذ کے ضمن میں ''کتب فضائل مصر'' کا بھی حوالہ دیا ہے، البتہ یہ معلوم نہیں انہوں نے ''فتوح مصر''، ''اخبار مصر'' اور ''فضائل مصر'' وغیرہ کتابوں سے کب استفادہ کیا تھا۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب فضائل کا تاریخ اور جغرافیہ سے گہرا تعلق تھا۔ کراتشنسکی نے تو عربوں کے ہاں کتب فضائل کو جغرافیہ کی ابتدائی کتابوں میں شمار کیا

ہے۔ اس بارے میں میں قدیم ترین کتاب ''فضائل مکہ'' حضرت حسن البصری (م ۱۱۰ھ/۸۲۸ء) سے منسوب کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ موضوع کے اعتبار سے مرتبہ ایک حدیث کی کتاب جس میں مختلف شہروں کے فضائل مذکور ہیں۔ اس قسم کی ایک کتاب ''کتاب الفرائض'' مرتبہ حضرت سفیان ثوری (۱۶۱ھ/۷۷۸ء) ہے، جس میں ایک باب ''فضل المدینہ'' پر بھی ہے۔(۲۲)

اسلامی دور میں قدیم شاعری کے تحفظ اور اس کو زمانے کی دست و برد سے بچانے کے لئے علماء کی کدوکاوش حضرت عمرؓ بن الخطاب کی مساعی کی مرہون منت ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ (م ۵۰ھ/۶۷۰ء) کو لکھا تھا کہ وہ شاعروں سے یہ دریافت کریں کہ انہوں نے ظہور اسلام کے بعد سے کیا کیا لکھا ہے یا نظم کیا ہے۔(۲۳) مزید برآں انصار کے کلام کی جمع و تدوین حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوئی۔ امثال عرب اور مثالب عرب کی تدوین بھی فاروقی عہد حکومت کی یادگار ہے اور ان کا مجموعہ اشعار عرب سے کہیں زیادہ ہے۔

حماد الراویہ نے بعض جاہلی شعراء کے بارے میں ایک کتاب لکھی تھی، جس کا بہت بڑا حصہ تاریخ الطبری (۱//۱۰۱-۱۰۱۹) اور کتاب الآغانی (۲/۱۰۵ - ۱۲۷، مطبوعہ دارالکتب) میں شامل ہیں۔ ابو عمر الزہبی (جو اموی دور میں زندہ تھا) نے دو شاعروں۔ حاجز الازدی اور ثابت قطینہ کے حالات لکھے تھے، ان کے اقتباسات کتاب الاغانی، مطبوعہ بولاق، ۱۶/ ۷۵-۷۶) میں پائے جاتے ہیں۔ قدیم مآخذوں میں ایسی بہت سی کتابوں کے نام اور ان کے اقتباسات ملتے ہیں۔ ان میں سے بہت سی کتابوں کے مولفوں کے نام نہیں ملتے، جن سے ابوالقاسم آمدی (م ۳۷ھ/۹۸۰) نے اپنی کتاب ''المؤتلف'' میں استفادہ کیا تھا۔

مشہور ہے کہ ثقافت کی تاریخ پر قدیم ترین اور اہم ترین کتاب، یونس الکاتب کی کتاب الآغانی ہے۔ ابن خرداذبہ کے بیان کے مطابق یہ کتاب بڑی ضخیم تھی۔(۲۴)

عہد اسلامی کے ابتدائی مؤرخین: تاریخ کا ذخیرہ جن راویان کے توسط و روایت سے تدوین کے مراحل تک پہنچا ہے تاریخ کے متعدد راویان وہی ہیں جو تفسیر، حدیث اور

سیرت کے راوی ہیں۔ چند راویان کے کوائف و تصنیفی خدمات کا جائزہ پیش خدمت ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

عبداللہ بن سلام بن الحارث، مدینہ کے یہودی تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہ اسلام لے آئے۔ پہلے ان کا نام الحیض تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔ حضرت عمر فاروق کے ساتھ فتح حلبیہ اور فتح بیت المقدس میں شریک رہے۔ جب حضرت عثمانؓ کے خلاف باغیوں نے یورش کی تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کا ساتھ دیا۔ تاریخ اسلام میں ان کی شہرت اس بنا پر ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوالات پوچھے تھے اور ان کے جواب پا کر وہ اسلام لے آئے۔

عبداللہ بن سلام پہلے یہودی تھے جو اسلام لائے۔ آفرینش عالم، تاریخ عالم اور انبیائے سابقین کے بارے میں ان کی روایتیں کتب مغازی، کتب حدیث اور کتب تفاسیر میں شامل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ نبی دانیال سے منسوب کتابیں ان کے پاس تھیں، جن میں اللہ تعالی کی مخلوقات کا ذکر تھا، اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو ان کے مندرجات سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ (۲۵)

تصانیف: حضرت عبداللہ سے مندرجہ ذیل کتابیں منسوب ہیں۔

۱۔ المسائل۔ استفسارات جو حضرت عبداللہ سلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے تھے، مطبوعہ قاہرہ ۱۸۶۷ء

۲۔ جادو ٹونے سے متعلق ایک رسالہ، مخطوطہ عدد ۲۹۵۴ (مکتوبہ ۵۹۰ھ) کتب خانہ پیرس

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کے بارے میں احادیث، مخطوطہ عدد ۱۱۹۴ء کتب خانہ اسکوریال میڈرڈ)

۴۔ سردیات عن اسفار دانیال، مخطوطہ عدد ۶۱۵۹ء برلن (۲۶)

۲۔ کعب الاحبار ؒ

ابو اسحاق کعب بن ماتع، یمن کے یہود تھے، حضرت ابوبکر الصدیق یا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ خلافت میں مشرف با اسلام ہوئے اور حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی (۳۲ھ/۶۵۳ء یا ۳۴/۶۵۴ء) سب سے پہلے انہوں نے مسلمانوں میں اسرائیلی روایات کی اشاعت کی۔ مختلف مسائل میں ان کی روایتیں ان کے مختلف النوع علوم و معارف سے آگاہی کی مظہر ہیں۔ پہلے زمانے کے مسلمان ان سے منسوب کتابوں سے واقف تھے۔(۲۷)

تصانیف: کعبؓ سے مندرجہ ذیل کتابیں منسوب ہیں۔

۱۔ "سیرۃ سکندر ومافیہا من العجائب والغرائب"، مخطوطہ عدد ۲۲۹۷۴ء مکتبہ جامعہ القاہرہ،

۲۔ "وفاۃ موسی"، مخطوطہ عدد ۴۷۵۵/۶ (۶ اوراق نوشتہ دسویں صدی ہجری)

۳۔ "السلک الناظم فی علم الاول ولآخرۃ"، قاہرہ تکملہ ۱/۴۶۲

۴۔ "حدیث ذی الکفل"، مخطوطہ بولاق ۸۲۸۲ھ

۵۔ "حدیث تامات الذھب"، حدیث افراقیون بند الملک قاہرہ

۶۔ حضرت آدم وحواء کے بارے میں اس کی ایک کتاب کا ٹکڑا اور الحمدنی (الاکلیل ۱/۲۹۰۲۲

۳۔ وھب بن منبہ ؒ

ابو عبداللہ، وہب بن منبہ، ۳۴ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ وہب اور ان کے بھائیوں ھمام، غیلان اور مقتل کا شمار تابعین میں ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۹۹ھ/ ۱۷۔۱۰۱/۷۲۰ء) کے عہد حکومت میں قاضی بھی رہے۔ الیافعی کچھ دیر قید بھی رہے۔ ہمیں انہیں قید میں ڈالنے کا سبب اور مدت اسارت معلوم نہیں ہو سکی۔ کہا جاتا ہے کہ ذہب شروع میں قدری تھے، لیکن بعد میں نادم رہے۔

وہب اموی دور کے کثیر التصانیف مصنف تھے۔ اور مدینہ منورہ کے ممتاز مورخ، یاقوت نے لکھا ہے کہ وہ وقائع نویس اور قصص نگار تھے۔ وہ اہل کتاب کی مرویات سے بخوبی واقف تھے۔ اور آفرینش عالم اور انبیائے سابقین اور بنی اسرائیل کی تاریخ کے عالم تھے۔(۲۸)

تصانیف: ۱۔ "کتاب الملوک المتوجه من حمیر واخبارهم وقصصهم وقبورهم واشعارهم

۲۔ کتاب المبتداء والسیر

۳۔ کتاب المغازی

۴۔ قصص الانبیاء و قصص الاخبار

۵۔ رسالہ فی سیرت النبی ﷺ

۶۔ کتاب المنزامیر ترجمہ زبور داؤد (۲۹)

۴۔ ابورفاعته الفارسی

"عمارہ بن وثیمہ بن موسیٰ بن الفرات، مصر میں تولد ہوئے۔ ان کے باپ نے ۲۳۷ھ/۸۵۱ء نے اس عالم فانی سے کوچ کیا تھا۔ ابورفاعتہ محدث اور مورخ تھے۔ انہوں نے مصر میں ۲۸۹ھ/۹۰۲ء میں وفات پائی۔(۳۰)

تصانیف: "بدر الخلق و قصص الانبیاء"، اس کے ۱۵۵ اوراق فاتیگان میں ہیں۔

۵۔ ابوبکر الجوھری

ابوبکر احمد بن عبدالعزیز الجوہری، عمر بن شعبہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، جبکہ ابوالفرج الاصفہانی خود ابوبکر سے روایت کرتے ہیں۔ وہ چوتھی صدی کے اوائل تک زندہ تھے۔(۳۱)

تصانیف: "کتاب السقیفۃ" اس کتاب کے بہت سے اقتباسات شرح نہج البلاغۃ میں ہیں۔

٦۔ المنذربن محمد

ابوالقاسم المنذر بن محمد بن المنذر بن سہد القابوی، شیعہ عالم تھے۔ ابوالفرج الاصفہانی بھی ان کے راوی شمار ہوتے ہیں۔ المنذر نے چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں وفات پائی۔(۳۲)

<u>تصانیف</u> : ا۔کتاب الجمل، ۲۔کتاب صفین، ۳۔کتاب النہروان، ۴۔کتاب الغارات، ۵۔کتاب جامع الصفقہ ابوالفرج الاصفہانی نے ''کتاب المقاتل الضالبین'' (۱۳۲، ۱۵۳، ۱۵۳) میں المنذر کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے، لیکن ان کے نام نہیں معلوم ہو سکے۔ شاید یہ کتاب ''کتاب صفین'' ہی ہو۔

۷۔ الطبری

ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری، ۲۲۴ھ کے اواخر یا ۲۲۵ھ/۸۳۹ء کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ الطبری نے نوجوانی ہی میں اپنے آپ کو علم کی تحصیل کے لئے وقف کرلیا۔ شروع میں وہ الری گئے، پھر بغداد منتقل ہوگئے، جہاں امام احمد بن حنبل کے درس میں شامل ہوتے رہے۔ بعد ازاں انہوں نے بصرہ، کوفہ، شام، مصر کی سیاحت کی۔ ان کی علمی تگودو تک وہ صرف تاریخ، تفسیر اور حدیث کی تحصیل تک محدود نہ تھی، بلکہ وہ نحو، اخلاق، ریاضیات اور طب وغیرہ کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ شروع شروع میں وہ شافعی مذہب سے نسبت رکھتے تھے، لیکن مصر سے واپسی پر انہوں نے ایک فقہی مکتب خود بنالیا، ''جو جریریہ'' کہلاتا تھا۔ الطبری علوم اسلامیہ کے کثیر التصانیف مصنف ہیں۔ ان کی شہرت کا مدار دو گرانقدر تصانیف، کتاب التاریخ اور تفسیر القرآن پر ہے۔ الطبری سب سے پہلے مورخ اور مفسر نہیں ہیں، کیونکہ تاریخ عالم کے سنہ وار لکھنے کی روایت اور قرآن کریم کی مفصل اور جامع تفسیر کی تحریر کا آغاز کم ازکم دوسری ہجری سے ہو چکا تھا۔(۲۲۳)

یہ حقیقت ہے کہ الطبری نے اپنی تاریخ اور تفسیر میں سابقہ کتب، جواب دستبرد زمانہ کی نذر ہوچکی ہیں۔ کے اقتباسات دے کر ان کو ایک طرح سے زندہ کر دیا ہے۔

الطبری نے زبانی روایات کے علاوہ تحریری مواد سے بھی استفادہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے محدثوں اور مورخوں کی طرح ان سب کتابوں سے فائدہ اٹھایا ہے جو ان کی دسترس میں آسکیں کیونکہ انیسویں صدی کے نصف ثانی میں ہونے والی علمی تحقیقات نے تاریخ نویسی کے ماخذ کی نشان دہی کر دی ہے۔

الطبری کی کتابیں زبانی روایات یا احادیث کا مجموعہ نہیں ہیں، بلکہ انہوں نے سابقہ کتب (جن کی تصنیف و تالیف ۵۰ھ اور ۲۵۰ھ کے درمیانی عرصے میں ہوئی تھی) کی معلومات کو اپنی کتابوں میں سمیٹ لیا ہے۔ سلسلہ اسناد کے آخر میں جو نام آئے ہیں وہ راویوں کے اسماء ہیں نہ کہ مولفین کے۔ (۳۳)

تصانیف: ۱۔ اخبار الرسل و الملوک مطبوعہ

۲۔ تاریخ طبری کے تکملے

۳۔ تہذیب الآثار و تعدیل معانی الثابت من الاخبار

۴۔ جامع البیان عن تاویل القرآن (۳۴)

۸۔ ابوالعثم الکوفی

محمد (ابو محمد علی یا احمد) بن علی بن اعثم الکوفی، ان کی زندگی اور علمی کارناموں کے بارے میں زیادہ تحقیق اور تدقیق نہیں ہو سکی۔ انہوں نے غالباً ۳۱۴ھ/۹۲۶ء کے قریب انتقال کیا۔

تصانیف: ا۔ "کتاب الفتوح" محمد بن احمد بن محمد مستوفی (بزمانہ ۵۹۹ھ/ ۱۱۸۹ء) نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا جو بمبئی میں چھپ چکا ہے۔ (۱۲۷۰،۱۳۰۰،۱۳۰۵ھ) اس کے فارسی ترجمہ کو جرمن زبان میں منتقل کیا جا چکا ہے۔ جو ایشیائی عجائب گھر میں ہے۔

ب۔ "ابتداء خبر و قعتہ صفین"، مخطوطہ عدد (۵۷۰ (منگانا کی ملکیت) (۳۵)

۹۔ ابوقبیل

ابوقبیل حیی بن ہانی بن ناصر الغافری المصری، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے

زمانے میں زندہ تھے۔ انہوں نے جزیرہ رودش (روڈز) پر حملے میں بھی شرکت کی تھی۔ وہ حضرت عمرو بن العاص، عبداللہ بن عمر اور عقبہ عامر الحمغی (م ۵۸ھ/ ۶۷۸ء) وغیرہ ہم سے روایت کرتے ہیں، جبکہ خود ان کے راوی یزید بن ابی حبیب، لیث بن سعد اور ابن لھتیہ وغیرہ ہم ہیں۔ تیسری صدی ہجری کے یعقوب بن شیبہ کا یہ قول ہے کہ ابو قبیل لڑائیوں اور ہنگامہ آرائیوں کے واقف کار تھے۔ آپ مصر پر لکھنے والے اولین مورخ ہیں۔ ابن عبدالحکیم نے ان کی بہت سی مرویات نقل کی ہیں۔ ہم یہ فرض کرسکتے ہیں کہ ان اقتباسات کا مرجع ابو قبیل کی کتاب "فتوح مصر" ہے، جو کئی واسطوں سے ابن عبدالحکم کو پہنچی تھی۔ ابو قبیل نے ۱۲۸/ ۷۴۵ء میں انتقال کیا۔(۳۶)

۱۰۔ یزید بن ابی حبیب

ابو رجاء یزید بن ابی حبیب (سوید) الازدی، ۴۳ھ/۶۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ وہ تابعی تھے اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مصر میں سب سے پہلے علوم حدیث اور فقہ کا درس دیا۔ وہ مصر کے اولین مورخوں میں ہیں، لیکن ان کی کتابوں کے صرف اقتباسات ہم تک پہنچے ہیں۔ ان میں فتح مصر اور حضرت عمر بن العاص کی حکومت کے حالات ہیں۔ ان میں کتب مغازی جیسی کتابوں کے بھی معلومات ہیں۔ یزید بن حبیب الزہری کے ہم عصر تھے۔ الزہری نے خود اعتراف کیا ہے کہ یزید بن حبیب سیرت میں سند ہیں اور ان سے خط و کتابت رکھتے تھے۔ اس کی ایک خبر سے وضاحت ہوتی ہے کہ یزید بن حبیب کو سیرت کی ایک کتاب ملی تھی جس کے مصنف کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ انہوں نے اس کتاب کی صحت کے بارے میں تصدیق کے لئے الزہری کو یہ کتاب بھیجی تھی۔ محمد بن اسحاق یزید بن حبیب کے مشہور تلامذہ میں تھے، انہوں نے ۱۲۸ھ/ ۷۴۷ء میں وفات پائی۔(۳۷)

تصانیف: محمد بن اسحاق، الطبری، البلاذری، عبدالرحمان بن عبدالحکم، محمد بن یوسف کندی اور الاصابہ میں "تاریخ مصر" کے متعدد اقتباسات شامل ہیں۔ طبقات ابن سعد میں منقول بہت سے اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ یزید بن ابی حبیب نے سیرت میں بھی ایک کتاب تالیف کی تھی۔

۱۱۔ ابو عمر المرهبی

ابوعمر ذر بن عبداللہ بن زرارۃ المرہبی الکوفی الھمدانی، سعید ابن جبیر وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ ابومخنف کا بیان ہے کہ ابوعمر نے عبدالرحمٰن بن اشعث اور حجاج کی آویزش (۸۰ھ/۶۹۹ء) میں شرکت کی تھی۔ وہ ثقہ محدث اور قصہ گو تھے۔ ایک صحیح قول کے مطابق ابوعمر نے دوسری صدی ہجری کے اوائل میں وفات پائی۔ ابوالفرج نے ابوعمر کی کتاب، جو انہوں نے دو اموی شاعروں ثابت بن قطنہ (م ۱۱۰ھ/ ۷۲۸ء) اور الحاجز الازدی کے بارے میں لکھی تھی، کے خود نوشتہ قلمی نسخے سے استفادہ کیا تھا اور اس کے اقتباسات کتاب الاغانی (۵۲/۱۳۔۵۶ مطبوعہ بولاق) میں ہیں۔(۳۸)

۱۲۔ حماد الراویہ

حماد الراویۃ کا نام اس کے راوی الہیثم بن عدی کے مطابق حماد بن صیرہ تھا جبکہ المدائنی نے اس کا نام حماد بن سابور لکھا تھا۔ (کتاب الاغانی، مطبوعہ بولاق، ۱۶۵/۵) وہ ۷۵ھ/۶۹۴ء) میں پیدا ہوا۔ اس کی وفات ۱۵۵ھ/۷۷۱ء۔ ۱۵۸ھ/۷۷۴ کے درمیانی برسوں میں ہوئی۔ ابن المعتز نے طبقات الشعراء (ص ۶۹) میں اس کے ہم ناموں حماد عجر اور حماد بن الزبرقان سمیت اس کی مدح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ بہت بڑا شاعر تھا۔ وہ ان شاعروں میں تھا جنہوں نے منصور عباسی کے عہد میں بغداد کو الوداع کہا تھا اور اس کا تھوڑا سا کلام بچ کر رہ گیا ہے۔ (مثلاً کتاب الآغانی میں)۔ حماد الراویہ کی شہرت کا مدار اس کی شاعری نہیں بلکہ (امر واقعہ یہ ہے کہ) وہ قدیم عربی اشعار اور اس کی روایت سے وسیع معلومات رکھتا تھا۔ تمام کتب مصادر اس کی قوت یاداشت اور کثرت روایت پر متفق ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ اس میں علماء جیسی احتیاط اور تنقیدی اہلیت نہ تھی، اس لئے وہ زیادہ قابل اعتبار نہیں۔ قدیم اشعار کی روایت اور حماد کے کردار کے بارے میں آج تک کوئی تنقیدی مطالعہ نہیں ہوسکا اور نہ ہم یقین کے ساتھ اس قول کی تصدیق کرسکتے ہیں کہ "قدیم زمانے کے اشعار کی اصالت حماد نے ضائع کر دی" اور نہ ہم بہت سے اسباب کی بناء پر اس رائے کی تائید کرسکتے ہیں کہ حماد اور خلف الاحمر کے ہاتھوں بہت سا شعر مواد ضائع

ہو چکا ہے، کہ حماد اور خلف الاحمر اشعار کے اولین راوی ہیں، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ ان سے پہلے دو تین نسلیں قدیم عربی شاعری کے راویوں سے بخوبی شناسا تھیں۔ مکتبہ بصرہ کے حاسدوں اور منافسوں کے اتہامات کے باوجود حماد کی تعریف و توسیف بھی آئی ہے۔ ایک بڑے عالم عمرو بن العلاء (م ۱۵۹ھ/۷۷۶ء) نے اس کو اپنے پر فضیلت دی ہے۔

الاصمعی نے امرء القیس کے بہت سے اشعار حماد سے روایت کئے ہیں۔ تاریخی حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ جن اشعار کی جمع و تدوین حماد اور اس کے معاصروں نے پہلی بار کی تھی اس کی روایت صرف زبانی نہیں ہوتی تھی کیونکہ حماد صرف ان اشعار کی روایت کرتے تھے۔ جو دیوانوں اور صحیفوں کی صورت میں پہلے سے مرتب ہو چکے تھے۔ حماد کو "شعر الانصار" کتابی صورت میں مل چکے تھے جس کی اس نے دوبارہ تدوین کی۔ بہرحال اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حماد کے پاس قدیم اشعار کے بہت سے مجموعے تھے۔

اموی خلیفہ ولید بن یزید (م ۱۲۶ھ/۷۴۴ء) نے ایک دفعہ حماد کو بلا بھیجا۔ حماد نے خیال کیا کہ خلیفہ اس سے قریشی اور ثقفی شعراء کے متعلق پوچھ گچھ کرے گا اس بناء پر حماد نے کتاب قریش و ثقیف کا مطالعہ شروع کر دیا، لیکن خلیفہ نے حماد سے "ملی" شعراء کے بارے میں سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ خلیفہ ولید اخبار عرب، انساب عرب اور اشعار عرب کی جمع و تدوین میں مصروف تھا۔ اس نے حماد اور جناد سے دواوین مستعار لے لئے اور (کچھ عرصے کے بعد) انہیں واپس کر دیا، دیکھئے ابن الندیم (الفہرست، ص ۹۱، مطبوعہ فلوگل) نیز دیکھئے ناصر الدین الاسد (مصادر الشعر الجاہلی، ص ۱۵۷)

ابن الندیم نے لکھا ہے کہ حماد کی کوئی کتاب نظر نہیں آتی، لوگوں نے اس سے اشعار روایت کئے ہیں اور کتابیں ان کے بعد لکھی گئی ہیں (الفہرست، ۹۲) ابن الکلبی نے ایک تاریخی کتاب سے استفادہ کیا تھا جس کا نام "کتاب حماد" تھا۔ اس کی روایت کی اجازت اسحاق بن الصباح اور اس کے باپ سے لی تھی (الطبری، ۱/۱۰۱۶-۲۹، الاغانی ۲/۹۷، ۱۰۵)، ابو جعفر النحاس (م ۳۳۸ھ/۹۵۰ء) نے لکھا ہے کہ حماد نے معلقات کو جمع کیا تھا، دیکھئے بروکلمان (۱/۱۲۲)، نیز یاقوت الحموی (ارشاد الاریب، ۴/۱۴۰)۔ ابو حاتم بجستانی نے دیوان الحلیۃ کی تدوین کرتے ہوئے، "کتاب حماد الروایۃ" سے استفادہ کیا تھا

اور اپنے ہاں کی روایات سے اس کا مقابلہ کیا تھا، دیکھئے ابن الشجری (مختارات، ص/۱۲۳، ۱۲۷، ۱۲۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حماد کی بیان کردہ روایت میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا۔(۳۹)

تصانیف : ا۔ المعلقات، زمانہ جاہلیت کی تاریخ حماد الراداویۃ نے لکھی تھی جس کے بعض ٹکڑے الطبری نے اپنی تاریخ (۱/۱۰۱۶۔ ۱۰۲۹ء) میں بروایت ہشام بن محمد الکلبی دیئے ہیں، جس نے کتاب کا نام ''کتاب حماد'' لکھا ہے، لیکن ابوالفرج الاصفہانی اس کتاب کا نام کبھی ''خبر حماد'' اور کبھی ''کتاب حماد'' لکھتا ہے۔

۲۔ آمدی نے اپنی کتاب "**المؤتلف والمختلف**" میں حماد کی کتاب ''اشعار الرباب'' کا بھی ذکر کیا ہے۔(۴۰)

تاریخ کا درجہ کتب سیرت سے کم ہے۔ اس لئے اس اصول کا ذکر بھی بعد میں کیا گیا ہے۔ تاریخ مراد وہ کتاب ہیں جنہیں قدیم مسلم اسکالرز نے اسلام کی عام تاریخ کی حیثیت سے قلمبند کیا ہے۔ اس میں عہد نبوی ﷺ اس سے قبل کے حالات اور بعد کے حکمرانوں کے حالات کا تذکرہ کیا گیا۔ بہت سے واقعات کا پس منظر جو کتب سیرت سے واضح نہیں ہوتا، اسے کتب تواریخ واضح کرتی ہیں اس لئے سیرت نگاروں نے تاریخ کو بھی سیرت کا ماخذ قرار دیا ہے۔ تاریخ پر قرون اول میں جو کتابیں لکھیں ان میں سے بہت سی کتابیں اب دستیاب نہیں ہیں۔

ا۔ جیسے ابو معشر سندھی (م ۱۷۰ھ) ان کی کتاب اب موجود نہیں، یہی کتاب المغازی دوسری تاریخ الخلفاء ہے۔(۴۱) لیکن تاریخ طبری میں اس کتاب کے کچھ حصے محفوظ ہیں۔

۲۔ واقدی (م ۲۰۷ھ) کی متعدد کتب تاریخ پر تھیں، جس میں التاریخ الکبیر زیادہ اہم ہے۔ مگر اب نہیں ملتی۔

۳۔ مدائنی (۱۳۵ھ۔ ۲۲۵ھ) اس کی ۲۴۵ تک کتابیں شمار کی گئی ہیں، جس میں کچھ تاریخ پر تھیں۔

۴۔ ابن سعد کی طبقات کے علاوہ کتاب الطبقات الصغیر ہے۔(۴۲) کچھ کتابیں وہ

ہیں جو آج مطبوعہ موجود ہیں۔

۵۔ جیسے امام بخاری کی تاریخ الکبیر اور تاریخ الصغیر دونوں میں سیرت النبی کا مختصر حصہ موجود ہے۔موصوف تاریخ الاوسط بھی ہے۔مگر شائع نہیں ہوئی ہے۔

۶۔ ابوحنیفہ احمد بن داوٗد الدینوری (م ۲۸۲ھ) کی اخبار الطوال چار سو صفحات پر ہے۔اس میں حضرت آدم سے عہد نبوی ﷺ و خلافت راشدہؓ کے بعد ۲۱۸ھ تک کا ذکر ہے۔

۷۔ تاریخ یعقوبی یہ احمد بن أبي یعقوب (م ۲۸۴ھ) کی ہے۔اس کا نام کتاب التاریخ الکبیر بھی لکھا گیا ہے۔یہ دو جلدوں پر ہے اور آدم علیہ السلام سے ۲۵۹ھ تک کے حالات کا احاطہ کرتی ہے جس میں عہد اسلامی کے بعد کے حکمران بھی شامل ہیں، البتہ کتاب کی خصوصیت یہ کہ اپنی اسناد مکمل واضح کر دیتا ہے۔

۸۔ سب سے زیادہ جامع اور مفصل ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (۲۲۵ھ۔۳۱۰ھ) کی تاریخ الامم والملوک المعروف تاریخ طبری ہے۔ یہ حضرت آدم سے شروع ہوکر عہد اسلامی سمیت روم و فارس کے واقعات کا ۳۰۲ھ تک احاطہ کیا گیا ہے۔طبری نے عہد نبوی و خلفاء راشدین پر جو مواد لیا ہے وہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔

۹۔ احمد بن خیثمہ بغدادی (۲۰۵ھ۔۲۹۹ھ) کی تاریخ ابن أبي خیثمہ ہے جو کہ تاریخ کبیر کے نام سے بھی موسوم ہے۔

۱۰۔ مسعودی (م ۲۳۶ھ) کی دو کتب ہیں، التنبیه والإشراف یہ چار حصوں پر ہے۔ پہلا حصہ سیرت النبی، دوسرا عہد خلفاء راشدین پر ہے۔اس میں ۳۳۴ھ تک کے حالات کا احاطہ کیا گیا ہے۔اس مصنف کی دوسری کتاب مروج الذھب و معادن الجواہر ہے۔اس میں بھی پہلی جلد میں عہد آدم سے عہد عثمانی تک کا بیان ہے۔اس کا اختتام بھی ۳۳۶ھ پر ہوتا ہے۔

۱۱۔ ایک اہم کتاب ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی (۵۱۰ھ۔۵۹۷ھ) کی ہے یہ ۱۸ جلدوں میں جدید تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔پہلی دو جلدیں عہد نبوی سے پہلے کا احاطہ کرتی ہیں، بقیہ جلدیں عہد نبوی سے ۵۷۴ھ تک کا احاطہ کرتی ہیں، اس کا مکمل نام ہے۔ المنتظم فی تاریخ الامم والملوک اس کا طرز تحریر یہ ہے کہ ہر دس سال کی تاریخ کا احاطہ کر کے

اس زمانہ کی معروف شخصیات کی سوانح بیان کرتا ہے۔ اس کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ بغداد کے حالات وہاں کے محدثین، فقہاء کا ذکر بھی تفصیل سے کرتا ہے۔

۱۲۔ عزالدین علی بن محمد الجزری (۵۵۵ھ۔ ۶۳۰ھ) کی الکامل فی التاریخ یہ بارہ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، صرف تین جلدوں کا اردو میں ترجمہ ہوا ہے یہ بھی عہد آدم سے ۶۲۸ھ تک کے واقعات کا احاطہ کرتی ہے۔ موصوف کی دوسری کتاب اسد الغابہ ہے۔ جس میں واقعات پر تحقیق کی گئی ہے۔

۱۳۔ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل، بن علی (۶۷۲ھ۔ ۷۳۲ھ) کی تاریخ ابوالفداء ہے جس کا نام المختصر فی اخبار البشر ہے۔ یہ بھی قبل اسلام سے ۷۲۹ھ تک کا احاطہ کرتی ہے۔

۱۴۔ اسمٰعیل بن عمر عماد الدین ابوالفداء ابن کثیر (۷۱۰ھ۔ ۷۷۴ھ) کی البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ ہے۔ اس میں عہد نبوی ﷺ سے ۷۶۸ھ تک کا احاطہ کیا ہے۔ حضور ﷺ کے حالات نہایت مربوط اور محنت کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ یہ سات جلدوں میں ہے، نفیس اکیڈمی کراچی سے کوکب شادانی کے اردو ترجمہ کے ساتھ آٹھ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

۱۵۔ ابن خلدون (۷۳۲ھ۔ ۸۰۸ھ) کی تاریخ ابن خلدون ہے۔ یہ سات جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کا مقدمہ کتاب کی خصوصیت ہے۔

۱۶۔ تاریخ الاسلام و وفیات المشاہیر و الأعلام شمس الدین محمد بن عثمان الذہبی چالیس جلدوں میں (۶۷۳ھ۔ ۷۴۸ھ) کی عظیم ترین مستند انداز میں لکھی گئی کتاب ہے۔ یہ عہد نبوی ﷺ سے شروع ہو کر ۶۸۰ھ تک چالیس جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ ابھی مزید دس جلدیں متوقع ہیں۔ موصوف نے پوری کتاب سنین کی ترتیب پر لکھی ہے اور یہ تاریخ کے ساتھ سوانح بھی ہے۔ البتہ ابتداء کے مقابلہ میں اختتامی جلدیں زیادہ مفصل ہیں۔ بلا مبالغہ یہ تاریخ اسلام کی سب سے مفصل کتاب ہے۔

۱۷۔ اسی طرح ابن عساکر کی تاریخ مدینۃ دمشق مختصر تیں جلدوں میں ہے، اور مفصل کی اب ۷۰ جلدیں شائع ہو چکی ہیں یہ نسخہ بھی تحقیق کے ساتھ ہے۔ بحث کے آخر میں بطور نمونہ چند کتب کا تفصیلی تعارف پیش کر رہا ہوں۔

۱۔ کتاب الطبقات الکبیر ابن سعد : طبقات رواۃ سے متعلق تصانیف حدیث نبوی ﷺ سے متفرع ہونے والی اولین کتابیں ہیں، جن کے ذریعے سے ہم رواۃ حدیث کے احوال اور مختلف ادوار اور طبقات سے روشناس ہوتے ہیں۔ طبقات کے مؤلفین میں امام مسلم بن الحجاج (ف ۲۶۱ھ)، امام نسائی (ف ۳۰۳ھ) اور محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ) کے نام مشہور ہیں، اور طبقات کا ذکر آتے ہی طبقات ابن سعد کا نام تصور میں گردش کرنے لگتا ہے، اور واقعی یہ کتاب اس فن کی انتہائی جلیل القدر کتاب ہے۔

طبقات ابن سعد ایک کبیرالحجم اور علمی مواد سے بھرپور کتاب ہے، زیر نظر ایڈیشن آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ نویں جلد علمی فہارس کے لئے مخصوص کی گئی ہے، اس کی پہلی دو جلدیں سیرت رسول ﷺ سے متعلق ہیں، تمہید کے طور پر ابن سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اجداد کرام کا بھی ذکر کیا ہے جو انبیاء علیہم السلام میں سے تھے، اور اس کے پہلو بہ پہلو حواء ادریس، نوح، ابراہیم، اسماعیل اور حضرت آدم و محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سنین اور ازمنہ کا ذکر بھی کیا ہے، اس کے علاوہ ابن سعد نے حضرات انبیاء کے اسماء انساب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد مثلاً قصی و عبد مناف، ہاشم اور عبدالمطلب نیز آپ ﷺ کے والد ماجد اور والدہ محترمہ آمنہ بنت وہب کے حالات پر روشنی ڈالی ہے، اس کے بعد انہوں نے بعث نبوی، نزول وحی، ہجرت اور ایک ایک کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے تمام وفود کا مفصل تذکرہ کیا ہے اور اس کے بعد عہد رسالت ﷺ میں مفتیان مدینہ اور دیگر صحابہ و تابعین کے سوانح کا ذکر کیا ہے۔

کتاب کی اہم خصوصیات : ۱۔ ابن سعد خود ایک محدث تھے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تمام روایات سند کے ساتھ ذکر کی ہیں، اور سند کی وجہ سے روایت کی حیثیت بڑھ جاتی ہے۔ اور محدثین کے اصولوں کے مطابق اس کی چھان پھٹک آسان ہو جاتی ہے۔

۲۔ اہل جرح و تعدیل کے نزدیک ابن سعد ثقہ راوی ہے اور اس بات پر سوائے یحییٰ بن معین کے سب کا اتفاق ہے۔ اور وہ خود اپنی روایات میں بھی کوشش کرتے ہیں کہ ثقہ راویوں سے حاصل کریں، لیکن اس کے باوجود ضعیف راوی مثلاً واقدی سے بھی ان کی

روایت موجود ہے، لیکن اگر تحقیق نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابن سعد ان روایات میں پوری احتیاط سے کام لیتے ہیں، جہاں واقدی کی روایات بکثرت نقل کرتے ہیں، وہاں اپنے دوسرے شیوخ مثلاً عنان بن مسلم، عبیداللہ بن موسیٰ اور فضل بن وکین سے بھی روایت کرتے ہیں اور یہ تینوں حضرات اپنی جگہ ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔

۳۔ طبقات ابن سعد میں جہاں صحیح سند سے روایات منقول ہیں، وہاں مقطوع اور مرسل روایات بھی پائی جاتی ہیں، اور یہ روایات لانا اس لئے ضروری ہو جاتا ہے تاکہ ایک موضوع کے بارے میں مکمل تصویر سامنے آجائے، اور سند کے ہوتے ہوئے اس کی جانچ پڑتال کرنا اہل علم کے لئے مشکل نہیں ہے۔

۴۔ اگرچہ طبقات ابن سعد روایات پر مشتمل ایک کتاب ہے اور نقد و تبصرہ کا وجود نہیں ہے۔ مگر کہیں کہیں تنقیدی توضیحات بھی نظر آتی ہیں۔

مثلاً ابن سعد نے ہشام کلبی کا یہ قول نقل کیا ہے۔

بدر میں سائب بن مظعون نے شرکت کی تھی نہ کہ سائب بن عثمان بن مظعون نے۔ ابن سعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> اس جگہ کلبی سے غلطی سرزد ہوئی ہے، سیرت نگار جو مغازی سے بھی آشنا ہیں جانتے ہیں کہ ابن عثمان بن مظعون نے بدر واحد بلکہ تمام غزوات میں شرکت کی تھی۔

۵۔ طبقات ابن سعد میں اشعار نقل نہیں کئے گئے، البتہ خطبات میں کچھ اشعار منقول ہیں، خصوصاً وہ خطبات جو آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر دیئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ابن سعد محدثین کے طریقے کے مطابق روایت کرنے والا شخص ہے اور ادبا کی طرح تنقید کرنے کا عادی نہیں ہے۔

۶۔ تاریخ الطبری: ابوجعفر محمد بن جریر، الطبری، علامہ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، ایک ممتاز عرب مورخ، مفسر وفقیہ ہیں۔ ۲۲۴ھ کے اواخر یا ۲۲۵ھ کے اوائل مطابق ۸۳۹ء کو صوبہ طبرستان کے پائے تخت آمل میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرلیا۔ طلب علم کے لئے مختلف مقامات آئے، بصرہ اور کوفہ کی سیاحت کرتے ہوئے اس ارادہ سے بغداد میں مقیم ہوگئے کہ امام احمد بن حنبل سے تلمیذ حاصل کریں گے۔ لیکن ابھی

بغداد آئے ہوئے کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ امام کا انتقال ہو گیا۔ امام کے انتقال کے بعد آپ کوفہ چلے گئے جہاں آپ نے عام حدیث ہناد بن السری اور اسماعیل بن موسیٰ سے حاصل کیا اور علم قرات میں خلاد الطلحی سے مہارت کی ان کے علاوہ آپ نے اس زمانہ کے ادب و عالم ابو کریب محمد بن العلاء الہمز ان سے کوفہ میں ایک لاکھ احادیث سنیں۔ پھر طلب علم کی خواہش و آرزو آپ کو مصر لے آئی۔ وہاں آپ نے فقہ شافعی کے عالم ربیع اور مزنی سے علم فقہ میں کسب فیض کیا۔ ایک روایت کے مطابق ۸۷۱ء یا ۸۷۴ء کو بغداد واپس آ گئے۔ علوم عالیہ و آلہ میں ان کی مہارت اور دنیا سے لاتعلق کو معجم الادباء نے اس طرح نقل کیا ہے۔

ابن جریر دنیا میں سے تعلق اور دنیا و اہل دنیا سے منقطع تھا۔ اپنے آپ کو دنیا میں انتقال سے بلند رکھتا تھا۔ وہ ایسا قاری تھا کہ گویا قرآن کریم کے علاوہ کچھ نہیں جانتا، ایسا محدث تھا کہ گویا حدیث کے سوا کچھ نہیں جانتا، ایسا فقیہہ تھا کہ گویا علم فقہ کے سوا اسے کسی علم پر دسترس نہیں، ایسا ماہر نحو تھا کہ جیسے ساری عمر فقط نحو ہی پڑھتا رہا، اور ایسا محاسب تھا کہ ساری زندگی حصول علم حساب ہی میں گزاری عبادات کی حقیقت کو جانتا تھا اور علوم عالیہ و آلہ کا ماہر تھا۔ اگر آپ اس کی کتابوں کو دوسرے مؤلفین کی کتب کے ساتھ رکھیں تو اس کی کتب دوسری مولفات پر یقیناً فضیلت کا درجہ رکھتی ہوں گی۔ (۴۳)

انہوں نے اپنی اس کتاب میں تخلیق عالم اور تحت آدم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کا اور بادشاہوں کا تذکرہ مرتب کیا اور پھر بغداد بعثت سے اپنے زمانہ تک کی امت محمدیہ اور ملوک امت کی تاریخ حسن ترتیب کے ساتھ امت کے سامنے رکھ دی۔ ان کی اس کتاب کا نام باختلاف روایات "تاریخ والملوک" یا تاریخ الرسل والملوک" ہے۔ اس کتاب میں روایات محدثین کے طرز پر سند کے نقل کے ساتھ جمع کی گئی ہیں۔ ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک اس کے راوی ثقہ، صادق اور متقی ہیں اور ایک عادل راوی کی تمام صفات کے حامل و مالک ہیں۔ علامہ نے اپنے پیش رو مورخین، یغوس بلاذری، واقدی اور ابن سعد کی نسبت زیادہ جامعیت کے ساتھ اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ اور یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ علامہ طبری کی کتاب تاریخ اسلام پر پہلی جامع کاؤنٹر ہے جس نے تاریخ کے طالب علم کو امت اور خلفاء و ملوک امت کے حالات کی طرف صحیح رہنمائی کی ہے۔ تاریخ اسلام کی ابتداء سال ہجرت سے ہوتی ہے اور ۳۰۲ھ تک کی تاریخ علامہ نے امت کے

سامنے پیش کر دی ہے۔ اور بعد کے آنے والے مورخین کے لئے جن میں ابن اثیر، ابن مسکویہ اور ابن خلدون شامل ہیں، ایک عظیم رہنمائی فراہم کی ہے۔ کتاب میں تفسیر، حدیث، لغت، ادب، سیر و مغازی، امم سابقہ کی تاریخ اور تاریخ اسلام جیسے علوم پر جامع کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ اس کے بنیادی مصادر تفسیر میں عکرمہ، مجاہد اور صحابہ میں ابن عباس کی روایات، سیرو میں ابان بن عثمان، عروہ بن زبیر شرجیل ابن سعد موسی بن عقبہ اور ابن اسحٰق کی روایت، معرکوں، فتوحات میں سیف بن عمر الاسدی جمل و صفین کے واقعات میں ابن محمد اور مدائنی، تاریخ امویہ کے بیان میں عوام ابن الحکم تاریخ دور عباسین کی تالیف میں احمد بن خیثمہ کی روایات ہیں۔ اکثر روایات محدثین کے نزدیک معتبر اور تحفہ ہیں۔ علامہ اس کتاب کو تین قسموں میں منقسم کیا ہے۔

قسم اول میں اسلام سے قبل کے حالات و نبی کریم ﷺ کی سیرت، خلفاء راشدین اور ۴۰ھ تک کے واقعات و احوال کا احاطہ کیا ہے۔

قسم ثانی میں ۴۱ھ تا ۱۳۰ھ تک کے تاریخی واقعات اور اہم شخصیات کا تذکرہ ہے۔

قسم ثالث میں ۱۳۱ھ تا ۳۰۲ھ تک کے تاریخی واقعات اور اہم شخصیات کا تذکرہ کیا ہے۔

۳۔ الکامل فی التاریخ: ابوالحسن علی بن ابی الکریم محمد بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد الشیبانی المعروف بابن اثیر، عزالدین،

علم تاریخ میں ابن اثیر کا نام ایک اساس اور بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ ابن اثیر جمادی الاولی ۵۵۵ھ/ کو جزیرہ عمر میں پیدا ہوئے، بچپن میں موصل منتقل ہوگئے اور وہاں پر ابوالفضل عبداللہ بن احمد الخطیب، الطوسی اور ان کے ہم عصر علماء سے حصول علم میں خود کو مصروف کیا۔ حصول علم کے لئے آپ نے بار بار بغداد کا بھی سفر کیا اور وہاں وہ شافعی کے ماہر ابوالعاصم بن صدقہ اور بزرگ صوفی ابن احمد عبدالوہاب بن علی سے علم حدیث وفقہ حاصل کیا۔ پھر علم کا یہ طالب شام وقدس بھی گیا اور وہاں پر علماء کی ایک جماعت سے علم حاصل کیا۔ آپ کی تاریخ وفات الموسوعہ کے مطابق ۱۲۳۴ھ اور اردو دائرہ معارف کے مطابق

۱۲۳۳ھ ہے۔ ادب اور علم حدیث پر گہری دسترس رکھتے تھے۔ جامع الاصول فی الاحادیث اور النہایہ فی غرب الحدیث والاثار آپ کی دو بلند پایہ تصانیف ہیں۔

ابن خلکان لکھتے ہیں: ابن اثیر حفظ، معرفت اور متعلقات حدیث کے امام تھے۔ قدیم و جدید تاریخ کے حافظ تھے اور اہل عرب کے انساب ادوار اور حوادث سے بخوبی واقف تھے۔ آپ نے علم تاریخ میں ایک عظیم کتاب ''الکامل'' کے نام سے مرتب کی جو تاریخ کی عمدہ ترین کتب میں سے ہے۔ (۴۴)

ابن اثیر کی کتاب الکامل جدید اسلوب پر مرتب شدہ علم تاریخ پر ایک بلند پایہ تالیف ہے۔ اس کتاب کا اہم بنیادی مصدر تاریخ الامم و الملوک ہے اور انداز تالیف بھی طبری کی طرح ہے۔ یعنی تخلیق کائنات اور بعثت آدم سے اس کتاب کی ابتداء اور ۶۲۸ھ کے اخیر تک کے اہم تاریخی واقعات وحوادث کو جامع و حاوی ہے۔ الکامل قدیم و جدید کا ایک خوبصورت امتزاج ہے۔

۴۔ طبقات کی ایک اور ایک اہم کتاب خلیفہ بن خیاط (م ۲۴۰ھ) کی کتاب الطبقات ہے، یہ کتاب ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی تحقیق سے پہلی مرتبہ ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی تھی۔

طبقات خلیفہ کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں ذکر انساب کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔ اور یہی اہتمام ان کی کتاب میں نمایاں نظر آتا ہے اور اس کتاب میں سیرت کے حوالے سے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب شریف ملتا ہے، اس کے بعد صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا ذکر ان کے مقام سکونت کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔

کتب تاریخ میں سال بہ سال کے واقعات کی ترتیب سے مرتب، سب سے قدیم تالیف خلیفہ بن خیاط (ف ۲۴۰ھ) کی تاریخ ملتی ہے، یہ کتاب بھی ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی تحقیق سے پہلے مرتبہ ۱۹۶۷ء میں بغداد سے شائع ہوئی تھی۔

تاریخ خلیفہ بن خیاط اس لئے اہمیت کے حامل ہے کہ یہ کتاب ایک قدیم مصدر ہونے کے ساتھ ساتھ محدثین کے اصولوں کے مطابق اس کی تمام روایات سند سے مزین ہیں، خلیفہ بن خیاط نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ ہر عہد کے والیان مملکت اور ان کے عہد داران کی فہرست بھی دی جائے، غزوات اور داخلی جنگ و جدال میں شہید ہونے والے افراد کے نام تحریر کئے جائیں، حرہ اور زاویہ کے واقعات کے بارے میں تفصیلات صرف تاریخ

خلیفہ میں پائی جاتی ہیں۔

خلیفہ بن خیاط نے اپنی کتاب کی ابتداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سن ولادت اور وفات سے کی ہے، اور اس کے بعد سن ایک ہجری سے واقعات بیان کرنا شروع کئے ہیں اور اس طرح اس کتاب کی ابتداء ہجرت سے ہوتی ہے اور اس کی وجہ مصنف کی وجہ ترتیب ہے کہ وہ اپنی کتاب کو واقعات کے بجائے تاریخی تسلسل اور سنوات پر مرتب کرنا چاہتے ہیں، اس طرح انہوں نے ہجرت سے شروع کرنے کے بعد ۲۳۲ھ تک کے واقعات اپنی کتاب میں جمع کئے ہیں، اس کتاب کی خصوصیات میں یہ اہم بات ہے کہ خلیفہ بن خیاط نے روایات ذکر کرتے ہوئے سند کا اہتمام کیا ہے، ہر سال میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات بتائے ہیں، ان میں غزوات اور سرایا کا بالخصوص ذکر کیا ہے، شہدا کے ناموں کی تفصیل اور غزوہ سے متعلق دیگر واقعات بیان کر دیئے ہیں، اس کے علاوہ ہر سال کے اہم واقعات میں مختلف شخصیات کے سن ولادت، سن وفات اور شادی بیاہ کے بارے میں بھی تذکرہ شامل ہے۔

اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ تاریخ خلیفہ بن خیاط تاریخی تسلسل، مختلف واقعات کی توثیق کے لئے ایک اہم مرجع ہے اور اس کتاب سے مختلف عہدوں پر کام کرنے والے صحابہ کرام کی تفصیل بھی معلوم کی جاسکتی ہے۔

۵۔ تاریخ الاسلام ذہبی: شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد المعروف بہ علامہ ذہبی (۶۷۳ھ ۷۴۸ھ) کی تصانیف میں سب سے بڑی کتاب "تاریخ الاسلام" ہے جو مصر میں ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۷ھ ـ ۱۹۴۸ء میں مصنف کی دوسری کتاب "طبقات المشاہیر والاعلام" کے ساتھ شائع ہوئی۔ اب مستقبل شائع ہو رہی ہے چالیس جلدیں چھپ چکی ہیں۔ یہ اسلام کی ایک ضخیم ومبسوط کتاب ہے جو آنحضرت ﷺ کے نسب نامے سے شروع ہوکر ۷۰۰ھ/ ۱۳۰۰ء ـ ۱۳۰۱ء تک کے واقعات پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔ اس کا انداز ابن جوزی کی "المنتظم فی تاریخ الامم" سے ملتا جلتا ہے یعنی اس میں مختلف تاریخی ادوار قائم کر کے واقعات کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی وفات کا بھی ذکر ہے جنہوں نے زیر بحث سالوں میں وفات پائی۔ ساتھ ہی مختصر سوانح بھی دی گئی ہے۔ سات صدیوں کی اس تاریخ میں پہلی تین صدیوں کے واقعات مختصر ہیں اور تاریخ طبری سے ماخوذ ہیں۔ البتہ آخری چار صدیوں کے حالات

مفصل ہیں اور یہاں ان واقعات کو بھی سمیٹ لیا گیا ہے جنہیں ابن الاثیر نے ''الکامل فی التاریخ'' میں نظرانداز کر دیا تھا یعنی اولاً سلجوقیوں، ایوبیوں اور مغلوں کے حملوں کی تاریخ، ثانیاً، اسلام کی اندرونی نشوونما، خاص کر باطنی اور شیعی فرقوں کی تفصیل اور ثالثاً، مغرب میں اسلام کی حالت، علامہ ذہبی حدیث، فقہ اور تاریخ میں امتیازی حیثیت کے مالک ہیں اور اختصار نویسی کا اسلوب ان کی ضخیم تاریخ اسلام کی جان ہے۔ اس کتاب کی ضخامت کے پیش نظر ذہبی نے خود ہی اس کے تین خلاصے بھی تیار کیے۔

۶۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر: اسمٰعیل بن عمر عماد الدین ابوالفدا ابن کثیر (۷۰۱ھ۔ ۷۷۴ھ) نے دس جلدوں میں ایک عالمی تاریخ ''البدایہ والنہایہ فی التاریخ'' کے نام سے لکھی، جو ابتدائے آفرنش سے اُن کے اپنے زمانے (۷۶۸ھ) تک کے واقعات پر مشتمل ہے(۴۵) اس کتاب میں بھی حضور اکرم ﷺ کے حالات نہایت تحقیق کر کے لکھے گئے ہیں، خصوصاً ہجرت نبوی سے لے کر آنحضرت ﷺ کی وفات تک کے حالات کا تذکرہ مربوط اور سن وار ہے۔(۴۶) صاحب کشف الظنون کہتے ہیں کہ یہ کتاب صحیح اور غلط روایات میں امتیاز کرنے میں اپنی مثال آپ ہے۔ ''البدایہ والنہایہ'' کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سابقہ انبیاء اور قدیم اقوام کے حالات مختصراً بیان ہوئے ہیں، گو یہاں سنین درج کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا، مگر جونہی ہجرت کا آغاز ہوتا ہے، اس کے بعد کے واقعات سنین وار بیان کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں تمام تاریخی وقائع انتہائی محنت اور دیانت سے جمع کئے گئے ہیں۔ حافظ ابن کثیر کا یہ بھی کارنامہ ہے کہ انہوں نے فن درائت کو تاریخ نویسی کی بنیاد بنایا۔(۴۷) اور تاریخی روایات کی تنقیح وتہذیب کے اس جدید اسلوب کی بنیاد ڈالی جسے بعد ازاں ابن خلدون نے نقطہ عروج تک پہنچایا۔ براکلمان کی تحقیق کے مطابق اس کتاب کے ۷۳۸ھ تک کے واقعات البرزالی کی تاریخ سے ماخوذ ہیں۔(۴۸)

۷۔ تاریخ ابن خلدون: ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون المغربی (۷۳۲ھ۔ ۸۰۸ھ) کی شہرۂ آفاق تاریخ کا نام ''کتاب العبر و دیوان المبتدأ و الخبر فی ایام العرب و العجم و البربر و من عاصر ھم من ذوی السلطان الاکبر'' ہے۔ یہ کتاب جو مختصراً ''کتاب العبر'' کہلاتی ہے، قاہرہ سے ۱۲۸۴ھ میں ۷ جلدوں میں شائع

ہوئی۔ اس کتاب کے مختلف حصے قدر و قیمت کے اعتبار سے یکساں نہیں ہیں، لیکن بحیثیت مجموعی یہ اپنے زمانے کی ایک شاندار تصنیف ہے۔ بالخصوص اس کا مقدمہ، جس میں عربی علوم اور تہذیب کے تمام شعبوں اور ان کے فلسفوں سے بحث کی گئی ہے، خیالات کی گہرائی، بیان کی وضاحت اور رائے کی اصابت کے اعتبار سے اصل کتاب سے بھی زیادہ اہم ہے۔ مصنف نے یہ مقدمہ ۷۷۵ھ میں ختم کیا۔

تاریخ ابن خلدون کی اگرچہ سات جلدیں ہیں، لیکن مصنف نے اپنی کتاب کو ازخود تین حصوں (کتاب الاول، کتاب الثانی اور کتاب الثالث) میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ، مقدمہ ابن خلدوں ہے۔ جس میں انسانی معاشرے کے اجتماعی، تمدنی، جغرافیائی، اقتصادی، علمی، مذہبی اور ادبی پہلوؤں پر فلسفیانہ بحث کی گئی ہے۔ دوسرا حصہ عرب کے اخبار وروایات پر مشتمل ہے۔ یعنی عربوں کے عہد قدیم سے لے کر مصنف کے عہد تک کی سلطنتوں کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کی دوسری متمدن اقوام کی تاریخ بھی ساتھ ہی ساتھ قلم بند کی گئی ہے۔ تیسرا حصہ اقوام بربر کے لئے وقف ہے اور اس میں شمالی افریقہ کی حکومتوں کی تاریخ درج کی گئی ہے۔

وسعت اور پھیلاؤ کے اعتبار سے تاریخ ابن خلدون اپنی پیش رو تصانیف سے بازی لے گئی ہے: چنانچہ جہاں طبری کی ''تاریخ الامم'' ۳۰۲ھ تک کے واقعات پیش کرتی ہے، مسعودی کی ''مروج الذہب'' میں ۳۱۳ھ تک کے حالات کا بیان ہے، ابن مسکویہ کی ''تجارب الامم'' ۳۶۹ھ تک کے تاریخی وقائع پر مشتمل ہے، ابوالفدا کی ''اخبار البشر'' میں ۷۲۹ھ تک کی اسلامی تاریخ تحریر کی گئی ہے، وہاں ابن خلدون کی ''کتاب العبر''، اسلام کی آٹھ صدیوں کی تاریخ پر محیط ہے۔ الفریڈ بیل کے بقول ''یہ کتاب پچاس سال کے براہ راست مشاہدے اور متعدد کتابوں، وقائع اور اپنے زمانے کی سفارتی اور سرکاری دستاویزوں کے گہرے مطالعے کا ثمرہ ہے'' مصنف نے اس کتاب کا آغاز حضرت نوح کے ذکر سے کیا اور اپنے زمانہ (۷۹۷ھ) تک آ کر ختم کیا۔

تاریخ ابن خلدون کی ایک جلد رسول ﷺ اور خلفائے رسول ﷺ کے حالات کے لئے وقف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح اگرچہ بہت زیادہ مفصل نہیں، لیکن تمام ضروری واقعات اس میں آ گئے ہیں۔ ولادت نبوی، بچپن، ابتدائی زندگی، جوانی، سفر

شام، پہلی شادی، بعثت، معراج، تبلیغ اسلام، ہجرت حبشہ اول و دوم، مدینہ میں ابتدائی مسلمان، ہجرت مدینہ، غزوات، عام الوفود، فتنہ، ارتداد، حجۃ الوداع اور وفات کا اجمالی تذکرہ ہے۔ سیرت نبوی ﷺ کا یہ حصہ مختصر ہونے کے باوجود اہم ہے کیونکہ یہ بعد کی تواریخ وسیرت کی کتابوں کا ماخذ ہے۔

خلاصہ بحث یہ کہ سیرت پر تاریخ سے استفادہ کئے بغیر لکھنا تو ممکن ہے لیکن وسعت و جامعیت تاریخ کے بغیر نہیں آ سکتی ہے اسی لئے متعدد سیرت نگار محققین نے تاریخ کو اصول سیرت میں شمار کیا ہے۔

تمت

گیارھویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ فیروز الدین، مولوی، فروز اللغات فیروز سنز لاہور ۱۹۶۷ء، ص/۳۰۱
۲۔ الجوہری، اسماعیل بن حماد الصحاح ج/۱ص/۲۰۰
۳۔ ابن منظور، لسان العرب مطبوعہ قاہرہ ۱۳۰۰ھ ج/۱ص/۵۸
۴۔ غریال، محمد شفیق، الموسوعۃ العربیۃ قاہرہ ۱۹۵۹ء ص/۴۸۰
۵۔ ایضاً
۶۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا مادہ History
۷۔ صدیقی، محمد سعد، مسلمان مؤرخین کا اسلوب تحقیق قائداعظم لائبریری لاہور ۱۹۸۸ء ص/۳
۸۔ علی گل، ڈاکٹر صادق، فن تاریخ نویسی پبلشرز ایمپوریم لاہور ۱۹۹۳ء ص/۱۱۷۔۱۶۶
۹۔ ایس ایم شاہد، مطالعہ تاریخ نیو بک پیلس لاہور ۱۹۹۰ء ص/۴۱
۱۰۔ ایضاً ص/۱۸۲
۱۱۔ سورۃ یوسف/۱۱۱
۱۲۔ سورۃ الاعراف/۱۷۶
۱۳۔ سورۃ یوسف/۱۱۱، مثلاً "فبعث اللہ عراباً یبحث فی الارض لیرہ کید، یوراری سوأۃ اخیہ وقال یویلتی اعجزت ان اکون مثل ھذا الغراب فاواری سوأ اخی فاصبح من الندمین. (سورۃ مائدہ/۳۱)
پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا کہ وہ زمین کھودتا تھا تا کہ اسے تعلیم کردے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طریقہ سے چھپا دے کہنے لگا افسوس میری حالت پر، کیا میں اس سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اس کوے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی روش چھپا دیتا، سو بڑا شرمندہ ہوا۔

حضرت آدمؑ کے بیٹے کو پریشانی لاحق ہوئی کہ بھائی کی لاش کو کس طرح چھپاؤں؟ ماضی اس کے پاس تھا نہیں کہ وہ اس سے سبق وعبرت حاصل کر لیتا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک کوا بھیجا جس کی چونچ میں ایک دوسرے کوے کی لاش تھی، کوے نے زمین کھودی اور لاش دبا کر زمین برابر کر دی اور اڑ گیا۔ چنانچہ ابن آدم نے اس واقعہ سے عبرت حاصل کی اور نادم وشرمندہ ہوا کہ میری عقل اس کوے سے بھی ضعیف وکمزور ہے۔ یہ کہہ دینا شاید کوئی مبالغہ نہ ہو کہ انسانی تاریخ میں عبرت وسبق حاصل کرنے کا یہ پہلا واقعہ ہو۔

۱۴۔ سورہ یوسف/۱۱۱

۱۵۔ سورۃ النازعات/۲۶

۱۶۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ بیروت ص/۴

۱۷۔ صدیقی، محمد سعد، مسلمان مؤرخین کا اسلوب تحقیق ص/۱۰

۱۸۔ ایضاً ص/۱۱

۱۹۔ ازرقی، تاریخ مکہ ص/۹

۲۰۔ سزگین، محمد فواد، تاریخ علوم اسلامیہ ج/۲ ص/۲۹، بحوالہ الاکمال لابن ماکولا ج/۴ ص/۲۷۹

۲۱۔ ایضاً ج/۲ ص/۸۱

۲۲۔ ایضاً ج/۲ ص/۱۱۹۔۱۲۰

۲۳۔ کتاب الاغانی مطبوعہ دارالکتب ج/۱۸ ص/۱۴۴

۲۴۔ سزگین، تاریخ علوم اسلامیہ ج/۲ ص/۱۵۳

۲۵۔ الواقدی (المغازی) ۱۶۲۔۲۱۵، مسند ابن حنبل، ۵/۳۵۰، تاریخ الطبری (فہارس)، ابن حجر (لاصابہ) ۲/۷۸۰، ابن حجر التہذیب، ۵/۲۴۹، الزرکلی (الاعلام) ۴/۲۲۳، شتائن سیدر Steinschneider Arab Lit der : juden (التراث العربی لمؤلفین یہود، ص/۸۰۹، مقالہ یوسف ہارویز دائرہ معارف اسلامیہ (انگریزی) جلد اول، ص/۴۲

۲۶۔ سزگین، تاریخ علوم اسلامیہ ج/۲ ص/۸۲

۲۷۔ طبقات ابن سعد، ۷/۲/۱۵۶، ابن حجر (الاصابہ) ۳/۶۳۵۔۶۳۹، ابن حجر

(التہذیب) ۸/ ۳۳۸-۳۴۰، بروکلمان (تکملہ) ۱/ ۱۰۱، مقدمہ ابن خلدون، ترجمہ ۱۰/ ۲۶، ۲۰۳، ۲۰۵، ۳۳۵

۲۸۔ المسعودی (مروج الذہب) ۵/ ۴۶۲ بعید، ابن الندیم (الفہرست) ۲۲، ۲۳، ابن قیم (حلیۃ الاولیا) ۴/ ۲۳، الزرکلی (الاعلام) ۹/ ۱۵۰، الکہالہ (معجم المولفین) ۱۳/ ۱۹۷۴، الدوری (علم التاریخ، بیروت ۱۹۶۰ء) ۱۰۲، ۱۱۷، بروکلمان/ ۶۵ مرآۃ الجنان ۱/ ۳۴۸، ابن حجر التہذیب ۱۱/ ۱۶۸، طبقات ابن سعد ج/ ۷ ص/ ۹۷

۲۹۔ سزگین، تاریخ علوم اسلامیہ ج/ ۲ ص/ ۸۴

۳۰۔ ابن خلکان (وفیات الاعیان) مطبوعہ قاہرہ ۱۹۴۹، ٪/ ۶۵، ابن الجوزی (المنتظم، ۶/ ۳۷) السیوطی، حسن المحاصرہ، ۱/ ۳۱۹، حاجی خلیفہ، ۲۸۰، الکحالہ، معجم المولفین، ۷/ ۲۶۹، روزنتال، علم التاریخ عند المسلمین، ۶۶، بروکلمان، تکملہ ۱۰/ ۲۱۷

۳۱۔ سزگین، تاریخ علوم اسلامیہ ج/ ۲ ص/ ۱۰۴

۳۲۔ ایضاً ج/ ۲ ص/ ۱۰۵

۳۳۔ ابن الندیم (الفہرست) ۲۳۴، ۲۳۵، خطیب بغدادی، تاریخ بغداد ۲/ ۱۶۲، ۱۶۹، یاقوت ارشاد الاریب، مطبوعہ لائیڈن، ۶/ ۴۲۳ - ۴۲۶، القفطی، ابنا الرواۃ، ۳/ ۸۹-۹۰، ابن الاثیر، اللباب، ۲/ ۸۰، ابن الجزری، غایۃ النہایۃ، ۲/ ۱۰۶-۱۰۸، ابن الجوزی، المنتظم، ۶/ ۱۷۰-۱۷۲، الذہبی، تذکرۃ الحفاظ طبع دوم، ۲/ ۲۵۰-۲۵۵، الذہبی، میزان الاعتدال، ۳/ ۲۵، الذہبی، دول الاسلام، ۱/ ۱۴۷، الصفدی الوافی بالوفیات، ۲/ ۲۸۴-۲۸۷، ابن حجر، لسان المیزان، ۵/ ۱۰۲-۱۰۳، ابن کثیر البدایۃ واس......، ۱۱/ ۱۴۵-۱۴۷، الزرکلی، الاعلام، ۶/ ۲۹۴، الکحالہ، معجم المولفین، ۹/ ۱۴۷-۱۴۸، محمد ابوالفضل ابراہیم، مقدمہ تاریخ الطبری، بروکلمان، ۱/ ۱۴۲، وسٹن فیلت، مورخین العرب وحدود ص/ ۹۴، گولٹ تسیحر، مذاہب التفسیر القرآنی، ص/ ۹۵-۹۸، پاریٹ Paret دائرۃ المعارف الاسلامیہ، انگریزی، ۴/ ۶۲۵-۶۲۷

۳۴۔ سزگین، تاریخ علوم اسلامیہ ج/ ۲ ص/ ۱۰۶-۱۰۷

۳۵۔ ایضاً ج/ ۲ ص/ ۱۰۸

۳۶۔ بخاری، التاریخ الکبیر،۲/۱/۱۱۹، ابن حجر، تقریب التہذیب، ۱/۲۰۹، ابن تغری بروی النجوم الزاہر، ۱/۱۲۷، ۱۲۶، ۲۳۷، ۲۵۰، ۲۰۸

۳۷۔ طبقات ابن سعد، مطبوعہ لائیڈن، ۷/۱۹۷، الذہبی، تاریخ الاسلام، ۵/۱۸۴، الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۱۲۹، ۱۳۰۰، ابن حجر، تہذیب التہذیب، ۱۱/۲۱۸۔۳۱۹، ابن تغری بروی، النجوم الزاہرہ، ۱/۱۹، ۱۴۳، ۲۳۸، ۳۰۸، محمد کامل حسین، الادب المصری، ۴۲، الزرکلی، الاعلام، ۹/۲۳۶، (Biographiex) A. Fischer بمواضع کثیرہ

۳۸۔ طبقات ابن سعد ۶/۲۰۵، البخاری، تاریخ الکبیر، ۲/۱/۲۶۷، تاریخ الطبری، ۳/۲۵۲۰۰، القیروانی، الرجال، ۱/۱۳۲، ابن الاثیر، اللباب، ۳/۱۳۸، ابن حجر، تہذیب التہذیب، ۳/۲۱۸، ہشام بن کلبی، الجمہرۃ، مخطوطہ ۹۹۹، کتب خانہ راغب، ترکیہ

۳۹۔ ابن قتیبہ، کتاب الشعر والشعراء ۱۵۷، ۴۸۲، ۴۹۰، ابن قتیبہ، المعارف، ۲۷۸، ابن المعتز، طبقات الشعراء مطبوعہ الندن، ۲۲۳، ابن الندیم الفہرست، ۹۱۔۹۲، ابن عبدربہ، العقد الفرید، ۵/۳۰۷، ۲۰۸، ابن الانباری ذنزہۃ الالبار، ۴۳، ابن الندیم، الفہرست، ۹۱۔۹۲، ابن عبدربہ، العقد الفرید، ۵/۳۰۷، ۲۰۸، ابن الانباری نزہۃ الالبار، ۴۳، ابن عساکر، تاریخ دمشق، ۴/۴۲۷۔۴۳۱، ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۱/۱۶۴، مطبوعہ قاہرہ، ابن حجر، لسان المیزان، ۲/۲۵۲۔۳۵۲، بغدادی، خزانۃ الادب، ۱/۱۲۹۔۱۳۲، ناصر الدین الاسد، مصادر الشعر الجاہلی، بمواضع کثیرہ، الزرکلی، الاعلام، ۴/۳۰۱۔۳۰۲، بروکلمان، ۱/۶۳، عدد ۱۳، تولدیکی، دراسات، بیر، موجز تاریخ الدب العربی، ۲۷۵۔۲۷۸، مقالہ فان ارندوک، دردائرہ معارف الاسلامیہ، ۲/۲۶۶۔۲۶۷، یورپی ایڈیشن

۴۰۔ سزگین تاریخ علوم اسلامیہ ج/۲/ص/۱۵۲

۴۱۔ سزگین، تاریخ علوم اسلامیج /۲/ص/۱۷

۴۲۔ ایضاً ج/۲/ص/۷۸

۴۳۔ حموی، شہاب الدین أبي عبداللہ یاقوت، معجم الادباء مطبوعہ بیروت، ج/۱۸

۴۴۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان وابناء الزمان مطبوعہ بیروت ۱۹۷۷ء ج/۳ ص/ ۳۴۸
۴۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، ج/ا ص/۶۵۴ (مقالہ: ابن کثیر)
۴۶۔ ہفت روزہ توحید، لاہور، شمارہ ۱۴، جنوری ۱۹۶۶ء، مقالہ: عربی سیرت نگاری کا ارتقا: صلاح الدین قاضی قسط نمبر ۳، ص/ ۸
۴۷۔ مسلمان تاریخ نویس: شیخ سعید اختر، ص/۸۰، ۸۱، ابن کثیر
۴۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، ج/ ا ص/۶۵۴، مقالہ: ابن کثیر از براکلمان،

تمت

بارہواں اصول: علم تاریخ حرمین ہے

مسلمان ہر مذہب کی عبادت گاہ کا احترام کرتے ہیں، لیکن اسلام میں تین مقامات کوخصوصی اہمیت حاصل ہے، مکة المکرمة مدینة المنورہ اور بیت المقدس بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ دوم رہا ہے اور معراج و سیادۃ الانبیاء کا ذریعہ تھا اس حوالہ سے سیرت سے بھی اس کا تعلق ہے۔ مسلم مؤرخین نے ان تینوں مقامات مقدسہ پر بہت سی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں، آپ نے اس سے قبل عام تاریخ کا مطالعہ کیا ہے۔ لیکن کچھ کتابیں خاص علاقوں اوران علاقوں کی جزئیات، جغرافیہ، وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر لکھی جاتی ہیں، ایسی کتابیں عام کتب تواریخ کے مقابلہ میں زیادہ جزئیات کا احاطہ کرتی ہیں، زیادہ جامع ہوتی ہیں۔ مکہ و مدینہ کوحرمین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مکہ کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود انسان کی، یہ خصوصیت کسی اور خطہ کوحاصل نہیں، اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم کہتا ہے:

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکا وھدی للعالمین(۱)

یعنی سب سے پہلا گھر مکہ کی سرزمین پر کعبہ ہے جسے لوگوں کی ہدایت اور برکت کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے میں نے اسے مستقل اصول سیرت کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں مکہ اور مدینہ منورہ کی تاریخ کے ساتھ بیت المقدس کی تاریخی مقامات مقدسہ حضور کی سیرت، آثار قدیمہ، اور قدیم تہذیب کا ذکر ملتا ہے۔

سیرت کا تاریخ حرمین سے تعلق: آپ ﷺ کی زندگی محترم مکہ و مدینہ وحرمین میں گزری ہے، اس کے مقابلہ میں بیت المقدس سے تعلق مختصر عرصہ کے لئے رہا ہے۔ یہی وجہ ہے تینوں مقامات کے حوالہ سے جو بھی کتابیں لکھی گئی ہیں وہ اس وقت تک نامکمل رہتی

ہیں، جب تک آپ ﷺ کا ذکر نہ آئے کعبۃ اللہ اور بیت المقدس کی تاریخ قدیم ترین ہے۔ آپ ﷺ کے حوالہ سے جب بھی سیرت نگاری کی جائے گی کعبہ کا ذکر ضرور آئے گا، اور سیرت نگار جب تک اس موضوع پر لکھی گئی کتب سے استفادہ نہیں کرے گا نہ وہ کعبہ کی تعمیر بیان کرسکتا ہے نہ اس کا ارتقاء نہ عبادت کے اسلوب نہ زائرین کی روایات نہ زمزم کا ذکر، نہ حجر اسود کی آمد نہ سالانہ میلے نہ قدیم تہذیبی روایات بطور مثال ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں۔

قرآن کریم کی آیت ہے:

ولیس البربان تاتو البیوت من ظھورھا ولکن البرمن اتقی (۲)

نیکی یہ نہیں ہے کہ گھروں کے پیچھے سے داخل ہو بلکہ نیکی یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرو۔

اس کا مفہوم نہ ہمیں قرآن کریم سے سمجھ میں آتا ہے نہ حدیث سے، یہ ہمیں حرمین پر لکھی ہوئی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے ایک جاہلی رسم سے منع کیا ہے جو ان میں رائج تھی کہ وہ لوگ جب احرام باندھ لیتے اور کسی کام سے گھر آنا پڑتا تو دروازہ سے نہیں آتے تھے، بلکہ گھر کے عقب سے کود کر اندر آتے تھے۔ (۳)

ان مخصوص کتب میں مقدس مقامات کے حوالہ سے کچھ تذکرے ملتے ہیں، مثلاً تاریخ بنوہاشم، بت پرستی کا آغاز، کعبہ کی تعمیر بیت المقدس کی تعمیر حضرت سلیمان و دیگر انبیاء کا تعلق۔ بیت المقدس کی یہود پھر نصاریٰ کے ہاتھوں پامالی مدینہ کے منافقین قبیلہ اوس و خزرج کی تاریخ یہود کی مدینہ میں آمد و اخراج قصہ فیل وغیرہ ان مقامات مقدسہ پر لکھی ہوئی کتب میں جن جزئیات کا احاطہ کیا گیا ہے وہ عام تاریخی کتب میں دستیاب نہیں ہیں، سیرت نگار بیت المقدس کا ذکر کرتے ہیں، لیکن اسے سالم، شالم یروشلم کیوں کہا جاتا ہے؟ اسی طرح اس کا نام یبوس وایلیاء کیوں ہے۔ (۴)

اس کی تاریخ خاص بیت المقدس پر لکھی گئی کتب سے ہی ممکن ہے۔ لہٰذا سیرت نگار کے لئے ضروری ہے وہ تینوں مقامات مقدسہ پر لکھتے ہوئے ان کتب سے استفادہ

کرے۔

تاریخ حرمین پر تصانیف: تینوں مقامات مقدسہ پر مطبوعہ غیر مطبوعہ کتب مؤلفین کی سنہ وفات کی ترتیب پر پیش خدمت ہیں تاکہ سیرت نگاران کتب کی رہنمائی و مطالعہ سے اپنی تحقیق کو جامع بنا سکے۔

۱۔ 'فضائل مكة والسكن فيها' للحسن البصرى، المتوفى سنة ١١٠ھ مطبوعہ الکویت ۱۹۸۰ء(۵)

۲۔ 'اخبار المدينة' لمحمد بن الحسن بن زبالة، من اصحاب مالك، المتوفى سنه ١٩٩ھ (٦)

۳۔ 'اخبار مكة شرفها الله تعالىٰ وما جاء فيها من الآثار، لمحمد بن عبدالله بن احمد الأزرقي، المتوفى سنة ٢٢٣ھ، مطبوعه ١٢٧٥ھ، مطبوعه بتحقيق رشدى الصالح ملحس، المكتبة التجارية،

۴۔ 'اخبار المدينة' للزبير بن بكار، المتوفى سنة ٢٥٦ھ (٧)

۵۔ 'ذرع الكعبة والمسجد والقبر' لأبي بكر احمد بن عمرو بن مهير الشيباني، المعروف بالخصاف، المتوفى سنة ٢٦١ (٨)

۶۔ 'اخبار المدينة' لعمر بن شبه، المتوفى سنة ٢٦٢ھ، (قطعة منه في رباط مظهر في المدينة المنورة)، مطبوعه بتحقيق الأستاذ فيهم شلتوت،

۷۔ 'اخبار مكة' لعمر بن شبه، المتوفى سنة ٢٦٢ھ،(٩)

۸۔ 'المتقى في اخبار ام القرى، لمحمد بن إسحاق الفاكهي، المتوفى سنة ٢٧٢ھ (ط: غوتنجن، بعناية وستنفلد سنة ١٢٧٤ھ) مطبوعہ ۱۲۷۴ھ

۹۔ 'اخبار مكة في قديم الدهر و حديثه' لأبي عبدالله محمد بن إسحاق بن العباس الفاكهي، تحيق عبدالملك بن عبدالله بن دهيش، مكتبة ومطبعة النهضة الحديثة مكة المكرمة (۱۴۰۷ھ)(۱۰)

۱۰۔ 'تاريخ المدينة' ليحى بن الحسن الحسيني المدني، المتوفى سنة ٢٧٧ھ (١١)

۱۱۔ 'فضائل المدینة' للمفضل بن محمد الجندی، المتوفی سنة ۳۰۸ھ المخطوطه (۱۲)

۱۲۔ 'فضائل مکة' للمفضل بن محمد الجندی، المتوفی سنة ۳۰۸ھ(۱۳)

۱۳۔ 'اخبار المدینة' لمحمد بن یحیٰی العلوی، المتوفی سنة، ۳۱۰ھ(۱۴)

۱۴۔ 'فضائل مکة علی سائر البقاع' لأحمد أبوزید البلخي، المتوفی سنة ۳۲۲ھ(۱۵)

۱۵۔ 'مکة لأبی سعید بن الأعرابی، شیخ الحرم المکی، المتوفی سنة ۳۴۰ھ (۱۶)

۱۶۔ 'مکة لأبی القاسم عبدالرحمن بن أبی عبداللّٰه بن منده، المتوفی سنة ۳۴۰ھ(۱۷)

۱۷۔ 'کتاب فی فضائل بیت المقدس' لأبی القاسم مکی بن عبدالسلام الرمیلی المقدسی المحدث، المولود سنة ۴۳۲ھ

۱۸۔ 'اخبار مکة والمدینة وفضلهما' لروین بن معاویة العبدری الرقطی، المتوفی سنة ۵۳۵ھ

۱۹۔ 'فضائل البیت المقدس' او 'فضایل بیت المقدس' لابی بکر محمد بن احمد الواسطی، المتوفی فی المنصف الأول من القرن الخامس السهجری، محقق إسحاق حون، مطبوعه الدرسات الآسیویة والإ فریقیة الجامعة ، مطبوعه الدراسات الآسیویة والإفریقیة الجامعة العبریة یا القدس سنة ۱۹۷۹ء

۲۰۔ 'فضل بیت القدس' للحسن بن هبة اللّٰه أبی العظائم بن محفوظ بن صصری الربعی التغلبی الدمشقی، المتوفی سنة ۵۸۶ھ

۲۱۔ 'مثیر الغرام الساکن إلی أشرف الأماکن' لابن الجوزی، المتوفی سنة ۵۹۷ھ طبع بتحقیقی، دارالحدیث، القاهرة

۲۲۔ 'فضائل المدینۃ' لابن الجوزی، المتوفی سنۃ ۵۹۷ھ مطبوعہ المدینۃ المنورۃ،

۲۳۔ 'فضائل القدس' تالیف أبی الفرج عبدالرحمن ابن الجوزی، المتوفی سنۃ ۵۹۷، مطبوعہ بیروت سنۃ ۱۹۷۹ء تحقیق الدکتور جبرائیل جبور، مطبوعہ مکتبۃ جامعۃ برتستون، و مکتبۃ الثقافۃ، بالقاھرۃ،

۲۴۔ 'الفتح القسی فی الفتح القدسی' لعماد الدین محمد بن محمد بن محمد بن حامد الأصفھانی، المتوفی سنۃ ۵۹۷ھ، وقد حقق الجزء الأول من الکتاب کارلودی لاندبرج Carlo de Landberg، مطبوعہ لیدن سنۃ ۱۸۸۸م،بتحقیق محمد محمود صبیح، سنۃ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی۔

۲۵۔ 'فضائل البیت المقدس والخلیل، و فضائل الشام' لأبی المعالی المشرف بن المرجی ابن إبراھیم المقدس مخطوطہ (۱۸)

۲۶۔ 'فضائل المدینۃ ' للقاسم بن علی بن عساکر، المتوفی سنۃ ۶۰۰ھ(۱۹)

۲۷۔ 'فضائل مکۃ' لتقی الدین أبو محمد عبدالغنی المقدسی، المتوفی سنۃ ۶۰۰ھ(۲۰)

۲۸۔ 'الأنباء المبینۃ عن فضایل المدینۃ' للقاسم بن علی بن عساکر، المتوفی سنۃ ۶۰۰ھ(۲۱)

۲۹۔ 'الجامع المستقصی فی فضائل المسجد الأقصی' للقاسم بن علی بن الحسین بن ھبۃ اللّٰہ، أبی محمد بن عساکر، بھاء الدین الشافعی، المتوفی سنۃ ۶۰۰ھ، مخطوط

۳۰۔ 'الأنس فی فضایل القدس' للقاضی أمین الدین أحمد بن محمد بن الحسین بن ھبۃ اللّٰہ الشافعی، المتوفی سنۃ، ۶۱۰ھ

۳۱۔ 'مفتاح المقاصد و مصباح المراصد فی زیارۃ بیت المقدس' لعبد الرحیم بن علی ابن شیث القرشی، المتوفی سنۃ ، ۶۲۵ھ

۳۲۔ 'نزھۃ الوری فی أخبار أم القری' لابن النجار محمد بن محمود،

المتوفی سنة ۶۴۳ھ

۳۳۔ 'الدرة الثمنية فی اخبار المدینة' لمحمد بن محمود بن النجار البغدادی، المتوفی سنة ۶۴۳ھ، مطبوع

۳۴۔ 'روضة الأولیاء فی مسجد إیلیاء' لمحمد بن محمود بن الحسن بن هبة اللّٰه بن محاسن بن النجار، الملقب بمحب الدین، البغدادی، الشافعی، المتوفی سنة ۶۴۳ھ

۳۵۔ 'إنحاف الزائر فی فضائل المدینة' لعبد الصمد بن عبدالوهاب بن عساکر، أبو الیمن، المتوفی سنة ۶۷۶ھ(۲۳)

۳۶۔ 'فضل بیت المقدس' لأبی سعد، عبداللّٰه بن الحسن بن نظام الدین بن عساکر، المتوفی سنة ،۶۴۵ھ

۳۷۔ 'فضائل بیت المقدس، و فضائل الشام' لشمس الدین محمد بن حسین الکنجی المتوفی سنة ۶۸۲ھ ، مخطوطه فی مکتبة توبنجن رقم ۲۶

۳۸۔ 'القری لقاصد أم القری لأبی العباس أحمد بن عبداللّٰه بن محمد أبی بکر محب الدین الطبری المکی، المتوفی سنة ۶۹۴ھ، (طبعة الحلبی ثانیة ۱۳۹۰ھ

۳۹۔ "عواطف النصرة فی تفضیل الطواف علی العمرة" یلمب الطبری، المتوفی سنة ۶۹۴ھ

۴۰۔ 'استقصاء البیان فی مسالة الشاذروان' للمحب الطبری، المتوفی سنة ۶۹۴ھ

۴۱۔ 'تحقیق النصرة بتلخیص معالم دار الهجرة' لأبی بکر بن الحسین المراعی، المتوفی سنة ۷۱۶ھ

۴۲۔ 'باعث النفوس ألی زیارة القدس المحروس' تالیف برهان الدین أبی أسحاق ابراهیم بن عبدالرحمن بن أبراهیم الفزاری البدری، الملقب بابن الفرکاح، المتوفی سنة ۷۲۶ھ، تحقیق تشارلزد، مائیو Matthews Charles D (۲۴)

۴۳۔ 'کتاب فیه فضائل بیت المقدس، و فضائل الشام' لأبی أسحاق أبراهیم بن یحیی ابن أبی الحافظ المکناسی، من رجال القرن السابع الهجری

۴۴۔ 'الروضة' لمحمد بن أحمد بن أمین الأقشهری، المتوفی سنة ۷۳۱ھ، فیه أسماء من دفن بالبقیع (۲۵)

۴۵۔ 'أخبار مکة المکرمة' لعبدالملک بن أحمد بن عبدالملک الأنصاری الأرمانتی، المتوفی سنة ۷۳۲ھ

۴۶۔ 'التعریف بما أنست الهجرة من معالم دار الهجرة' لمحمد بن أحمد المطری، المتوفی سنة ۷۴۱ھ

۴۷۔ 'تفضیل مکة علی المدینة' لابن القیم، المتوفی سنة ۷۵۱ھ(۲۶)

۴۸۔ 'سلسلة العسجد فی صفة الأقصی و المسجد' لتاج الدین احمد ابن الوزیر، آمین الدین أبی محمد، الحنفی، المتوفی سنة ۷۵۵ھ

۴۹۔ 'مسائل الأنس فی تهذیب الوارد فی فضایل القدس' لصلاح الدین أبی سعید خلیل بن کیکلدی العلائی، المتوفی فی القدس سنة ۷۶۱ھ

۵۰۔ 'الإعلام یمن دخل المدینة من الأعلام' لعبد اللّٰه بن محمد بن أحمد المطری عفیف الدین، المتوفی سنة ۷۶۵ھ(۲۷)

۵۱۔ 'کتاب مثیر الغرام ألی زیارة القدس و الشام' لشهاب الدین أبی محمود أحمد ابن محمد بن أبراهیم بن هلال بن تمیم بن سرور المقدسی الشافعی، المتوفی سنة ۷۶۵ھ

۵۲۔ 'تاریخ القدس' لمحمد بن محمود بن إسحاق المقدسی، المتوفی سنة ۷۷۶ھ

۵۳۔ 'تحصیل الأنس لزائر القدس' لعبد اللّٰه بن هشام، المتوفی سنة ۷۶۱ھ

۵۴۔ 'بهجة النفوس والأسرار فی تاریخ دار هجرة المختار' لعبداللّٰه بن عبدالملک المرجانی التونسی، المتوفی سنة ۷۸۱ھ تاریخ دہلوی(۲۹)

۵۵۔ 'إعلام الساجد بأحكام المساجد' لبدر الدين الزر كشي، المتوفى سنة ۷۹۴ھ صحیح مخطوطہ، سلامیۃ بمصر

۵۶۔ 'عرف الطيب من أخبار مكة ومدينة الحبيب' لغيات الدين أبي العباس محمد بن محمد بن عبداللّٰه العاقولي، المتوفى سنة ۷۹۷ اور ۷۹۷ھ دار الكتب المصرية

۵۷۔ 'تسهيل المقاصد لزوار المساجد' لشهاب الدين أبي العباس أحمد بن عماد الدين بن محمد الأقفهسي بن العماد المصرى الشافعي، المتوفى سنة ۸۰۸ھ

۵۹۔ 'إثارة الحجون إلٰى زيارة الحجون' للمجد الفيروز آبادى، المتوفى سنة ۸۱۷ھ(۳۰)

۶۰۔ 'الوصل والمنى فى فضائل منى' للمجد الفيروز آبادى، المتوفى ۸۱۷ھ

۶۱۔ 'مهيج الغرام إلى البلد الحرام' للمجد الفيروز آبادى، المتوفى سنة ۸۱۷ھ(۳۱) (الضوء اللامع، للسخاوى ص/۱۳۳)

۶۲۔ 'المغانم المطابة فى معالم طابة' للفيروز آبادى، المتوفى سنة ۸۱۷ھ مخطوط

۶۳۔ 'إثارة الترغيب والتشويق إلى المساجد الثلاثة والبيت العتيق' لمحمد بن إسحاق الخوارزمي، المتوفى سنة ۸۲۷ھ

۶۴۔ 'نزهة الكرام فى مدح طيبة والبلد الحرام' لشعبان بن محمد القرشى الآثارى، المتوفى سنة ۸۲۸ھ(۳۲)

۶۵۔ 'تحفة الكرام بأخبار البلد الحرام' وهو مختصر شفاء الغرام، لمحمد بن أحمد الفاسي، المتوفى سنة ۸۳۲ھ(۳۳)

۶۶۔ 'الزهور المقستطفة من تاريخ مكة المشرفة' للفاسي، مطبوعه بتحقيقى، المكتبة التجارية، مكة المكرمة ۱۴۱۸ھ

۶۷۔ 'شفاء الغرام باخبار البلد الحرام' لتقى الدين محمد بن أحمد

الفاسی، المتوفی سنۃ ۸۳۲ھ مطبوعہ تحقیقی، مکتبۃ النھضۃ، مکۃ

۶۸۔ عجالۃ القری للراغب فی تاریخ ام القری، وھو مختصر العقد الثمین لمحمد بن احمد الفاسی، المتوفی سنۃ ۸۳۲ھ

۶۹۔ 'العقد الثمین فی تاریخ البلد الأمین' لمحمد بن أحمد الفاسی، المتوفی سنۃ ۸۳۲ھ، طبع فی القاھرۃ، ۱۹۵۹ء، ۸ مجلدات

۷۰۔ 'مختصر تاریخ مکۃ للأزرقی' لیحیی بن محمد الکرمانی المصری، المتوفی سنۃ ۸۳۳ھ،(مکتبۃ برلین)

۷۱۔ 'مشیر الغرام إلی زیارۃ الخلیل علیہ الصلاۃ والسلام' تالیف تاج الدین إسحاق ابن الخطیب برھان الدین بن أحمد بن محمد بن کامل التدمری الشافعی، خطیب مقام الخلیل، المتوفی فی مدینۃ الخلیل سنۃ ۸۳۳ھ

۷۲۔ 'النبأ الأنبہ فی بناء الحب' لابن حجر، أحمد بن محمود العسقلانی، المتوفی سنۃ ۸۵۲ھ، (کشف ۱۹۵۰ء)

۷۳۔ 'فضائل بیت المقدس' لعزالدین، حمزۃ بن أحمد بن علی الحسینی الدمشقی، المتوفی فی القدس سنۃ ۸۷۴ھ

۷۴۔ 'الروض المغرس فی فضائل البیت المقدس' لتاج الدین أبی النصر عبدالوھاب ابن علی بن الحسین بن أحمد الحسینی الشافعی، المتوفی سنۃ ۸۷۵ھ

۷۵۔ 'إتحاف الأخصاً بفضائل المسجد الأقصی' لشمس الدین أبی عبداللّٰہ محمد بن شھاب الدین أحمد بن علی بن عبد الخالق المنھاجی السیوطی، المتوفی سنۃ ۸۸۰ھ، مطبوعہ الھیئۃ العامۃ للکتاب، بمصر، (مجلدین)

۷۶۔ 'التحفۃ اللطیفۃ فی تاریخ المدینۃ الشریفۃ' لمحمد بن عبدالرحمن السخاوی، المتوفی سنۃ ۹۰۲ھ

۷۷۔ 'اقتضاء الوفا بأخبار دار المصطفی' للسمھودی، علی بن عبداللّٰہ،

المتوفی سنة ۹۱۱ھ(۳۴)

۷۸۔ 'خلاصة الوفا بأخبار دار المصطفی' لعلی بن عبداللّٰہ السمہودی، المتوفی سنة ۹۱۱ھ مطبوعہ بولاق ۱۲۸۵ء المدینة المنورة تمنکانی ۱۹۷۲ء

۷۹۔ 'ذروة الوفا بأخبار المصطفی' للمہودی، علی بن عبداللّٰہ، المتوفی سنة ۹۱۱ھ

۸۰۔ 'وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفی' للمہودی، المتوفی سنة ۹۱۱ھ، وھو مختصر کتاب: اقتضاء الوفا، مطبوعہ القاھرة،

۸۱۔ 'النصیحة الواجبة القبول فی بیان موضع منبر الرسول' للموھدی، المتوفی سنة ۹۱۱ھ

۸۲۔ 'بلوغ القری فی ذیل إتحاف الوری' لعبد العزیز بن عمر بن فھد المکی، المتوفی سنة ۹۲۲ھ مخطوط

۸۳۔ 'الأخبار المستفادة فیمن ولی مکة من آل قتادة' لمحمد بن أبی لعود بن ظھیرة، المتوفی سنة ۹۴۰ھ(۳۵)

۸۴۔ 'التحفة اللطیفة فی عمارة المسجد النبوی وسور المدینة الشریفة' لمحمد بن خضر الرومی الحنفی، المتوفی سنة ۹۴۸ھ

۸۵۔ 'المستقصی فی فضل الزیارة للمسجد الأقصی' لنصر الدین الحلبی الرومی المتوفی سنة ۹۴۸ھ

۸۶۔ 'فضایل بیت المقدس' لمحمد بن علی بن طولون الصالحی الدمشقی، المتوفی فی دمشق سنة ۹۵۳ھ

۸۷۔ 'التحفة اللطیفة فی أنباء المسجد الحرام والکعبة الشریفة' لجار اللّٰہ بن عبد العزیز بن فھد، المتوفی سنة ۹۵۴ھ(۳۶)

۸۸۔ 'الجوھر المنظم فی زیارة القبر المکرم' لابن حجر الھیتمی، المتوفی سنة ۹۷۴ھ(بولاق ۱۲۷۹ھ)

۸۹۔ 'الجامع اللطیف فی فضائل مکة والبیت الشریف' لمحمد جار اللّٰہ

بن امین بن ظهیرة المکی، المتوفی سنة ۹۸۶ھ مطبوعه بیروت مصور ۱۹۶۴ء

۹۰۔ 'الإعلام بأعلام بلد اللّٰه الحرام' لمحمد بن أحمد القطب المکی النهر والی، المتوفی سنة ۹۸۸ھ الکتبة التجاریة مکة ۱۴۱۷ھ

۹۱۔ 'فضائل قدس شریف' لمحمد یحیی افندی، المتوفی سنة ۱۰۱۰ھ

۹۲۔ 'إخبار الکرام بأخبار المسجد احرام' لأحمد بن محمد الأسیذی، المتوفی سنة ۱۰۶۶ھ

۹۳۔ 'فضائل مکة والمدینة وبیت المقدس وشئ من تاریخها' لأحمد بن محمد بن سلامة أبی العباس، شهاب ادین القلیوبی، المتوفی فی مصر سنة ۱۰۶۹ھ

۹۴۔ 'الجواهر الثمینة فی محاسن المدینة' لمحمد کبریت بن عبد اللّٰه الحسنی المنی، المتوفی سنة ۱۰۷۰ھ

۹۵۔ 'النهتة أهل الإسلام ببناء بیت اللّٰه الحرام، لإبراهیم بن محمد بن عیسی أبو إسحاق برهان الدین المیونی، المتوفی سنة ۱۰۷۹ھ(۳۷)

۹۶۔ 'رسالة فی الکلام علی الحجر الأسود' لأحمد بن أحمد الفیومی، المتوفی سنة ۱۱۰۱ھ

۹۷۔ 'منائح الکرم فی أخبار مکة والبیت وولاة الحرم' لعلی بن تاج الدین السنجاری، المتوفی سنة ۱۱۲۵ھ

۹۸۔ 'نتیجة الفکر فی خبر مدینة سید البشر' لزین العابدین محمد بن عبد اللّٰه المدنی الحلیفتی، المتوفی سنة ۱۱۳۰ھ(۳۸)

۹۹۔ 'تاریخ بناء البیت المقدس' لمحمد بن محمد بن شرف الدین الخلیلی المقدسی من علماء بیت المقدس، المتوفی سنة ۱۱۴۷ھ

۱۰۰۔ 'بلوغ المرام بالرحلة إلی البلد الحرام' لعبد المجید بن علی بن المؤذن المثالی الشهیر بالزبادی، المتوفی سنة ۱۱۶۳ھ

۱۰۱۔ 'حسن الاستقصا لما صح وثبت فی المسجد الأقصی' لمحمد بن

محمد التافلانی زهری الخلوتی المولود فی المغرب، والمتوفی فی القدس سنة ۱۱۹۱ھ

۱۰۲۔ 'کنز المطالب فی فضل البیت الحرام والحجر والشاذر وان وما فی زیارة القبر الشریف من المآرب' لحسن العدوی المالکی، المتوفی سنة ۱۳۰۳ھ مطبوعہ حجر مصر ۱۲۸۲

۱۰۳۔ 'مرأة الحرمین' لأیوب صبری، مطبوعہ فی الأستانة ۱۳۰۶ھ

۱۰۴۔ 'مرآة الحرمین' لإبراهیم رفعت المتوفی، سنة ۱۳۵۳ھ مطبوعہ مصر ۱۳۴۴ھ

۱۰۵۔ 'الرحلة الحجازیة' لمحمد لبیب البتونی المتوفی سنة ۱۳۵۷ھ مطبوعہ القاهرة ۱۳۲۹

۱۰۶۔ 'روضة الأنس فی فضائل الخلیل والقدس' تالیف عارف بن عبدالرحمن الشریف، المتوفی سنة ۱۳۸۳ھ مطبوعہ ۱۹۴۶ء مطبعة اللواء التجاریة

آخر میں بطور نمونہ چند کتب کا تعارف پیش خدمت ہے۔

۱۔ ابتدائی کتب میں سے ابوالولید محمد بن عبداللہ ازرقی (ت ۲۲۳ھ) کی ''اخبار مکہ'' ہے۔ یہ کتاب دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں مکہ مکرمہ کی تاریخ اور کعبہ کی تعمیر کے مراحل بیان کئے گئے ہیں اس ضمن میں قرآن کریم کی آیات اور بعض احادیث سے استشہاد کیا گیا ہے۔ بطور مثال احرام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ لوگ احرام باندھنے کے بعد کسی کام کے لئے واپس آتے تو دروازہ سے داخل نہ ہوتے۔ اسلام نے اس بات کو ختم کیا۔ قرآن کریم کی یہ آیت اتری۔

ولیس البر بان تاتو البیوت من ظهورها ولکن البر من اتقی (۳۸)

یہ نیکی نہیں ہے کہ آپ گھروں کو پیچھے سے داخل ہوں بلکہ نیکی تو تقویٰ ہے۔

اسی طرح حضرت عمر سے متعلق ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ رکن شامی کو ایک آدمی کو استلام کرتے ہوئے دیکھ کر حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ کیا آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف کیا؟ اس نے کہا ہاں آپ نے پوچھا تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں رکنوں کو چھوتے ہوئے دیکھا؟ اس نے کہا نہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا آپ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نمونہ نہیں ہے؟ اس نے کہا ہاں ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اس سے دور رہ۔ (۴۰)

دوسرے حصے میں خصوصی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔ (۴۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

ان اللّٰہ قد شرفک و کرمک و حرمک والمؤمن اعظم حرمة عند اللّٰہ منک (۴۲)

بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت دی، اور کرامت دی لیکن مومن کی عظمت آپ سے بڑھ کر ہے۔

۲۔ اسی طرح عمر بن محمد بن فہد (ت ۸۸۵ھ) کی کتاب ''اتحاف الوری باخبار ام القریٰ'' ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے حصے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل سیرت ہے۔ ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے لے کر ۵۴ سالہ مکہ کی زندگی کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ (۴۳) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے گیارہ سال کی مکمل تفصیل ہے۔ (۴۴)

۳۔ ابتدائی کتب تاریخ میں ابو محمد عبداللہ بن مسلم المعروف ابن قتیبہ (ت ۲۷۶ھ) کی المعارف بہت معلوماتی کتاب ہے۔ اس کے شروع میں کائنات کی ابتداء کے متعلق معلومات ہیں۔ اور پھر انبیاء کی مختصر تاریخ درج کی گئی ہے۔ (۴۵) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ، آپ ﷺ کی زندگی کے مختصر حالات وغزوات، آپ ﷺ کی رشتہ داریاں اور آخر میں آپ ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کا ذکر ہے۔ (۴۶) پھر عشرہ مبشرہ اور دیگر معروف صحابہ کرامؓ کے متعلق لکھا گیا ہے۔ (۴۷) اس کتاب میں بہت سی اور معلومات ہیں۔ مثلاً صحابہؓ میں سے آخر میں فوت ہونے والے (۴۸) مولفة القلوب کے

نام (۴۹) منافقین کے نام (۵۰) ان لوگوں کے نام جو غزوۂ تبوک سے رہ گئے تھے۔ تاریخ حرمین سے استفادہ کو اگر یقینی بنا کر لکھا جائے ابتداء بعثت نبوی ﷺ کے بہت سے تشنہ پہلوؤں کی تکمیل ہو سکتی ہے۔

بارھویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورۂ آل عمران/۹۶

۲۔ سورۂ بقرہ/۱۸۹

۳۔ الازرقی، ابوالولید محمد بن عبداللہ، اخبار مکہ مطبوعہ دارالثقافۃ مکہ، ۱۹۸۴ء ج/۱ص/۱۲۵

۴۔ شراب، محمد حسن، بیت المقدس والمسجد الاقصیٰ دراسہ تاریخیہ موثقۃ دارالقلم دمشق الطبعۃ اولالیٰ ۱۹۹۴ء، ص/۳۳۔۳۵

۵۔ الخوارزمی، محمد بن اسحق واحد بن عبد الحلیم بن تیسمیہ، إثارۃ الترغیب والتشریق إلی المساجد الثلاثۃ والبیت العتیق ویلیہ زیارۃ بیت المقدس تحقیق دکتور مصطفی محمد حسین الذھبی، مکتبہ نزار مصطفی مکتہ المکرمۃ الریاض ۱۹۸۸ء ص/۱۳

۶۔ حاجی خلیفہ کشف الظنون، ج/۱ص/۲۹

۷۔ کتانی، الرسالۃ المستطرفۃ ص/۲ اور سیر اعلام النبلاء ج/۲ص/۳۱۲

۸۔ الذھبی، سیر اعلام النبلاء ، ج/۱۳ص/۱۲۳

۹۔ ایضاً ج/۱۲ص/۳۷۱

۱۰۔ الخوازمی، إثارۃ الترغیب والتشویق ص/۱۴

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ بلازری، معجم البلدان، ج/۹ص/۸

۱۴۔ السخاوی، محمد بن عبدالرحمن محمد شمس الدین اعلان التوبیخ لمن ذم اھل التاریخ مترجم الدکتور صالح احمد العلی محقق فرانز دوز نثال موسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۶ء، ص/۱۳

۱۵۔ الداؤدی، طبقات المفسرین ج/۱ص/۴۴

۱۶۔ السخاوی، اعلان التوبیخ ص/۱۳۳

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ الخوازمی اثارۃ الترغیب و التشویق ص/۱۴۔۱۵

۱۹۔ طبقات الشافعیۃ، ج/۸ص/۳۵۲

۲۰۔ ذھبی، سیر اعلام النبلاء ج/۲۱ص/۴۴۷

۲۱۔ سخاوی، الضوء اللامع، ص/۱۲۹

۲۲۔ ایضاً ص/۱۳۲، اور کشف الظنون ص/۱۹۵

۲۳۔ السخاوی، الضوع اللامع، ص/۱۲۹

۲۴۔ الخوارزمی، اثارۃ الترغیب و التشویق، ص/۱۷

۲۵۔ السخاوی، الضوء اللامع، ص/۱۳۰

۲۶۔ الداؤدی طبقات المفسرین، ج/۲ص/۹۶

۲۷۔ السخاوی، الضوع اللامع، ص/۶۴۳

۲۸۔ ایضاً ص/۱۳۰

۲۹۔ الخوارزمی، اثارۃ الترغیب و التشویق، ص/۱۸

۳۰۔ السخاوی، الضوع اللامع، ص/۱۳۳

۳۱۔ ایضاً

۳۲۔ حاجی خلیفہ ھدیۃ العارفین ج/ ۲ ص/۳۱۵

۳۳۔ حاجی خلیفہ کشف الظنون ج/ ۱ ص/۳۷۲

۳۴۔ ایضاً ج/۱ص/۲۰۱۶

۳۵۔ ایضاً ج/۱ص/۳

۳۶۔ ایضاً ج/۱ص/۳۷۳

۳۷۔ ایضاً ج/۱ص/۵۱۸

۳۸۔ ہدایۃ العارفین ج/۲ص/۳۵

۳۹۔ سورۂ بقرہ/۱۸۹

۴۰۔ الازرقی، اخبار مکۃ ج/۱ص/۳۳۵
۴۱۔ ایضاً ج/۲ص/۱۸
۴۲۔ ایضاً ج/۲ص/۲۰
۴۳۔ ایضاً
۴۴۔ ایضاً
۴۵۔ ابن قتیبہ، المعارف ص/۶۔۵۰
۴۶۔ ایضاً ص/۳۵۱
۴۷۔ ایضاً ص/۱۴۸
۴۸۔ ایضاً ص/۱۴۸
۴۹۔ ایضاً ص/۱۴۹
۵۰۔ ایضاً

تمت

تیرہواں اصول: علم جغرافیہ ہے

تاریخ کی دو اصناف سے ہم بحث کر چکے ہیں۔ تاریخ ہی کی تیسری صنف کتب جغرافیہ اور اقالیم ہیں، جن میں مختلف ممالک اور علاقوں کی تقسیم ان کے نام بحری بری راستوں کی رہنمائی ملتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کون سا خطہ کب کس ملک کے زیرنگیں رہا؟ ان کتب سے ہمیں جزیرۃ العرب کی اسلام سے پہلے کی پوزیشن اور عہد نبوی کے مدوجزر پھر فتوحات و بغاوتوں کے سلسلوں کو سمجھنے میں سہولت اور مدد حاصل ہوتی ہے۔ علم جغرافیا میں جدید اٹلس بھی شامل ہیں۔ اس کے بغیر نبی کریم ﷺ کے ہجرت کے لئے منتخب شدہ راستہ کو سمجھنا یا غزوہ خندق کے موقع پر خندق کھود کر مکہ کا دفاع کرنا یا غزوہ بدر الکبریٰ کے موقع پر مسلمانوں کا دشمن کو گھیرنا اور اس کا راستہ بدل کر بچ نکلنا یہ وہ مباحث ہیں جنہیں سیرت نگار انہی کتب کے ذریعہ سمجھ کر دوسروں کو سمجھا سکتا ہے۔ سیرت کے حوالہ سے بالعموم عرب کی سرزمین وجغرافیہ زیر بحث آتا ہے۔

عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائیں ہیں۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں اور چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے تمام دُنیا کو ہیچ سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو ''عرب'' اور دنیا کی تمام قوموں کو عجم (ژولیدہ بیان) کہہ کر پکارا۔

بعض کی رائے ہے کہ عرب اصل میں عربۃ تھا۔ عربۃ کے معنی سامی زبانوں میں دشت اور صحرا کے ہیں اور چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت وصحرا ہے، اس لئے تمام ملک کو عرب کہنے لگے۔ عرب کے حدود اربعہ یہ ہیں:۔

مغرب: بحیرۂ قلزم، مشرق: خلیج فارس اور بحیرہ عمان، جنوب: بحر ہند، شمال کی حدود بہت مختلف فیہ ہیں۔ بعض مملکت حلب اور فرات تک اُس کی حدود کو وسعت دیتے ہیں۔

سینا کا جزیرہ نما جس کا نام التیہ ہے۔ اکثر مصنفین (عرب و یورپ) اس کو مصر میں شمار کرتے ہیں، لیکن جیالوجی کی رو سے وہ عرب سے متعلق ہے۔

عرب کی پیائش باقاعدہ اب تک نہیں ہوئی۔ تاہم اس قدر یقینی ہے کہ وہ جرمن اور فرانس سے چوگنا زیادہ وسیع ہے، طول تقریباً پندرہ سو، عرض چھ سو میل اور مجموعی رقبہ بارہ لاکھ میل مربع ہے۔

ملک کا بڑا حصہ ریگستان ہے۔ پہاڑوں کا جال تمام ملک میں پھیلا ہوا ہے، سب سے بڑا طویل سلسلہ پہاڑ جبل السراۃ ہے۔ جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فیٹ بلند ہے۔ بعض حصے زرخیز اور شاداب بھی ہیں۔(۱)

علم جغرافیہ کا ارتقاء: سکندر یونانی نے اپنے فتوحات کے دائرہ کو یورپ سے لے کر افریقہ اور ایشیا تک وسیع کیا تو یونانیوں نے ملکوں اور شہروں وغیرہ کے حالات قلمبند کرنا شروع کئے، لیکن یہ پراگندہ صحیفے تھے۔ اراٹستن یونانی نے جس کی وفات ۱۹۶ء ق م میں ہوئی، ان معلومات کو جمع کر کے بحیثیت ایک فن کے مدوّن کیا۔ اس کے بعد یونانیوں کے متعدد سیاحوں اور اہل علم نے اس فن میں کتابیں لکھیں۔ منجملہ ان کے بطلیموس کی کتاب مجسطی ہے جس کے چوتھے حصے میں روئے زمین کا جغرافیہ بیان ہے۔ بنی عباس کے زمانہ میں جو یونانی کتابیں عربی میں ترجمہ کی گئیں، ان میں مجسطی بھی تھی۔

لیکن مسلمان اس کتاب کے ترجمہ ہونے سے پہلے ہی جغرافیہ کی ابتداء کر چکے تھے، کیونکہ وہ ملکوں ملکوں طلب علم کے لئے سفر کرتے تھے۔ علاوہ بریں تمام دنیائے اسلام سے فریضہ حج ادا کرنے کے لئے ان کو بیت اللہ کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ عربوں میں حج اسلام سے پہلے عہد ابراہیمی سے رائج تھا۔ اس لئے نہ صرف تجارت اور فتح کی غرض سے بلکہ علمی اور مذہبی ضرورت سے بھی جغرافیہ دانی ان کے لئے لازمی تھی۔

چنانچہ سب سے پہلے مقامات، راستے اور فاصلے وغیرہ کی تفصیل میں جو کتابیں اسلام میں لکھی گئیں وہ ان علماء کی تھیں جن کے کجاوے طلب علم میں ہر وقت کسے رہتے تھے۔ مجلسطی کے ترجمہ سے یہ فائدہ البتہ ہوا کہ مسلمانوں نے بھی جغرافیہ کو بحیثیت فن کے اختیار کیا

اور اس میں کتابیں لکھنے لگے۔

جغرافیہ کی تعریف: جغرافیہ کا لفظ یونانی ہے اور یہ دو لفظوں سے مل کر بنا ہے۔ جی جس کے معنی زمین کے ہیں اور گرانی یعنی صورت۔ اس لئے جغرافیہ کے اصلی معنی ''نقشہ زمین'' کے ہیں چنانچہ مجسطی میں بطلیموس نے ہر ہر شہر کا نقشہ دے کر پھر اس کا حال لکھا ہے۔ جغرافیہ کا مفہوم اس قدر وسیع ہے کہ اس میں چارٹ، نقشہ، سفر نامہ معدنیات، نہریں، پہاڑ، حیوانات، ماحولیات جنگلات سب شامل ہیں۔

متقدمین مسلمانوں کی تصنیف میں نقشہ کے لئے صورت، رسم اور مثال، تینوں الفاظ مستعمل ہوئے ہیں۔

متاخرین نے ''خارتہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے جو غالباً یونانی لفظ ''چارٹہ'' سے معرب کیا گیا ہے۔ بعض اہل قلم ''خریطہ'' بھی لکھتے ہیں۔ جدید اصطلاح اطلس استعمال کی جا رہی ہے۔ مختلف ممالک کے نقشے دراصل تاجروں اور ان سے زیادہ فرمانرواؤں کے لئے ضروری ہیں کیونکہ ان کے وسیلے سے ممالک کے فاصلوں اور حالتوں کا اندازہ لگا کر ان کے انتظام میں سہولت ہوتی ہے۔ مسلمانوں نے بھی ابتداء ہی میں ممالک کے نقشوں کی طرف خاص توجہ رکھی۔ چنانچہ ابوزید بلخی کی کتاب نقشوں پر مشتمل تھی۔ اسی طرح خوارزمی کی تصنیف ''صورۃ الارض'' بھی شہروں اور ملکوں کے نقشہ کا مجموعہ تھی۔

خلفائے اسلام کو نقشوں کی طرف جو توجہ تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مامون نے علماء عراق کی ایک بہت بڑی جماعت کو دنیا کا نقشہ مرتب کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان لوگوں نے نہایت محنت اور تحقیق کے ساتھ جہاں تک اس زمانہ کے علوم سے مدد مل سکتی تھی امداد لے کر ایک ایسا نقشہ تیار کیا کہ اس سے پہلے دنیا میں نہیں بنا تھا۔ اس میں آسمان، تارے، زمین، خشکی، تری اور پھر پہاڑوں، دریاؤں، ملکوں، شہروں، قوموں اور ان کے مقاموں کو تفصیل سے دکھایا تھا۔

مسلمانوں میں نقشوں کے رواج کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ المقدسی نے لکھا ہے کہ میں نے چین اور بحر ہند کے نقشے کاغذات کے صفحات پر امیر خراساں کے کتب خانہ میں دیکھے۔ پھر لکھتا ہے کہ یہی نقشے کپڑے کے پارچوں پر نیشاپور میں میری نظر سے گزرے۔

بعدازاں عضدالدولہ کے کتب خانہ میں بھی میں نے ان کو موجود پایا۔ یہ تینوں نقشے ایک ہی چیز کو ظاہر کرتے تھے لیکن باہم کسی قدر مختلف معلوم ہوتے تھے۔

سیرت کا جغرافیہ سے تعلق: جغرافیہ بھی تاریخ کی ایک قسم ہے۔ جس طرح کتب تواریخ میں سیرت طیبہ کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح کتب جغرافیہ میں بھی ہے۔ جیسے بلاذری نے اپنی علم جغرافیہ کی معروف کتاب فتوح البلدان میں آپ ﷺ اور دیگر انبیاء کا تذکرہ کیا ہے۔

سیرت کا علم جغرافیہ سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اگر کعبہ کا جغرافیہ نہ بیان کیا جائے تو کعبہ میں آپ ﷺ کی آمد حجر اسود کی تنصیب کا واقعہ سمجھ میں نہیں آتا۔ جغرافیہ کے بغیر یہ سمجھنا اور سمجھانا مشکل ہے کہ آپ ﷺ کا مکان ابوجہل کے مکان سے کس سمت میں تھا کہ آپ کے گھر سے نکلنے پر وہ ایذاء رسانی کے درپہ ہوتا تھا۔ ہجرت کے وقت آپ کے مکان کا گھیراؤ کس طرح کیا گیا تھا؟ ہجرت کے وقت آپ نے کون سا راستہ اختیار کیا؟ مسجد نبوی کے اردگرد ازواج مطہرات کے مکانات کس ترتیب سے تھے؟ کن صحابہؓ کے مکانات اردگرد تھے؟ آپ ﷺ نے مسجد نبوی کے اردگرد تمام مکانات کی کھڑکیاں بند کرنے کا حکم دیا تھا۔ سوائے ایک کھڑکی کے آخر کیوں؟ مسجد نبوی اور مسجد حرام کی توسیع کب کس نے کی؟ کس سمت میں ہوئی، کتنی وسعت اختیار کی، کس کس کے مکانات اس میں شامل ہوئے؟ قدیم حرم، مدینہ، و مکہ کی حدود کیا تھیں؟ حبشہ کی سرزمین کہاں اور کتنے فاصلہ پر تھی۔

یہ تمام گتھیاں صرف اور صرف علم جغرافیہ کے ایک نقشہ، ایک چارٹ ایک اطلس ہی سے واضح ہو سکتی ہے، گھنٹوں کا لیکچر بھی ان پہلوؤں پر طلب علم کے ذہن کو نہیں صاف کر سکتا ہے، جبکہ صرف ایک چارٹ و خاکہ کی مدد سے چند منٹ میں سیرت کے ان پہلوؤں کو نکھارا اور سمجھایا جا سکتا ہے، بہت سے مقامات جن کا قرآن میں تذکرہ ہے، یا نبی کریم ﷺ نے تذکرہ کیا ہے، ان علاقوں کی نشاندہی واہمیت صرف علم جغرافیہ سے ہی ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ ایسا پہلو ہے جسے بہت کم سیرت نگاروں نے پیش نظر رکھا ہے۔ سیرت کے ان مذکورہ بالا پہلوؤں پر بیشمار محققین نے لکھا ہے۔ لیکن محمد الیاس غنی کی ایک مختصر کتاب بیوت الصحابۃ (۲) پورے ذخیرہ سیرت پر بھاری ہے۔ اس لئے کہ اس میں اس علم کا بھرپور استعمال کیا گیا ہے۔

اس لئے میں نے سیرت نگاری کے لئے جغرافیہ کو بحیثیت اصول کے منتخب کیا ہے۔

علم جغرافیہ پر تصانیف: جغرافیہ پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور جیسا کہ میں نے اوپر واضح کیا ہے جغرافیہ کا دائرہ بحث بہت وسیع ہے، لہٰذا فقط کچھ اہم کتب کے تذکرہ پر اکتفا کریں گے۔

۱۔ ابن حوقل، ابوالقاسم، کتاب صورة الارض، بیروت، دار مکتبة الحیاة ص/ ۲۳۲

۲۔ ابن درید، ابوبکر محمد بن الحسین، ت ۳۲۱ ھ کتاب وصف المطر والحساب وما نعته العرب الرواد من البقاع، تحقیق غر الدین التنوخی، دمشق، المجمع العلمی العربی، ۱۹٦۳ م

۳۔ ابن شاهین الظاهری، زبدة کشف الممالک و بیان الطرق والمسالک، تحقیق بولس راویس، باریس، ۱۸۹۳ م، ص/ ۱۵۷، اعادت مکتبة المثنی بغداد طبعه بالاوفست

۴۔ ابن شیخ الربوة الدمشقی، نخبة الدهر فی عجائب البروالبحر، تحقیق مهرن، بطرسبورغ ۱۸۵۵ م، ص/ ۲۸۵

۵۔ الا صطخری الکرخی، ابواسحق، مسالک المالک، تحریر دی غویه، لیدن، بریل، ۱۹۲۷ م

٦۔ الا صطخری الکرخی، ابواسحق کتاب الاقالیم، یشتمل علی حدود الممالک وصور اقالیم الارض و مدنها و بحارها، تحقیق مولر، غوتا ۱۸۹۳ م

۷۔ الاصفهانی، الحسن بن عبدالله، بلاد العرب، تحقیق حمد الجاسم وصالح أحمد العلی، بیروت

۸۔ البکری، ابوعبید عبدالله بن عبدالعزیز، ت ۴۸۷ھ، معجم ما استعجم من اسماء البلاد والمواضع، تحقیق مصطفی السقا، القاهرة، لجنة التالیف والترجمة والنشر، ۱۹۴۵ م، ۴/ جلد میں شائع ہوئی ہے۔

۹۔ الحمیری، ابو عبداللہ محمد، ت ۸۶۶ ھ صفة جزیرة الاندلس، مستخبة من کتاب الروض المعطار فی خیر الاقطار، تحقیق لیفی بروفنسال القاھرة، لجنة التالیف والترجمة والنشر، ۱۹۳۷ م

۱۰۔ الزمخشری، محمود بن عمر، الجبال والامکنة والمیاہ، تحقیق ابراھیم السامرائی، بغداد، مطبعة السعدون ۱۹۶۸ م، ص/۲۵۶

۱۱۔ سھراب، کتاب عجائب الاقالیم السبعة تحقیق ھانس فوت عزیک، فبینا، ادولف ھرلزھوزن ۱۹۲۹ ھ

۱۲۔ عبدالمومن بن عبدالحق صفی الدین، مراصد الاطلاع علی أسماء الامکنة والبقاع، تحقیق ت ج ج یونبول، لیدن، بربل ۱۸۶۳م ج/۳، الترتیب الفبائی مع فھارس و تعلقات

۱۳۔ المرزوقی، ابوعلی الاصفھانی، کتاب الازمنة والامکنة، حیدر آباد الدکن، دائرة المعارف النظامیة، ۱۳۳۲ ھ ج/۲

۱۴۔ الحروی، ابوالحسن علی بن أبی بکر، کتاب الاشارات الی معرفة الزیارات، تحقیق جانین سوردیل طومین، دمشق، المعھد الفرنسی للدراسات العربیة، ۱۹۵۳ م

۱۵۔ الھمذانی، ابومحمد الحسن بن احمد، کتاب صفة جزیرة العرب، تحقیق دافید ھزیخ میلر، لیدن، بریل، ۱۸۹۱م

۱۶۔ ابن فضلان، احمد بن العباس، رسالة ابن فضلان فی وصف الرحلة الی بلاد الترک والخزر والروس والصقالبة سنة ۳۰۹ھ تحقیق سامی الدھان دمشق، المجمع العلمی العربی، ۱۹۵۹م

۱۷۔ ابو حامد الغرناطی، رحلة أبو حامد الغرناطی، تحقیق قیصر روبلیر، مدرید، ۱۹۵۳ م

۱۸۔ البغدادی، عبداللطیف، کتاب الافادة والاعتبار فی الامور المشاھدة والحوادث المعانیة فی ارض مصر، تحقیق دو ساسی باریس ۱۹۱۰م

۱۹۔ البغدادی، عبداللطیف، الموعظة والا عتبار، مخطوطه مصورة مع ترجمتها الانکلیزیة، تحقیق وترجمة کمال حافظ زند، لندن

۲۰۔ التجانی، رحلة التجانی فی البلاد التونسیة والقطر الطرابلسی تونس (۳)

۲۱۔ خوارزمی: ابوموسیٰ خوارزمی مامون اور واثق باللہ کے عہد میں تھے۔ انہوں نے بطلیموس کی کتاب کے طرز پر ایک نئی کتاب ''صورۃ الارض'' لکھی۔ بقول جیرا جیوری اس کتاب کا صرف ایک نسخہ دنیا میں موجود ہے۔ وہ جرمنی میں ہے۔(۴) اس کا صحیح نام صورة الاض من المدن والجبال والبحار والجزائر والانهار ہے ہانس مستشرق کی تحقیق کے ساتھ ۱۹۲۶ء میں چھپی ہے۔(۵)

۲۲۔ ابن خرداذبہ: امام ابوالقاسم عبداللہ محمد بن خرداذبہ اک دادا مجوسی تھا۔ برامکہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ انہیں کی تربیت سے امام موصوف ڈاک کے محکمہ کے منتظم ہوگئے۔ اس سلسلہ میں چونکہ ان کو اکثر مقامات کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے شہروں، آبادیوں اور راستوں کے حالات سے بہت واقفیت ہوگئی، چنانچہ ''کتاب المسالک والممالک'' ۲۲۷ھ میں تصنیف کی، یہ کتاب مشہور ہے۔ اور لیڈن میں ۱۳۰۶ھ میں مع ترجمہ کے طبع ہوچکی ہے۔

۲۳۔ ابن فقیہ: ابوبکر احمد بن محمد الہمدانی معروف بہ ابن فقیہ، انہوں نے بھی تقریباً ۲۹۰ھ میں ''کتاب البلدان لکھی بقول جیرا جیوری یہ کتاب مفقود ہوگئی، علی ابن جعفر شیرازی نے اس کا ایک اختصار لکھ لیا تھا وہ ۱۳۰۲ھ میں لیڈن میں طبع ہوا ہے۔(۶) حمادہ کے مطابق لیدن بریل سے ۱۸۸۵ء، ۱۹۴۹ء میں چھپی ہے۔(۷)

۲۴۔ ابن رستہ: ابوعلی احمد بن عمر بن رستہ نے تیسری صدی ہجری کے آخر میں متعدد علوم میں ایک مبسوط کتاب لکھی جس کی سات جلدیں ہیں۔ آخری جلد جغرافیہ میں ہے۔ اس کا نام ''اعلاق النفیسہ'' ہے۔ لیڈن میں ۱۸۹۱ء میں طبع ہوئی۔

۲۵۔ ابن فضلان، علی ابن فضلان کو مقتدر باللہ نے ۳۰۹ھ میں بلغاریہ میں سفیر بنا کر بھیجا تھا وہاں سے واپس آ کر انہوں نے ایک کتاب ''احوال الامم الشمالیہ'' لکھی۔

۲۶۔ ابن جعفر: قدامہ بن جعفر مصنف ''کتاب الخراج'' اس میں عرب اور اس کے

سرحدی ممالک کے جغرافیہ کا بھی بیان ہے۔

۲۷۔ الجیہانی: انہوں نے بھی ابن جعفر کی طرح کتاب الخراج لکھی، لیکن اب یہ کتاب غالباً ناپید ہے۔

۲۸۔ ابودلف: مسعر ابودلف مصنف کتاب ''عجائب البلدان'' اس میں اقصائے مشرق، چین، ہند اور جزائر ہند وغیرہ کے حالات ہیں۔

۲۹۔ ابوزید: علامہ ابوزید بلخی جغرافیہ میں خاص طور پر مشہور ہوئے۔ انہوں نے کتاب مصور الاقالیم'' تصنیف کی تھی۔ مصنفین اسلام اس کتاب کی خوبی کے بہت معترف ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ باوجود تلاش اب تک اس کا پتہ کہیں نہیں لگا۔ ۲۴۰ء میں ابواسحاق فاری اصغری نے اس کا خلاصہ کر کے اس کا نام ''مسالک الممالک'' رکھا تھا۔ وہ کولمبیا یونیورٹی سے شائع ہوئی ہے۔

پھر ابن حوقل نے ۸۳۰ء میں اس خلاصہ کو نئے سرے سے ترتیب دے کر کسی قدر کمی بیشی کر کے درست کیا۔ ابن حوقل کا مجموعہ بھی ''کتاب المسالک والممالک'' کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔

۳۰۔ المقدسی: ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد بن ابی بکر المقدسی البشاری، ان کی تصنیف احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ہے۔ اس میں صرف اسلامی ممالک کا جغرافیہ ہے جن میں مصنف نے کامل بیس برس تک سیاحی کی تھی۔ لیڈن سے ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئی۔ ۴۹۸ صفحات ہیں۔

۳۱۔ مسعودی: ابوالحسن علی بن حسین بن علی مسعودی نے جو بقول علامہ ابن خلدون تاریخ کے امام ہیں، سیاحت اور جغرافیہ میں بہت شہرت پائی۔ انہوں نے مغربی اور مشرقی ممالک کے سفر کئے اور متعدد کتابوں سے فن جغرافیہ میں لکھی گئی تھیں۔ مدد لے کر اپنی مشہور کتاب ''مروج الذہب ومعاون الجوہر'' لکھی جو مع فرنچ ترجمہ کے نو جلدوں میں پیرس سے شائع کی گئی۔

ان کی دوسری تصنیف تاریخ اور جغرافیہ میں ''کتاب التنبیہ والاشراف'' ہے۔ یہ لیڈن میں ۱۸۹۳ء میں چھپی۔

مسعودی نے جغرافیہ کی جن کتابوں کے حوالے اپنی کتاب میں دیئے ہیں، ان

میں سے اکثروں کا اب نشان نہیں ملتا۔ من جملہ ان کے حکیم کندی کی بھی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے۔ ''رسم المعمور من الارض'' اس نام سے سمجھ میں آتا ہے غالباً اس میں دنیا کا نقشہ ہوگا۔

۳۲۔ البیرونی: ابوریحان متوفی ۴۴۰ء نے اپنی تصنیف ''کتاب الہند'' میں ہندوستان کے شہروں ان کے فاصلوں راستوں اور اس ملک کے باشندوں کے مفصل حالات لکھے ہیں۔ یہ کتاب لندن میں ۱۸۸۷ء میں چھپی ہے۔

۳۳۔ البکری: ابوعبید البکری وزیر متوفی ۴۸۷ء مصنف کتاب ''المسالک و الممالک'' یہ کتاب بقول جرا جوری اب تک نہیں چھپی ہے،(۸) لیکن صحیح یہ ہے عبدالرحمٰن حجی کی تحقیق کے ساتھ بیروت سے چھپ گئی ہے۔(۹) لیکن وزیر موصوف کی دوسری کتاب ''معجم ما استعجم'' غوطخین سے ۱۸۷۶ء میں شائع ہوگئی ہے۔ اس میں ان شہروں اور مقاموں کے نام اور حال لکھے گئے ہیں، جو اس زمانہ تک عربی شعراء کے اشعار میں واقع ہوئے تھے۔(۱۰) المسالک کا ایک حصہ **المغرب فی ذکر بلاد افریقیا والمغرب** کے نام سے ۱۸۵۷ء میں چھپ چکا ہے۔(۱۱) اس سے پہلے اسی عنوان پر ابوعبید سرانی نے کتاب ''**جزیرۃ العرب**'' **زمخشری** نے ''**الامکنتہ والجبال والیاۃ**'' اور محمد بن احمد الہمدانی متوفی'' ۳۳۴ء نے کتاب ''**صفة جزیرۃ العرب**'' لکھی تھی۔ آخر الذکر کتاب ہمدانی کی ۱۸۸۴ء میں لیڈن میں چھاپی گئی ہے۔

۳۴۔ الزہری: محمد بن ابوبکر الزہری باشندۂ غرناطہ نے چھٹی صدی ہجری کے آغاز میں ''کتاب الجغرافیہ'' تصنیف کی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس کتاب کو انہوں نے الفزاری'' کی کتاب سے اقتباس کیا تھا۔ جس کا مرجع دراصل نقشہ ماموئی تھا۔(۱۲) یہ عالمی نقشہ ہے اور حمادہ کے مطابق محمد حاج کی تحقیق کے ساتھ بیروت سے ۱۹۶۸ء میں چھپی ہے۔(۱۳)

۳۵۔ ابوعبداللہ محمد بن ادریس جو شریف ادریس کے نام سے مشہور ہیں۔ ادارسہ کے خاندان سے ہیں، جن کے ہاتھوں میں ۱۷۲ء سے ۳۷۹ء تک مراکش کے سلطنت کی باگ رہی۔ ان کی سب سے مشہور کتاب 'نزہۃ المشاق فی اختراق الآفاق'' ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ اور وہ حصہ جو اٹلی اور سسلی کے حالات سے متعلق ہے۔ روم سے مع ترجمہ کے ۸۷۷ء ۔۱۵۹۲ء، میں شائع کیا گیا۔ اور وہ ٹکڑا جس میں مغرب، سوڈان اور مصر کا بیان ہے۔ ۱۸۶۴ء

میں لیڈن میں چھپا۔ اس کا نام ہے وصف افریقة الشمالیة والصحراویة (۱۴)
مورخین کہتے ہیں کہ شریف موصوف نے یہ کتاب ''شاہ رجار'' ثانی فرمانروائے
سسلی و جنوب اٹلی کی درخواست پر ۵۴۸ھ میں لکھی تھی۔ ان کی دوسری کتاب ''انس المہج
وروض الفرج'' ہے ان دونوں کتابوں میں بخلاف دیگر اسلامی جغرافیہ دانوں کے شریف
موصوف نے یورپ کے ممالک کے حالات زیادہ لکھے۔ خاص کر اٹلی کے چنانچہ اس کے بعد
سے مسلمانوں نے جو کچھ یورپ کے متعلق لکھا ہے ان کا مرجع یہی دونوں کتابیں ہیں۔

۳۶۔ المازنی: محمد بن عبدالرحیم المازنی متوفی ۵۶۵ء کی تحفة الالباب ونخبة الاعجاب'' وتحبة الاذهان في عجائب البلدان'' و ''عجائب المخلوقات ہیں۔
یہ تینوں کتابیں کتب خانوں میں قلمی موجود ہیں لیکن اب تک ان میں سے کوئی چھاپی نہیں گئی۔

۳۷۔ یاقوت: ابوعبداللہ یاقوت رومی حموی بغدادی متوفی ۶۲۶ھ سب سے مشہور سیاح اور جغرافیہ کے ماہر گزرے ہیں، یہ بچپن میں کسی لڑائی میں گرفتار ہو کر غلامی میں آ گئے تھے۔
ان کے آقا نے جوہر قابل دیکھ کر آزاد کر دیا۔ طلب علم میں ملکوں ملکوں پھرے اور ایک مدت سیاحی میں گذاری، آخر میں مرد شاہجہاں میں مقیم ہوئے۔ وہاں بڑے بڑے کئی کتب خانے تھے۔ ان کو پڑھا اور متعدد تصنیفیں کیں، لیکن تاتاریوں کی یورش میں سب کچھ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اس میں وہ تصنیفات بھی غارت ہو گئیں۔ بعدازاں انہوں نے کتاب ''معجم البلدان'' تصنیف کی۔ جغرافیہ میں عربی زبان میں کوئی دوسری کتاب اس سے بہتر اور مفصل نہیں ہے۔
اسلامی شہروں اور ان کے مشاہیر کے حالات جس قدر بھی ہو سکے ان کے فراہم کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور حروف تہجی پر مرتب کر دیا۔ ۱۸۶۶ء میں یہ کتاب چار جلدوں میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد مصر والوں نے ۱۹۰۶ء میں اس کو آٹھ جلدوں میں شائع کیا اور جغرافیہ کی موجودہ معلومات کا کئی جلدوں میں اضافہ کر کے اس کا تکملہ کر دیا۔

علامہ ابوالفضائل صفی الدین عبدالمومن بن عبدالحق متوفی ۷۳۹ھ نے اس کا خلاصہ کر کے اس کا نام ''مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنة والبقاع'' رکھا۔ یہ خلاصہ لیڈن میں چھ جلدوں میں مع فہرست وغیرہ کے طبع ہوا ہے۔

یاقوت حموی کی دوسری کتاب ''المشترک وضعا والمختلف صقعا'' ہے۔ اس میں

صرف ہم نام مقامات کے مواقع اور حالات ہیں۔ غوطنجن سے ۱۸۴۶ء میں شائع ہوئی۔ (ل۔م)

۳۸۔ ابن شداد: ابوعبداللہ بن شداد متوفی ۶۸۴ھ میں ایک مشہور سیاح گزرے ہیں۔ انہوں نے شام اور عرب دونوں ملکوں کا تفصیلی سفر کیا۔ اور اپنے سفرنامہ ''الاعلاق الخطیرہ فی امراء شام والجزیرہ میں ان کے حالات لکھے۔

۳۹۔ قزوینی: زکریا بن محمد قزوینی متوفی ۶۸۶ھ کی کتاب ''عجائب المخلوقات و آثار البلاد'' بہت مشہور مصر سے علامہ دمیری کی کتاب الحیوان کے حاشیہ پر اور غوطنجن سے ۱۸۴۸ء میں جداگانہ طور پر شائع ہو چکی ہے۔ (۱۵) حمادی کے مطابق صحیح نام آثار البلاد و اخبار العبار ہے۔ ۱۹۶۴ء میں بیروت دارصادر سے چھپی ہے۔ دوسری عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات ہے، شاید یہی کتاب الحیوان کے ساتھ چھپی ہو۔ (۱۶)

۴۰۔ مغربی: علی بن موسیٰ بن سعید مغربی، مصر، شام اور عراق کے ملکوں میں سیاحت کرتے رہے۔ ان کی کتاب ''بسط الارض فی طولہا والعرض'' ہے یہ جغرافیا کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ بطلیوس کی کتاب کی روش پر لکھی گئی ہے۔ جہاں تک معلوم ہے اس کا صرف ایک قلمی نسخہ پیرس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۴۱۔ دمشقی: ابوعبداللہ شمس الدین دمشقی متوفی ۷۲۷ء مشہور جغرافیہ داں تھے۔ ان کی کتاب ''نخبۃ الدہر فی عجائب البر والبحر'' ہے۔ آسٹریا میں چھاپی گئی ہے۔

۴۲۔ ابوالفداء: اسماعیل عماء الدین ابوالفدا بادشاہ حماۃ، فن تاریخ کے امام اور جغرافیہ کے ماہر تھے، ان کی کتاب ''المختصر فی احوال البشر'' پہلی تاریخ ہے۔ جو سلاطین اور خلفائے عرب کے حالات میں لکھی گئی۔ جغرافیہ میں ان کی ایک کتاب ''تقویم البلدان'' ہے۔ اس میں انہوں نے زیادہ تر ابن سعید مغربی کی کتاب سے اخذ کیا ہے۔ پہلی بار یہ کتاب مع لاطینی ترجمہ کے پیرس میں ۱۸۴۰ء میں ۵۲۹ص میں چھپی۔ (ل م) پھر دوبارہ ڈریسڈن (جرمنی) سے ۱۸۴۶ء میں شائع ہوئی۔

دوسری کتاب ابوالفداء کی جغرافیہ میں ''اوضح المسالک الی معرفۃ البلدان والممالک'' ہے۔ اس میں قدماء کی جہاں تک کتابیں ان کو مل سکیں۔ ان سب کا خلاصہ ترتیب حروف تہجی لکھا ہے۔

۴۳۔ الحرانی: نجم الدین الحرانی متوفی ۷۳۲ھ جغرافیہ میں ان کی کتاب ''جامع الفنون وسلوۃ المحزون'' علماء میں مقبول تھی۔

۴۴۔ ابن بطوطہ: محمد بن عبداللہ طنجی متوفی ۷۷۹ھ جو ابن بطوطہ کے نام سے مشہور ہیں۔ سیاحت میں بہت نامور ہیں۔ ۲۲ سال کی عمر میں اپنے وطن طنجہ (مراکش) سے نکلے اور پچاس سال سے زیادہ سیاحی میں گزار کر پھر وطن کو واپس آ گئے۔ اور وہیں اپنا سفرنامہ **تحفة النظار في غرائب الأمصار و عجائب الاسفار** کے نام سے لکھا۔ اس میں مشرقی ممالک کے حالات زیادہ ہیں۔ یہ سفرنامہ مع ترجمہ کے پیرس سے دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ (ل م) ۱۹۸۷ء میں پھر ۱۹۳۸ء میں مصر میں چھپا۔ اس کا اردو میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے۔

۴۵۔ ابن خلدون: علامہ ابن خلدون مغربی امام تاریخ نے فن جغرافیہ میں کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی۔ لیکن اپنی مشہور تاریخ کے مقدمہ میں ہفت اقلیم کے مختصر حالات اور بعض شہروں کے تفصیلی بیانات لکھ دیئے ہیں۔

۴۶۔ ابن الوردی: عمر سراج الدین بن الوردی متوفی ۸۵۰ھ انہوں نے ایک کتاب ''خریدۃ العجائب وفریدۃ الغرائب'' تصنیف کی۔ اس کا وہ حصہ جو مصر سے متعلق ہے فرنچ میں ترجمہ کر کے پیرس سے شائع کیا گیا ہے۔ (ل م) مکمل کتاب مصر میں چھپی ہے۔ (ل م) یہ کتاب نجم الدین حرانی کی کتاب سے ماخوذ ہے۔ بلکہ لوگ کہتے ہیں کہ وہی ہے۔

۴۷۔ ابن ایاس: مصر کے مشہور مورخ متوفی ۹۳۰ھ علامہ سیوطی کے شاگرد ہیں۔ جغرافیہ میں ان کی کتاب ''**نشر الازهارني عجائب الاقطار**'' مشہور کتابوں میں سے ہے۔

اس کے علاوہ بھی جدید جغرافیہ اور قدیم علاقہ کے نئے ناموں پر جدید جغرافیہ/اٹلس کے عنوانات سے بہت سے کام ہوئے ہیں، بلکہ مکمل C.D تیار ہو چکی ہیں۔ ریسرچ اسکالرز کو ان سے مدد حاصل کرنی چاہیے، آخر میں بطور نمونہ بلاذری کی معرکۃ الآراء معروف کتاب کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

فتوح البلدان ۔ بلاذری: ''فتوح البلدان'' کے بارے میں دائرہ معارف اسلامیہ

کے دونوں مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ یہ کتاب، اسی موضوع پر ایک سے زیادہ مبسوط کتاب کا اختصار ہے اور درحقیقت مسلم فتوحات کی تاریخ ہے۔ اس کتاب کا آغاز غزواتِ نبوی ﷺ سے ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد تاریخ ردہ، شام، الجزیرہ، آرمینیہ، مصر اور المغرب کی فتوحات کا ذکر کیا گیا ہے اور آخر میں عراق اور ایران پر قبضہ وتصرف کے حالات ہیں۔(۱۷) یہ کتاب درجہ اسناد کے اعتبار سے طبری کی ''کتاب الامم والملوک'' اور ابن سعد کی طبقات الکبریٰ ہم رتبہ تصور کی جاتی ہے۔ یہ کتاب خلیفہ المستعین کے زمانے میں مرتب ہونا شروع ہوئی اور خلیفہ المعتز کے عہد میں مکمل ہوئی۔

''فتوح البلدان'' اور ''انساب الاشراف'' کا موازنہ کرتے ہوئے دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ ''فتوح البلدان'' میں البلاذری نے تاریخی سوانح کو مختلف حصوں میں منقسم کر دیئے اور انہیں مختلف مقاموں پر پیش کرنے کا قدیم اصول جاری رکھا ہے اور اس کے برعکس ''انساب الاشراف'' میں اس نے طبقات ابن سعد کے انداز کی کتابوں، نیز قدیم تر تاریخوں (ابن اسحٰق، ابومخنف، المدائنی) کے مواد کو ایک تیسری قسم کے اسلوب، یعنی انساب کی طرز کی ادبیات (ابن الکلبی) کے ساتھ ملا دیا ہے۔(۱۸) ان دونوں تاریخی کتابوں کو دیکھتے ہوئے مارگولیتھ نے رائے دی ہے کہ البلاذری، علم مغازی لکھنے والوں کا سرتاج ہے۔

خلاصہ بحث یہ کہ سیرت نگاری کے اصولوں میں سے ایک اصول علم جغرافیہ ہے جس پر محقق سیرت نگار حضرات کے توجہ کی ضرورت ہے۔

تمت

تیرھویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ج/۱ص/۳/۷

۲۔ عبدالغنی محمد الیاس، بیوت الصحابة حول المسجد النبوی مرکز طیبة للطباعة فی المدینة المنوره الطبعة الثانیة ۱۹۹۸ء دیکھئے ص/۱۴، ص/۴۲، ص/۴۶، وغیرہ

۳۔ حمادہ، محمد ماھر، المصادر العربیة المعربة مؤسة الرسالةبیروت ۱۹۸۰ء ص/۲۸۸ تا ۲۹۳

۴۔ جیراجپوری، اسلم۔ نوادرات طلوع اسلام اسلام لاہور ۱۹۸۹ء ص/۱۹۶

۵۔ حمادہ، المصادر العربیة ص/۲۸۸

۶۔ جیراجپوری، نوادرات ص/۱۹۶

۷۔ حمادہ، المصادر العربیة ص/۲۸۶

۸۔ جیراجپوری، نوادرات ص/۱۹۹

۹۔ حمادہ، المصادر ص/۲۸۸

۱۰۔ جیراجپوری، نوادرات ص/۱۹۹

۱۱۔ حمادہ، المصادر ص/۲۸۸

۱۲۔ جیراجپوری، نوادرات ص/۱۹۹

۱۳۔ حمادہ، المصادر ص/۲۸۹

۱۴۔ ایضاً ص/۲۸۲

۱۵۔ جیراجپوری، نوادرات ص/۲۰۱

۱۶۔ حمادہ، المصادر ص/۲۹۰

۱۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب لاہور ج/۴ص/۴۲۴

۱۸۔ ایضاً ج/۴ص/۷۵

چودھواں اصول: علم الانساب ہے

یعنی ایسی کتابیں جس میں کسی شخص، خاندان، قبیلہ، قوم، یا نسل کے نسب، رشتہ، خون، کے تعلق سے بحث کی جائے، عربوں کے ہاں نسب بہت اہمیت رکھتا تھا، انسان تو انسان عرب اونٹ گھوڑوں اور دیگر حیوانات تک میں حسب نسب کا خیال رکھتے تھے، اسی بنیاد پر انسانوں، قوموں، قبیلوں سے سلوک و معاملات کرتے تھے، تاریخ کی اس نوع کو سمجھے بغیر اس معاشرہ کو جس میں ہمارے پیغمبر ﷺ مبعوث ہوئے، سمجھنا ممکن ہی نہیں اور معاشرہ و تہذیب اور رواجات حسب ونسب کی اہمیت کو سمجھے بغیر نبی کریم ﷺ کی معاشرتی مشکلات کو سمجھنا اور آپ کس طرح ان مشکلات سے نبرد آزما ہوئے، سمجھنا ممکن ہی نہیں، گویا علم الانساب کے بغیر سیرت کو نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔لہٰذا جو یہ نہیں جانتا لے پالک بیٹے کی اس معاشرہ میں کیا حیثیت تھی، وہ کیسے سمجھ سکتا ہے کہ آپ نے لے پالک بیٹے کی بیوی سے شادی کرکے کتنا اہم کام کتنی ہمت کے ساتھ انجام دیا، جو اس زمانہ کی قبائلی عصبیتوں کو نہیں جانتا وہ سیرت کے اس پہلو کو قطعاً نہیں سمجھ سکتا کہ آپ مکہ سے طائف کیوں گئے تھے؟ اور دوبارہ مکہ میں کس بنیاد پر آئے تھے؟ اہل مکہ نے جب ابوبکرؓ کو مکہ سے نکالدیا تھا تو وہ دوبارہ کس بنیاد پر مکہ میں رہتے تھے؟ شاہ حبشہ نے جعفر طیارؓ سے نبی کی تعلیمات سننے کے باوجود کیوں آپ ﷺ کے حسب نسب کی بابت سوالات کئے تھے؟ اور جب ابوسفیان نے بھی آپ ﷺ کے حسب نسب کی تصدیق کی تو شاہ حبشہ نے آپ ﷺ کی نبوت کی نہ صرف تصدیق کی بلکہ مہاجرین کو واپس کرنے سے انکار کردیا۔ اس زمانہ کا انسانی اسٹیٹس اسی علم الانساب کی بنیاد پر طے ہوتا تھا۔ ابوسفیان کے بیان کے بعد شاہ حبشہ نے کہا:

وکذالک الرسل تبعث فی احساب قومها(۱)

اسی بہتر نسب کے ساتھ انبیاء اپنی قوم میں مبعوث کئے جاتے ہیں۔

معروف لائبریرین اور محقق رابرٹ بی ڈاؤنس Robert B. Downs نے اپنی معروف کتاب Books That Changed the World میں انجیل مقدس کا تذکرہ

کرتے ہوئے علم الانساب کو علم الٰہی میں سے ایک علم شمار کیا ہے۔(۲)

سیرت کا علم الانساب سے تعلق: آپ نے اوپر ملاحظہ کیا کہ عرب معاشرہ میں صاحب نسب ہونا انتہائی اہمیت کا حامل تھا، ابوجہل و دیگر دشمنان نے آپ کی نبوت کا انکار کیا، آپ کے حسب نسب کا نہیں اور یہی وہ اسٹیٹس ہے جس کی وجہ سے آپ نے مختلف مواقع پر اس کا فائدہ حاصل کیا، سیرت طیبہ کو اس علم کی اہمیت واثراندازی کا اندازہ لگائے بغیر سمجھنا مشکل ہے۔

انسان کا سیرت طیبہ سے گہرا تعلق ہے۔یہی وجہ ہے ابتدائی عہد کی کتب انساب میں بھی آپ ﷺ کی سیرت کا تذکرہ ہے جیسے مسعودی کی التنبیہ والاشراف میں سیرت النبی ﷺ کا بیان ہے اور ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف کے دوسرے باب میں عربوں کے انساب کے ساتھ آپ ﷺ کی سیرت ونسب بیان کیا ہے۔

آپ ﷺ کا نسب نامہ اور علم الانساب کا ارتقائی و تقابلی مطالعہ: علم الانساب بھی تاریخ کی ایک قسم ہے۔اگر کسی کو آپ ﷺ کی عالی نسبی پر شک ہوتا تو ابولہب ایسا متمرد اور اخوان فروش انسان جو تبلیغ دین اور دعوت حق کی تمام کوششوں کو ناکام بنانے کی قسم کھائے ہوئے تھا۔دعوت اسلام سے پہلے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ بیاہ شادی کے ذریعے نجی تعلقات کو استوار کرنے کی کوشش نہ کرتا۔اسی طرح ابوجہل نے اخنس بن شریق سے جب خاندان نبوت سے اپنے اختلافات کا ذکر کیا تو اس نے اپنی نفرتوں اور حقارتوں کے باوجود آپ ﷺ پر کوئی اتہام نہیں باندھا۔اگر جناب رسالتمآب ﷺ کے خاندانی شرف میں کسی قسم کا شک اسے نظر آتا تو وہ بلا جھجک آپ ﷺ پر ''خاندانی پستی'' کا الزام دھر سکتا تھا اور ایسی باتیں منسوب کرسکتا تھا جو بے سروپا تھیں۔لیکن ایسا نہیں ہوا۔

ہمارے پاس کوئی ایسی شہادت موجود نہیں ہے جس سے پتہ چلے کہ عرب وعجم کے کسی سلیم العقل انسان نے آنحضور ﷺ کے خاندانی شرف وامتیاز پر انگشت نمائی کی ہے۔

قریش جس طرح آپ ﷺ کی صداقت کے قائل تھے، اسی طرح وہ آپ کی سیادت اور صیانت کے بھی معترف تھے۔ذاتی وقار اور نسلی برتری کے جذبہ نے کئی روپ دھارے ہیں۔یہی جذبہ باہمی منافرت اور سیاسی کش مکش کا باعث بنا رہا۔مشرق کو جانے دیجئے، مغرب میں

جو جنگیں اس صدی میں لڑی گئی ہیں اور ان میں جو قتل و غارت ہوئی ہے، انسانی خون کی جو ہولی کھیلی گئی ہے اور انسانیت کی جو تذلیل ہوتی ہے، وہ اسی جذبہ تفوق اور نسلی منافرت ہی کا نتیجہ تھیں۔ آج بھی امن کے دنوں میں جو کچھ جنوبی افریقہ میں ہو رہا ہے وہ بھی نسلی منافرت Apartheid کا کرشمہ ہے۔ یہ ان قوموں کا حال ہے جو اسلام کو غلامی ختم نہ کرنے کا طعنہ دیتی ہیں۔ حالانکہ سیاہ فام اور زرد رُو اقوام کو غلامی کی زنجیریں جو سفید فام اقوام نے پہنائی ہیں وہ ابھی توڑی نہیں جا سکیں۔ اگر بہت سی قومیں جہد مسلسل کے بعد Political طور پر آزاد ہو بھی گئی ہیں تو کیا ہوا۔ ذہنی غلامی تو اسی طرح ہے۔ وہی نظام معاشرت اور وہی سرمایہ دارانہ نظام معیشت۔ تمدن و اخلاق کے سانچے بھی وہی اور نظام تعلیم کے خطوط بھی انہی کے عطا کردہ۔ سیاسی آزادی کے بعد جب تک سوچ کے دھارے نہ بدلیں گے اور تیسری دنیا کے ممالک ایک نئے اقتصادی نظام کی تخلیق نہیں کر پائیں گے موجودہ آزادی بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔

قریش کو اس بات کا علم تھا کہ اسلام کی کامیابی انہیں نہ صرف کعبہ کی تولیت سے محروم کر دے گی بلکہ انہیں اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے بھی مفلوج بنا دے گی۔ وہ یہ کیوں کر گوارا کر سکتے تھے کہ اسلام کی محبت لوگوں کے دلوں میں گھر کر لے، اس کی حیات بخش دعوتِ حق ان کے فاسقانہ کلچر میں شکست و ریخت پیدا کرتی رہے اور ان کی ساکھ ان تمام قوموں کے درمیان مجروح ہوتی رہے، جن سے ان کی تجارتی اور ثقافتی روابط تھے۔ (۳)

صلح حدیبیہ کے زمانے میں جب مسلمانوں اور کفار مکہ کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو چکا تھا، ابوسفیان تجارتی کاروبار کے لئے شام گیا ہوا تھا۔ ہرقل، شاہ روم، نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا اور بہت سے سوالات کے علاوہ، یہ بات خاص طور پر پوچھی کہ آنحضور ﷺ کا نسب کیسا ہے؟ ابوسفیان، جو اس وقت آپ کا بدترین دشمن تھا، یہ کہے بغیر نہ رہ سکا کہ:

هُوَ فِيْنَا ذُوْ حَسَبٍ

"چنانچہ ہرقل نے کہا:

انبیاء (علیہم السلام) ہمیشہ اپنی قوم کے بلند خاندان میں مبعوث ہوتے ہیں"

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُوْنِ بَنِيْ آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِيْ كُنْتُ فِيْهِ۔ (۵)

میں بنی آدم کی بہترین نسلوں میں نسلاً بعد نسل گزرتا ہوا مبعوث ہوا ہوں یہاں تک میں اس نسل میں پیدا ہوا جس میں میں اب ہوں۔

۳۔ جہاں تک آپ ﷺ کے شجرۂ طیبہ کا تعلق ہے۔ عدنان تک اس میں کسی نے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ آپ ﷺ کے تمام آبائے کرام اور امہات علیا کے اسماء گرامی اور ان کے شعوب وقبائل کے نام صحت اور تفصیل سے درج ہیں۔ عدنان سے حضرت اسمٰعیل تک دوسرے مرحلے میں تمام کڑیاں تفصیل سے بیان نہیں کی گئیں۔ عربوں کے ہاں یہ رواج قدیم سے چلا آرہا تھا کہ قریبی بزرگوں کا ذکر تفصیل سے ہوتا اور دُور کے مشاہیر کو اختصار سے بیان کیا جاتا، موجودہ اختصار کا مطلب یہ نہیں کہ عدنان کا اولاد اسمٰعیل میں ہونا کسی لحاظ سے بھی مشکوک ہے تمام عرب ماہرین انساب اس بات پر متفق ہیں کہ عدنان بنی اسمٰعیل میں سے تھا۔ اور اہل عرب کا اتفاق اس کے صحیح ہونے کا ناقابل انکار ثبوت ہے۔

معترضین کا یہ خیال کہ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ختمی مرتبت ﷺ کا شجرۂ نسب اپنے تخیل سے اس طرح تیار کیا ہے کہ 'ان کی نسبت مظاہر فطرت سے قائم کی جائے۔ جیسا کہ دوسری قوموں میں رواج رہا ہے۔' نہ صرف غلط ہے بلکہ بے ہودہ اور گمراہ کن ہے۔ اگر قوموں کی تمدنی زندگی پر نگاہ ڈالی جائے تو پتہ چلے گا کہ انہوں نے تاریخ کے ابتدائی دور میں اپنے مذہبی پیشواؤں کو کبھی ''ابن اللہ'' کا درجہ دیا اور کبھی ''فرزند نور'' کا کبھی ان کا رشتہ ''سورج'' سے جوڑا اور کبھی ''چاند'' سے۔ اقتدار اور شہرت مل جانے کے بعد، ان مقتدر ہستیوں کو الوہیت کا تاج پہنایا گیا اور انہیں انسانوں کے زمرے سے نکال کر مافوق الفطرت ہستیوں میں شمار کیا گیا۔

اسکندرِ اعظم (مقدونی) جب ایران پر آخری حملے کی تیاریاں کر رہا تھا، تو وہ Ammon دیوتا کے مندر کی جاترا کو گیا۔ وہاں کے سردار کاہن نے اسے یہ خوش خبری سنائی کہ وہ ''امین'' دیوتا کی اولاد ہے جو سانپ کی شکل اختیار کر کے اس کی ماں ''اولپیاس'' کو اپنے تصرف میں لے آیا۔ (۶) اس زمانہ میں یہ خیال عام تھا کہ جو شخص اپنے خاندان یا نسل

میں غیر معمولی طور پر نمایاں ہوتا، وہ آسمانی نسل سے سمجھا جاتا۔ لہٰذا سکندرِ اعظم Ammon Jupiter کا بیٹا مشہور ہوا۔ اس قسم کی نسب فروشی کی قلعی جناب ڈریپر نے اپنی فاضلانہ تصنیف ''معرکۂ مذہب و سائنس'' میں جس عمدگی سے کھولی ہے، وہ بتاتی ہے کہ آج اس روشنی کے دور میں بھی یونانی، چینی، ہندی اور خود عیسائی قومیں اپنے بزرگوں کو کبھی ''سورج بنسی'' اور کبھی ''چاند بنسی'' ظاہر کر کے جس حماقت اور بے بصری کا ثبوت دیتی ہیں، وہ اظہر من الشمس ہے۔ یہ صرف ختمی مرتبت ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ جسے کمالاتِ عبدیت کا اتمام حاصل ہے۔

آپ ''متی'' کا مطالعہ کریں یا ''لوقا'' کی ورق گردانی، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت عیسیٰ کا نسب نامہ بیان کرتے ہوئے دونوں کتابوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لوقا نے یوسف (والدِ مسیح) سے زرد بابل تک بیس نسلیں گنوائی ہیں جبکہ متی نے صرف گیارہ کا ذکر کیا ہے۔ دونوں نسب ناموں میں آبائے کرام کے نام اس قدر مختلف ہیں کہ پورے نسب نامے میں صرف دو اشخاص پر اتفاق ہو سکا ہے۔ عیسائی علماء اس کی کیا تاویل کریں گے؟

هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا؟ (۷)

اب ان دونوں انجیلوں کا توراۃ سے مقابلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ کے شجرۂ نسب کے دوسرے حصے میں (سلاتی ایل سے لے کر حضرت داؤد تک) تمام معاملہ ہی چوپٹ نظر آتا ہے۔ لوقا نے سلاتی ایل سے لے کر حضرت داؤد علیہ السلام تک بائیس نسلیں گنوائی ہیں، متی نے سولہ اور توراۃ نے انیس۔ مزید برآں نسب نامے کے اس حصے میں کوئی نام دوسرے نام سے مطابقت نہیں رکھتا۔ کیا (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰؑ کو مجہول النسب قرار دیا جائے؟ یہ سوالات اس لئے نہیں اٹھائے گئے کہ حضرت عیسیٰؑ کی تنقیص مقصود ہے بلکہ کہنا یہ ہے کہ شجرہ نسب لکھنے کا طریقہ عربوں اور بنی اسرائیل کے ہاں ایک جیسا ہی تھا۔ دُور کے بزرگوں کا ذکر بالصراحت نہ کرنا کسی طرح بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ کیا عیسائی علماء، جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامے پر معترض ہیں، حضرت عیسیٰؑ کے سلسلۂ نسب کو یوسف نجار سے لے کر زرد بابل تک اور سلاتی ایل سے لے کر حضرت داؤدؑ تک مکمل کریں گے

تا کہ تمام الجھنیں دُور کی جاسکیں اور اُسے ایک معیاری نسب نامہ قرار دیا جائے۔

یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ عیسائی علماء نے نسب نامہ لکھتے وقت ان مشاہیر کو قلم زد کر دیا ہے جن کے اعمال ناپسندیدہ اور عادات غیر ستودہ تھیں۔ کیا خزیاہ، یوآس اور امصیاہ کے نام اسی لئے ترک نہیں کئے گئے کہ عیسائی علماء نے ایسے پاک نسب نامے میں ان کا ذکر مناسب نہیں سمجھا؟(۸)

قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصوری پر اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں ہوں کہ انہوں نے انتہائی محنت اور تلاش سے ان اعتراضات کا شافی جواب دیا ہے جو معاندین نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامے پر کئے تھے جبکہ ان کے اعتراضات کا جوانہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے موجودہ نسب نامے پر کئے ہیں، کوئی مثبت جواب نہیں مل سکا۔ اس لئے مارگولیس، سیل اور سرولیم میور کا یہ کہنا کہ "آنحضور ﷺ کی عظمت کو دوبالا Glovity کرنے کے لئے آپ ﷺ کا نسب نامہ "گھڑا گیا" نہ صرف گمراہ کن ہے بلکہ ان کی علمی خیانت کا بھی پردہ چاک کرتا ہے۔

گبن، ایک عظیم مورخ اور مذہباً عیسائی، اس بات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکا کہ "آنحضور ﷺ حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل میں سے تھے۔ مسیح علماء کا آپ ﷺ کے نسب نامے پر اعتراض محض بے ہودگی ہے۔ تاریخ زوال رومہ میں اُس نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ ایک مسلمہ امر ہے اور عیسائیوں کا ردّو کد بے معنی ہے۔ وہ کہتا ہے:

> محمد ﷺ کو مبتزل اور حقیر نسل سے دکھانے کی کوشش، عیسائیوں کا ایک احمقانہ فعل ہے۔ ایسا اتہام آپ ﷺ کی خوبیوں کو گھٹانے کی بجائے اُلٹا بڑھا دیتا ہے۔ آپ ﷺ کا حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل میں سے ہونا ایک تسلیم شدہ امر ہے اور عرب کی روایات سے ثابت ہے۔(۹)

۴۔ رہا ان کا یہ اعتراض کہ ختمی مرتبت ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ وہ انہیں "مولیٰ اور سیّد" کے الفاظ سے نہ پکارا کریں۔(۱۰) ایسے ہی ہے جیسے حضرت عیسیٰؑ نے ایک شخص کو، جو آپ کے پاس حصول برکت کے لئے حاضر ہوا تھا فرمایا:

مجھے نیک نہ کہو، کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا۔

پوری عبارت مرقس کے تحت یوں درج ہوتی ہے:

اور جب وہ باہر نکل کر راہ میں جا رہا تھا تو ایک شخص دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر اس سے پوچھنے لگا: کہ اے نیک استاد! میں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں۔ یسوع نے کہا: تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا۔(۱۱)

کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے نیک ہونے سے انکاری تھے یا آپ کو اپنی فطرت کی پاکیزگی پر شبہ تھا؟ ہرگز نہیں۔ آپ نے نفس کے غرور اور تکبر سے بچنے کے لئے لوگوں کو ایسے القاب و آداب کے استعمال سے منع فرمایا تھا جو انسانی نفس کو تمرد و سرکشی پر اُبھارتے ہیں۔ اسی قسم کی ایک اور مثال حضرت یعقوبؑ کے تذکرہ میں ملتی ہے۔ آپ نے پیغام بر سے کہا۔

تو کہنا یہ تیرے خادم یعقوبؑ کے ہیں۔ یہ نذرانہ ہے جو میرے خداوند عیسو کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اس نے سب رکھوالوں کو حکم دیا کہ جب عیسو تم کو ملے تو تم یہی بات کہنا۔ اور یہ بھی کہنا کہ تیرا خادم یعقوبؑ خود بھی ہمارے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔(۲۱)

حضرت یعقوبؑ جب ننھیال سے واپس لوٹے تو انہوں نے اپنے خاص آدمیوں کے ہاتھ اپنے بڑے بھائی عیسو کو کچھ تحفے بھیجے۔ آپ نے انہیں تاکید فرمائی کہ وہ تحفے پیش کرتے وقت احترام اور نرمی سے پیش آئیں۔ اوپر کی عبارت میں آپ نے اپنے لئے ''خادم'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور اپنے بزرگ بھائی کے لئے ''خداوند'' کا یہ بات آپ کے حسن خلق، فراخ حوصلگی اور بڑے بھائی کے لئے احترام پر شاہد عادل ہے۔ ورنہ حضرت یعقوبؑ (جو ایک برگزیدہ پیغمبر تھے) یقیناً نوکر یا مبتذل نہ تھے۔ یہی بات سرورِ عالم ﷺ کے بارے میں بھی درست ہے۔

وہ وجود قدسی جس نے ''محبت'' کو اپنی اساس ٹھہرایا تھا، ''عقل'' کو دین کی جڑ قرار دیا تھا۔ اور ''معرفت'' کو اپنی پونجی سمجھا تھا، اسی نے یہ بھی فرمایا تھا:

"کہ عاجزی میرا فخر ہے۔(۱۳)
آپ کی عاجزی اور درماندگی اللہ تعالیٰ کے لئے تھی جو کارساز حقیقی ہے، فریادرس ہے اور جودو عطا کا مالک ہے۔ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ وہ شاخ جو ثمر بار ہوتی ہے، اس شاخ کے مقابلے میں زیادہ جھکی ہوتی ہے جو بے ثمر اور نامراد ہوتی ہے۔ اس اظہار عجزو انکسار سے خاندانی شرافت کا ابطال کیوں؟

ان معاندین میں وہ لوگ بھی شامل ہیں، جنہوں نے اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے، جسے امام احمدؒ نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے(۱۴) یہ کہنے کی جرات کی ہے کہ آپ کی حیثیت "اس درخت کی سی ہے جو مٹی کے ٹیلے پر اُگتا ہے" اس کی جڑیں زمین کے اندر پیوست نہیں ہوتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب قریش کی طرف سے ہر قسم کی ترغیب و ترہیب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مشن سے باز رکھنے میں ناکام ہوگئی تو انہوں نے آپ ﷺ کے متعلق مختلف افواہیں پھیلانا شروع کر دیں، کبھی آپ کو جادوگر کہا گیا اور کبھی کاہن، کبھی مجنوں کے طور پر پیش کیا گیا اور کبھی شاعر کی حیثیت سے۔ جب جھوٹ کی یہ مہم بھی بے اثر ثابت ہوئی تو وہ انتہائی چھچھوری حرکات پر اُتر آئے۔ انہوں نے خدا خوفی اور انسان دوستی کے تمام تقاضے بالائے طاق رکھتے ہوئے، حضرت عبداللہ، طیب و طاہر، (آنحضورﷺ کے صاحبزادے) کی وفات پر یہ کہنا شروع کر دیا"۔ کہ محمد ﷺ کے کوئی بیٹا نہیں رہا جو اُن کا وارث بنے۔ جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوں گے تو ان کا ذکر کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہے گا۔ اس طرح قریش کا ان سے پیچھا چھوٹ جائے گا"۔ اسی قسم کی واہی تباہی بکتے انہوں نے کہا:

اب تو وہ اس پودے کی طرح ہیں جو گھورے پر جمتا ہے۔(۱۵)

كَمَثَلِ نَخْلَةٍ فِي كَبْوَةٍ مِنَ الْأَرْضِ ۝

اسی کے جواب میں سورۂ کوثر نازل ہوئی۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

عین اس وقت جب جوشِ مخالفت اور مخالفین کے اقتدار کا شباب ہے،

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝

کا پیغام جبریل امینؑ لے کر آتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ آج ان کور
باطنوں کو اپنی کثرت آل و اولاد پر غرہ ہے۔
اپنی اقبال مندی اور کامرانی کا دعویٰ ہے۔ اپنے پھلنے پھولنے پر ناز ہے۔ تیری اولاد کی وفات پر طعنہ زن ہیں کہ تو بے نام ونشان رہ گیا۔ بے نام ونشان رہ جانے والا تو نہیں بلکہ یہ خود ہیں، بے سلسلہ رہ جانے والا تیرا کام نہیں، خود اُن کا کام ہے۔ مٹ جانے والا نام تیرا نہیں، ان کا نام ہے، بجھ جانے والی روشنی تیری نہیں ان کی ہے۔
یہ ناموری کے بھوکے ہیں، انہیں گمنام و بے نشان کر دیا جائے گا۔ تاریخ ان کے نام پر لعنت بھیجے گی۔ انسانیت اپنا سلسلہ نسب ان سے جوڑتے شرمائے گی۔ ان کا نام لینے والا کوئی نہ ہوگا۔
ختمی مرتبت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا طعنہ سن کر فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور ان کی شاخیں بنائیں تو مجھے بہترین شاخ میں رکھا۔ پھر شعوب وقبائل بنائے تو مجھے بہترین قبیلے میں رکھا۔ پھر گھرانے بنائے تو مجھے بہترین گھرانے میں پیدا کیا۔ پھر گھرانے بنائے تو مجھے بہترین گھرانے میں پیدا کیا۔ میں اصل ورُوح کے لحاظ سے ذاتی طور پر بھی ممتاز ہوں۔(۱۶)
عاص بن وائل ہو یا ابوجہل، امیہ بن خلف ہو یا ابولہب، ولید بن مغیرہ ہو یا ابوسفیان، کسے خبر تھی کہ مکے کا وہ یتیم جس پر وہ آوازے کستے، جس کا مذاق اُڑاتے اور جس کے راستے میں وہ کانٹے بچھاتے، ''دس ہزار قدسیوں کے ساتھ ایک دن فاتحانہ انداز میں مکہ میں داخل ہوگا(۱۷) مشرکین مکہ کی گردنیں احساس گناہ سے جھکی ہوئی ہوں گی۔ ظلم و زیادتی اور جور و جفا، جو مسلمانوں پر روا رکھا گیا تھا، کے واقعات ایک متحرک فلم کی طرح ان کے سامنے گھوم رہے ہوں گے۔ ان کی اپنی جانیں، اور عزیز و اقارب کی جانیں آپ ﷺ کے چشم و ابرو کے اشارے کی محتاج ہوں گی۔ وہ چاہے گا تو بچ جائیں گے، نہ چاہے گا تو کٹ جائیں گی۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عرض کریں گی:
یارسول اللہ ﷺ! ابوسفیان (بن حارث آپ کے حقیقی چچا کا بیٹا ہے اور عبداللہ حقیقی پھوپھی (عاتکہ) کا لڑکا۔ اتنے قریبی عزیز تو رحمت

سے محروم نہیں رہنے چاہئیں۔
آج انہیں کس کے حکم کا انتظار ہے؟ آج کس سے عفو وکرم کی بھیک مانگی جارہی ہے؟ آج کسے اخ کریم وابن اخ کریم کہہ کر پکارا جا رہا ہے؟ وہی تاجورحمت بن کرآیا تھا۔ سلیم الفطرت تھا اور دخوئے دل نوازی لئے ہوئے تھا۔

وَرَثْنَا الْمَجْدَمِنْ اٰباءِ   نافَنمٰی بِنَا صَعُدا

ہم نے بزرگی ورثے میں پائی ہے۔ ہمارے ہاں پہنچ کر اسکا قد و قامت اور بڑھ گیا ہے۔

آپ ﷺ کا سلسلہ نسب اس پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں پاتال تک پہنچی ہیں اور شاخیں فضائے بسیط میں پھیلی ہیں۔ اصلها ثابت و فرعهافي السماء (۱۸) جڑیں زمین اور شاخیں آسمان میں ہیں۔ آپ ﷺ کا گھرانہ ہی وہ گھرانہ ہے جہاں شرف ومجد کو نئی جہت ملی اور جہاں عزت وتوقیر کو نیا ابعاد حاصل ہوا۔

شرفُکَ تامِک وَإقبالکَ سَامِک

آپ ﷺ کا شرف عالی ہے اور آپ ﷺ کے مقدر کا ستارہ ہم اوج ثریا ہے۔

علم الانساب کا ارتقاء: ظہور اسلام سے قبل کی تاریخ کے بارے میں ہماری معلومات بہت محدود اور ناکافی ہیں۔ لیکن اعلیٰ تاریخی ذوق کے فقدان اور محدود دائرہ کار کے باعث ان میں زمانہ ظہور اسلام سے قبل کی تاریخی کتابوں کے بارے میں بعض اشارے ہی ملتے ہیں۔ ہماری معلومات کے مطابق پہلی کتاب عبید بن شریۃ الجرھمی کی ''اخبار الیمن واشعار، وانسابھا'' ہے۔ جو ایام العرب کے بارے میں قدیم ترین کتاب نسب ہے۔ اس میں انساب کے علاوہ زمانہ جاہلیت کے قصص بھی ہیں۔ یہ کتاب مسلمانوں کی اولین تاریخی کاوش ہے۔ دوسری کتاب وہب بن منبہ کی ''کتاب الملوک'' بھی اسی رنگ ڈھنگ کی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ مصنف کو حضرت علیؓ بن ابی طالب نے حمیریوں کی تاریخ لکھنے کا شوق دیا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ امر قابل ذکر ہے کہ مصنف کے بیان کے مطابق اس نے سابقہ کتابوں کو

اپنی کتاب میں شامل کرلیا۔

جنوبی عرب کے بارے میں مذکورہ بالا افسانوی کتب کے علاوہ ہمیں بہت سے علمائے عرب کے نام ملتے ہیں، جو انساب عرب، اشعار عرب، اخبار عرب اور ایام عرب کے واقف کار تھے۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین اور کتاب الحیوان میں ان کے بہت سے اقتباسات دیئے ہیں۔ جاحظ نے مخزمہ بن نوفل، ابوالجہم بن حذیفہ، حویطب بن عبدالعزی اور حضرت عقیل بن ابی طالب کی بڑی تعریف وتوصیف کی ہے۔اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ اکثر مشہور علمائے انساب کتب انساب کے مصنف تھے۔ جاحظ نے چودہ علمائے انساب کا ذکر کیا ہے، جنہوں نے کتب انساب لکھی تھیں۔ ان میں سے اکثر زمانہ قبل از اسلام اور بعد از اسلام سے تعلق رکھتے تھے۔ان میں قدیم ترین نام سطیح الذہبی (م۵۲ھ) کا ہے۔ جو بیک وقت حکیم فرزانہ اور جوتشی بھی تھا۔اس لئے ہم یہ فرض کئے بغیر رہ نہیں سکتے کہ اس زمانے میں کتب انساب بھی موجود ہوں گی اور اس وقت اہل علم کی معلومات کا مدار صرف حافظے اور یادداشت پر نہ تھا۔

عبداللہ بن محمد عمارہ دوسری صدی ہجری کے ماہر انساب ہیں۔انہوں نے نسب پر کتاب لکھی تھی۔ وہ ابنائے قرتنی کو معزز نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے اس نے ان کا نام کتاب النسب میں نہیں لکھا۔ الفرزوق نے غفل المخضرم کی کتاب الانساب کی بڑی تعریف کی۔ الھمدانی نے اپنی کتاب الاکلیل میں اس کی عبارتیں نقل کی ہیں۔اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی علم ہے کہ ایک ماہر انساب عبید بن شریہ نے امثال عرب پر بھی ایک کتاب لکھی تھی۔ جبکہ ابوالجلد، جیلان بن (ابی) فردہ نے "اخبار الملاہم" (جنگی واقعات) پر جامع کتابیں لکھی تھیں۔ ان کی طرف حضرت عبداللہ بن عباس لغوی مشکلات کے حل کے لئے رجوع کرتے تھے۔ ابوالجلد کا بیان ہے کہ میں نے کتب حکمت (دانائی) اور مسئلہ داود کا بھی مطالعہ کیا تھا۔

ولید بن زیادۃ الجرہمی اموی دور کے انساب العرب اخبار العرب اور ملوک العرب کے حالات کے بڑے عالم تھے۔ ان کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے ان کی کتابوں اور حضرت ھود و صالح اور حنظلہ کے صحیفوں کا مطالعہ کیا تھا۔ المسعودی کو نسب کی ایک قدیم کتاب ملی تھی جو حضرت ارمیا نبی کے کاتب باروخ بن ناریا سے منسوب تھی۔ بعض علمائے انساب تیسری چوتھی صدی میں حمیریوں کے بارے میں قدیم کتب انساب سے

استفادہ کیا کرتے اور یہ کتابیں الذہر کہلاتی تھیں۔ بعض معلومات کی بناء پر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ قدیم علمائے انساب تاریخی ذوق سے بھی بہرہ ور تھے اور اس ذوق نے بڑھ کر علم الانساب کی صورت اختیار کرلی تھی۔ دغفل نے آگے بڑھ کر انساب کا ربط بہت قدیم آباؤاجداد سے قائم کردیا تھا۔ قدامہ شاعر نے دغفل سے کہا تھا کہ وہ اس کا شجرہ نسب دیکھ کر اس کی موت کا دن بتلا دے۔ اس کے جواب میں دغفل نے کہا تھا کہ اسے ایسی باتوں کا علم نہیں۔ وھب بن منبہ کا بیان ہے کہ جبیر بن مطعم نے اپنے زمانے میں متداول قاصد سن کر تاریخی اسباب کی بنا پر ان کی عدم صحت کا اعلان کر دیا تھا۔

صدر اسلام میں حضرت عمر بن الخطاب علم الانساب کی قدر و قیمت کے شناسا تھے جس کی اس زمانے کے معاشرے میں بڑی اہمیت تھی۔ انہوں نے قریش کے علمائے انساب، مثلاً جبیر بن مطعم، عقیل بن ابی طالب مخرمہ بن نوفل کو اپنے لئے شجرہ نسب بنانے کا حکم دیا تھا۔ مخرمہ بن نوفل اس جماعت کے بھی رکن تھے جو حرم مکی کی حدود کے نشانات لگانے کے لئے قائم کی گئی تھی۔ ان اکابر کے پوتے اور پڑپوتے بھی عالم انساب ہونے کے علاوہ تاریخ عرب کے بڑے واقف کار تھے۔ کتب طبقات اور متعدد مآخذ سے پتا چلتا ہے کہ مذکور بالا تینوں قریشی اکابر انساب قبائل اور ان کے ناموں کے علاوہ اشعار العرب اور اخبار العرب کے بھی عالم تھے۔

حضرت عمر بن الخطاب نے اپنی آدھی عمر زمانہ جاہلیت میں گزاری تھی، جبیر بن مطعم کو بادشاہ نعمان بن المنذر کی تلوار جو کپڑوں سمیت مال غنیمت میں آئی تھی، عطا کر کے اس کے حالات دریافت کئے تھے۔ نافع بن جبیر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جبیر اور ان کے بیٹے نقد تاریخ کا بھی ذوق رکھتے تھے۔

صحابہ کرامؓ میں حضرت ابوبکرؓ الصدیق علم انساب کی معرفت میں ممتاز تھے۔ کہا جاتا ہے کہ علم انساب میں وہ جبیر بن مطعم کے استاد تھے۔ متاخرین صحابہؓ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ مشہور و معروف عالم انساب تھے۔

علم انساب اور قدیم تاریخ سے اشتغال عہد بنوامیہ تک جاری رہا۔ تاریخی حوالوں سے پتا چلتا ہے کہ مورخوں اور لغویوں کے دور سے قبل بہت سے عالم، علم انساب کا ذوق اور شغل رکھتے تھے۔ مشاہیر علماء کے حالات کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اس زمانے میں عالم

سے مراد مصنف کتاب لی جاتی تھی۔

ان کے علاوہ بہت سے علماء قابل ذکر ہیں، مثلاً عبداللہ بن ثعلبہ بن صغیر العذری (م۸۳ھ/ ۷۰۱ء)، سعید بن المسیب (م۹۴ھ/ ۷۱۳ء)، قتادہ بن دعامہ (م۱۱۸ھ/ ۷۲۶ء)، اور ابوبکر محمد بن مسلم الزہری (م۱۱۴ھ/۷۴۴ء)، عبداللہ بن ثعلبہ کی مجالس میں امام زہری نے اپنے قبیلے کے نسب کی معرفت حاصل کی تھی۔

قطعی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے اموی دور میں لکھی جانے والی کتب انساب میں وارد اسمائے رواۃ کی صحیح فہرستیں بنالیں۔ اپنے بیان کی تائید میں ہم بعض کتابوں کے اقتباسات کا حوالہ دیں گے۔

طبقات ابن سعد میں ''کتاب نسب الانصار'' کا متعدد مرتبہ حوالہ آتا ہے۔ ابن سعد اور عبداللہ بن محمد الانصاری جو ابن اسحاق کے متاخر معاصر تھے، انصار کے صحیح حالات کی تحقیق کے لئے اس کتاب کو دیکھا کرتے تھے۔ ان کے ہاں یہ عبارت ملتی ہے: ہم نے کتاب نسب انصاری میں فلاں کا نسب تلاش کیا لیکن نہ ملا''۔ بعض اوقات ابن سعد کسی نامعلوم مصنف کی کتاب کتاب النسب البنیط کا حوالہ دیتے ہیں۔ مصری مورخ ابن یونس (۳۴۷ھ/ ۹۵۸ء) نے کتاب نسب قدیم سے استفادہ کیا تھا جسے عبداللہ بن لہیعۃ (م۱۷۴ھ/ ۷۹۰ء)، نے نقل کیا تھا۔ امام دارقطنی (م۳۸۵ھ/ ۹۹۵ء)، نے اموی دور کی ایک قدیم کتاب ''انساب بن ضبہ'' سے استفادہ کیا تھا، سب سے بڑھ کر حافظ ابن حجر نے عبداللہ بن عمرو یشکری (م۸۰ھ/ ۶۹۹ء) کی کتاب انساب سے استفادہ کیا تھا۔ وہب بن منبہ کی کتاب ''کتاب الملوک'' جو ابن ہشام کی تہذیب سے ہمیں ملی ہے، اس میں ''نسب ولد عدنان'' کا ایک حصہ شامل ہے۔ اسی طرح امام زہری کی کتاب نسب قریش کے بہت سے حصے مصعب الزبیری کی کتاب ''نسب قریش'' میں آگئے ہیں۔

کتب انساب کے موازنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں زمانہ جاہلیت کے بہت کم حالات مذکور ہیں۔ ہم حتمی طور پر یہ کہہ نہیں سکتے کہ علمائے انساب قدیم عرب کے حالات سے واقف تھے، اور ان کے سامنے تحریری مواد بھی تھا۔ اسی طرح ہم یقینی طور پر یہ بھی کہہ نہیں سکتے کہ حضرت عقیل بن ابی طالب، جو مثالب عرب کے عالم تھے، نے اس باب میں کچھ لکھا ہے کیونکہ اس وقت مثالب بھی علم انساب کا جز ہوا کرتے تھے۔ ''کتاب بنی تمیم'' میں تاریخی

واقعات ہیں۔ ہمارے پاس ''کتاب اشعار الانصار'' (مولفہ بعہد حضرت عمرؓ بن الخطاب) اور ''کتاب المثالب''، مولفہ زیاد بن ابیہ کے بارے میں براہ راست معلومات ہیں۔ زیاد بن ابیہ امیر معاویہ کا الحاقی بھائی تھا۔ اس نے ایک کتاب لکھی تھی۔

شعر وشاعری اور متعلقہ شعراء کے تذکروں کی تصنیف کے علاوہ عہد بنی امیہ میں علوم مغازی، حدیث اور تفسیر کی تدوین پر بھی مرکزی توجہ رہی اور ان علوم نے بہت جلد فروغ پالیا۔

آئندہ چل کر تاریخ اور انساب کے موضوع میں باہمی ربط پیدا ہوگیا۔ ابن الندیم نے کتاب الفہرست (ص ۱۰۸) میں محمد بن سائب الکلبی (م ۱۴۷ھ/ ۷۶۲ء)، کے استاد (خراش بن اسماعیل الشیبانی کی) کتابوں ''کتاب ربیعہ وانسابہا'' اور کتاب النسب لعقیق فی اخبار بنی ضبہ'' کا ذکر کیا ہے۔

ان متحد عنوانات اور مضامین کے سبب اسحاق الموصلی نے اپنے دوست الزبیر بن بکار کی ''کتاب الانساب'' کو ''کتاب الاخبار'' کہا ہے۔ آمدی نے ''المؤتلف والمختلف'' میں کتب القبائل کی ۶۰ کتابوں کا ذکر کیا ہے جو اسی زمانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ آمدی نے شعرو شاعری اور شعراء کے دواوین سے جو عبارتیں نقل کی ہیں وہ تاریخی واقعات کو مضمن ہیں اور متعلقہ اشعار کے سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ ماہرین علم الانساب کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ حضرت جبیر بن مطعم

ابوعدی جبیر بن مطعم بن عدی القرشی، عربوں کے ہاں مشاہیر علمائے انساب سے ہیں۔ وہ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔ حضرت عمر بن الخطاب نے انہیں عقیل بن ابی طالب اور مخرمہ بن نوفل، جو معتبر اور ثقہ ماہر نساب تھے، کے ساتھ مل کر انساب عرب کی تدوین کا حکم دیا تھا۔ الزبیر بن بکار کی رائے میں حضرت جبیر نے انساب کا علم حضرت ابوبکرؓ سے حاصل کیا تھا۔ حضرت جبیر کے تلامذہ میں حضرت سعید بن المسیب (م ۹۴ھ/ ۷۱۳ء) اور ان کے بیٹے محمد اور نافع تھے۔ انساب میں معلومات ان سے نقل در نقل ہوتی آئی ہیں۔ حضرت جبیر نے (م ۵۹ھ/ ۶۷۹ء) میں انتقال کیا۔ (۲۰)

تصانیف: ان کی روایات مندرجہ ذیل کتابوں میں ہیں۔ ۱۔تاریخ الطبری ۱/ ۷۴۸۔۱۶۶۳، ۲۔طبقات ابن سعد ۱/۱۰۴، ۵، ۱۲۹، ۳۔الواقدی (المغازی)، ۳۵، ۴۔ابن قتیبہ (المعارف) ۳۱۷، ۵۔یاقوت (معجم البلدان) علاوہ ازیں بخاری و مسلم نے ان سے ساٹھ حدیثیں روایت کی ہیں۔

۲۔ حضرت عقیل بن ابی طالب

ابو یزید عقیل (بن ابی طالب) عبد مناف الہاشمی حضرت علی بن ابی طالب کے بھائی تھے اور عمر میں ان سے بڑے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں انکا نام مشہور ومعروف تھا۔ جنگ بدر میں کفار کے ہمراہ تھے اور مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے، صلح حدیبیہ سے تھوڑی دیر پہلے مشرف باسلام ہوئے، مسجد نبوی میں لوگ ان سے علم انساب سیکھا کرتے تھے اور وہ ایام عرب اور مثالب قریش لوگوں سے بیان کیا کرتے تھے۔ وہ ان تین علمائے انساب میں ہیں جن سے حضرت عمر بن الخطاب نے انساب العرب کی تدوین کی فرمائش کی تھی، آخر عمر میں وہ نابینا ہوگئے تھے۔ انہوں نے ۶۰ھ/۶۸۰ء میں انتقال کیا۔ (۲۱)

تصانیف: امام نسائی اور ابن ماجہ نے ان سے ایک حدیث روایت کی ہے (مسند ابن حنبل، ۱/۲۰۱) عقد الفرید میں حضرت عقیل بن ابی طالب کے حوالے سے بہت سے قصے اور کہانیاں ہیں۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغۃ میں ان کی زبانی ایک طویل واقعہ نقل کیا ہے۔ (۱۱/۲۵۰۔۲۵۴)

۳۔ مخرمہ

ابوصفوان مخرمہ بن نوفل بن اھیب الزہری القرشی، ہجرت سے تقریباً چھ سال قبل پیدا ہوئے، فتح مکہ کے بعد اسلام لائے، مخضرمین میں ان کا شمار کبار تابعین اور قدیم عربی اشعار کے راویوں میں ہوتا ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب نے ان سے فرمائش کی تھی کہ وہ دوسرے دو ماہرین انساب سے مل کر انساب عرب کی تدوین کریں۔ وہ ان علماء میں شامل تھے جنھوں نے حرم مکی کی حدود متعین کی تھیں۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں وہ آنکھوں

سے معذور ہوگئے تھے۔ انہوں نے ۵۴ھ/۶۷۴ء میں وفات پائی۔(۲۲)

علم الانساب پر تصانیف: اس موضوع پر مستقل کتابوں کے ساتھ عام تاریخ پر لکھی جانے والی کتب میں بھی مواد موجود ہے۔ یہاں خاص اسی موضوع پر کچھ کتب کی فہرست پیش خدمت ہے۔

۱۔ الأرحام التی بین رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ لعیہ وسلم و بین أصحابه سوی العصبة۔ لمحمدبن حبیب ۲۴۵ھ

۲۔ الاعتبار فی نسب المختار، والتعریف بأزواجه وأولاده۔ لأحمد بن محمد بن أبی القاسم العشماوی المکی، کان موجود اسنة ۱۱۴۲ھ

۳۔ أنساب بنی عبدالمطلب۔ للحسن بن سعید السکونی

۴۔ بلوغ الأرب والسول بالتشرف بذکر أنساب الرسول۔ لعبد البر بن عبد القادر الفیومی ۱۰۷۱ھ

۵۔ التبیین فی أنساب القرشیین ۔ لموفق الدین عبداللّٰہ بن محمد ابن قُدامة

۶۔ التحقیق فی النسب الوثیق والاعتبار فی نسب النبی المختار، والتعریف بأزواجه وأوده الأطهار ۔ لأحمد بن محمد العشماوی المکی (کان موجود اسنة ۱۱۳۲ھ

۷۔ الجوهرة فی نسب النبی وأصحابه العشرة ۔ لکمال الدین عبدالرحمن بن محمد ابن الأنباری ۵۷۷ھ

۸۔ الخبر عن البشر فی القبائل أنساب النبی۔ لتقی الدین أحمد بن علی المقریزی ۸۴۵ھ

۹۔ الروض المعطار وکتاب الأنوار فی النسب آل النبی المختار ۔ لأحمد بن محمد المقری التلمسانی ۱۰۴۱ھ

۱۰۔ الشجرة الشما التی أصلها ثابت و فرعها فی السما، فی نسب النبی صلّی اللّٰہ علیه وسلم و عشیرته۔ لمحمد الرکی بن هاشم العلوی ۱۲۷۰ھ

۱۱۔ الشجرة الحمدية۔ لمحمد بن أسعد الحوانی النسابة ۵۸۸ھ

۱۲۔ شجرة النسب النبوی۔ لابراهيم بن يحيی الحسينی ق۸

۱۳۔ شجرة النبی۔ لعمر المتدسی

۱۴۔ العرق الذكی فی النسب الزكی ۔ لشمس الدين محمد بن علی الحافظ الحسينی ۷۶۵ھ

۱۵۔ مختصر فی معرفة نسب رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم۔ لأحمد بن فارس اللغوی ۳۹۵ھ

۱۶۔ مطالع النور النبی المنیٔ عن طهارة نسب النبی العربی۔ لعبدی أفندی، عبدالرحمن الروی ۱۱۰۳ھ

۱۷۔ منهاج المناقب و معراج الحاسب الثاقب فی نسب رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم ۔ لابن أبی الحصال محمد بن مسعود الغافقی الأندلس ۵۴۰ھ

۱۸۔ نسب رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم وصفته فی خلقه و خلقه، وسيرته۔ لمحی الدين ابن عربی ۶۳۸ھ

۱۹۔ نسب النبی، ومولده وهجرته، ووفاته ۔ لمحمد بن سلامة القضاعی ۴۵۴ھ

۲۰۔ نسب النبی صلی اللّٰه عليه وسلم ۔ للطبرانی، سليمان بن أحمد ۳۶۰ھ

۲۱۔ نظم النسب الشريف النبوی۔ لعبد اللّٰه بن محمد الناشی

۲۲۔ النفحة العتبرية فی أنساب خير البرية۔ لمحمد الكاظم بن أبی الفترح الموسوی ق ۹

۲۳۔ النور الجلی فی النسب الشريف النبوی۔ لحسن ابن عبداللّٰه البخشی ۱۱۹۰ھ

۲۴۔ أسماء القبائل من قريش وأصولها، وفروعها، و خلفاؤها ومن كان معها من العرب۔ لمحمد بن محمد بن علی الخراز النسابة ھ

۲۵۔ أنساب الأشراف۔ لأحمد بن يحيى البلاذرى ۲۷۹ھ

۲۶۔ أنساب قريش و أخبارها۔ لأحمد بن محمد الجهى

۲۷۔ جمهرة نسب قريش و أخبارها۔ للزبير بن بكار ۲۵۶ھ

۲۸۔ جمهرة أنساب العرب۔ لعلى بن أحمد ابن حزم الأندلسى ۴۵۶ھ

۲۹۔ حذف من نسب قريش۔ لأبى فيد مؤرج بن عمرو السدوسى ۱۹۵ھ

۳۰۔ فضائل قريش۔ لقاسم بن أصبغ الأندلسى ۳۴۰ھ

۳۱۔ المنتخب من نسب قريش خيار العرب۔ لعبد الله بن عيسى المرادى الا شبيلى بعد ۵۸۲ھ

۳۲۔ نسب عدنان وقحطان۔ لمحمد بن يزيد المبرد النحوى ۲۸۵ھ

۳۳۔ مصعب الزبيرى، نسب قريش، تحقيق ليفى بروفنسال، القاهرة دار المعارف

بطور نمونہ ایک کتاب پر تبصرہ پیش خدمت ہے۔

انساب الاشراف بلاذری: بلاذری کی اس موضوع پر بہت اہم کتاب ہے اگر چہ یہ مکمل نہیں ہوسکی۔ اس کی ترتیب انساب وار کی گئی ہے اور اس کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور آپ کے اعزہ و اقارب کے حالات زندگی سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد علوی اور عباسی آتے ہیں۔ بنو ہاشم، بنوامیہ وغیرہ قریش کے مختلف قبائل اور بنو مضر کے دیگر قبائل کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار بیکر اور روزن تھال کہتے ہیں کہ گو اپنی ظاہری شکل وصورت میں کتاب الانساب شجروں کا مجموعہ ہے لیکن انساب دراصل ابن سعد کے انداز کے طبقات ہیں، جنہیں نسب کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس کتاب کی پہلی جلد، جو سیرت النبی ﷺ پر مشتمل ہے، ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے دارالمعارف مصر سے ۱۹۵۹ء میں شائع کی۔ (۲۳)

حاصل مطالعہ یہ بات واضح ہوئی کہ سیرت کے دیگر اصولوں بالخصوص تاریخ کی دیگر اصناف کے مقابلہ میں انساب کی صنف سیرت طیبہ کے فہم کے لئے انتہائی اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن مجھے اس بات پر بہت حیرت ہے کہ کسی بھی محقق سیرت نگار نے اسے اصول و مصدر سیرت قرار نہیں دیا ہے۔

چودھویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ النووی، محی الدین ابی زکریا یحیی ابن شرف شرح صحیح مسلم دارالقلم بیروت ۲۱۸۷ء کتاب الجہاد حدیث نمبر ۷۴ ج/۱۲ ص/۳۳۹ اور البخاری کتاب الجہاد /۱۰۲

۲۔ Down, Robert B. Books that changed the world ii ed chicago American library association 1987 p.27

۳۔ سلیمان محمد احسان الحق رسول مبین۔ مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۹۳ء ص/۱۰۲-۱۰۴

۴۔ الصحیح البخاری، ج/۱، باب کیف کان بدالوحی، الصحیح المسلم، باب کتب النبی الی ہرقل ملک الشام یدعوہ الی الاسلام

۵۔ الصحیح البخاری، ج/۲، کتاب المناقب (عن ابی ہریرہؓ)

۶۔ معرکہ مذہب و سائنس، ولیم ڈریپر، ص/۹۰۷، و ترجمہ اُردو از مولانا ظفر علی خاں، ص/۱۲،

۷۔ قرآن مجید، سورۃ الانعام ۶:۱۴۸، آپ ﷺ کہیے کہ آیا تمہارے پاس ہے کوئی دلیل؟ (ہو) تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو۔

۸۔ توراۃ، تاریخ، ابواب ۲۲: ۴۰۳، ۲۴، ۱۸، ۲:۲۵، ۱۴

۹۔ تاریخ زوال رومہ، ایڈورڈ گبن، ج/۳، ص ۷۵-۷۶

۱۰۔ محمد (ﷺ)، ڈیوڈ سیموئل مارگولیس، ص/۴۷

۱۱۔ مرقس باب ۱۰، عبارت ۱۷-۱۸

۱۲۔ توراۃ، کتاب پیدائش، باب ۳۲: ۱۸-۲۰

۱۳۔ رحمۃ للعلمین (ﷺ)، قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔ ج/۳ ص/۱۹۹-۲۴۰، الشفا، قاضی ابی الفضل عیاض، ص/۸۵-۸۶

۱۴۔ مسند احمد بن حنبل، ج/۴ ص/۱۶۶

۱۵۔ محمد (ﷺ)، ڈیوڈ سیموئل مارگولیس، ص/۴۷، جامع ترمذی ۲، ابواب المناقب، مارگولیس کی عبارت درج ذیل ہے:

"They compared him to a palm springing out of a dung-bill"

۱۶۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب فضل سید المرسلین (ﷺ) جامع ترمذی، ج/۲، ابواب المناقب، اسلام کا عروج اور ترقی، ڈاکٹر ہنری سٹب، ص/۲۳

۱۷۔ استثناء ۳۳:۲ و یسعیاہ ۴۲۔۱۔۴،

۱۸۔ سورۂ ابراہیم/۲۴

۱۹۔ سزگین، تاریخ علوم اسلامیہ ج/۲/ص/۱۷

۲۰۔ مصعب الزبیری (نسب قریش) ۱۔۲، حبیب (کتاب المحبر) ۶۷، ۶۹، ۸۱، الجاحظ (کتاب البیان والتبیین)، ۱/۳۰۲، ۳۱۸، ۲۵۶، ابن قتیبہ (المعارف) ۳۴، ۹۹، ۱۴۵، ۱۴۷، ۲۶۴، البلاذری (انساب الاشراف)، ۱/۲۳، ۱۵۳، ۲۰۶، ۳۱۲، ۴۰۹، ۵۱۷، تاریخ الطبری، ۱/۲۳۰، ۳۸۵، ۲۳۵۵، ۲۶۴۵، ابن ابی حاتم، ۱/۵۱۲، المسعودی، (مروج الذھب) ۴/۲۸۳، لقیرانی (الرجال) ۷۶، ابن عبدالبر (الاستیعاب) ۱/۸۸۔۸۹، ابن حجر (الاصابہ) ۱/۴۶۱، ابن حجر (التہذیب) ۲/۶۳، الزرکلی (الاعلام) ۲/۱۰۳، ابن خلدون (مقدمہ) مترجمہ روز سال ۲/۲۱،

۲۱۔ طبقات ابن سعد (لائیڈن) ۴/۲۸، ابن حبیب (المحبر)، ۴۵۲، الجاحظ (البیان والتبیین) ۱/۳۲۲، ابن الفرج الاصفہانی (مقاتل الطالبین) ۷، البلاذری (انساب الاشراف) ۱/۳۰۱، ابن قتیبہ (المعارف) ۵۸، ۷۷، ۱۰۲، ۱۸۷، ابن عبدربہ (عقد الفرید) ۲/۳۵۶، ۳/۲۰۴، ۴۰۲، ۶۰۵، ۷، ۲۰۹، ۶/۹۹، الصفدی (نکت الہمیان) ۲۰۰۔۲۰۱، ابن حجر (الاصابہ) ۲/۱۱۷۵۔۱۱۷۶، ابن حجر (التہذیب ۷/۲۵۴، الزرکلی (الاعلام) ۵/۳۹، مقدمہ ابن خلدون (انگریزی ترجمہ ۲/۲۱۔۲۲، وسن فیلٹ (المورخین)

۲۲۔ ابن ہشام (السیرت) ۱/۴۲۷، طبقات ابن سعد (بیروت) ۱/۸۹، مصعب الزبیری (نسب قریش) ۳۶۲۔۳۶۳، الجاحظ (کتاب البیان والتبیین) ۲،

۲۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۴/ص/۲۴۷

تمت بالخیر

پندرھواں اصول: علم اصول حدیث ہے

سیرت طیبہ ﷺ بھی حدیث نبوی کی طرح ہے۔ دونوں کا مصدر ایک ہی ذات ہے۔ لہٰذا دونوں کے اصناف کو پرکھنے کے اصول بھی ایک ہی ہونے چاہئیں۔ دونوں قسم کی روایات کو پرکھنے کے لئے دو پیمانے مقرر نہیں کئے جا سکتے۔ اس لئے کہ حکم:

من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار ،

جس نے بالقصد میری طرف کسی ایسی بات کو منسوب کیا جو میں نے نہیں کہی تو ایسے شخص کو چاہئے اپنے لئے جہنم کو ٹھکانہ بنا لے۔

حدیث و سیرت دونوں کے لئے یکساں ہے۔

اصول حدیث کی تعریف و ارتقاء: حدیث لغوی اعتبار سے جدید کے معانی میں استعمال ہوتی ہے۔ ابوالبقاء کے بقول یہ حدث سے اسم ہے جس کے معنی خبر دینا ہے اصطلاحاً اس سے مراد قول، فعل یا تقریر ہے جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہو۔(۱) ابن حجرؒ کا قول ہے:

عرف شرع میں حدیث سے مراد وہ ہے جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہو گویا اس سے مراد قرآن کریم کے مقابل ہے چونکہ وہ قدیم ہے۔(۲)

دوسری صدی ہجری میں عمر بن عبدالعزیز (۳) کی مساعی سے تدوین حدیث کا کام شروع ہوا تو امام المحدثین محمد بن مسلم بن شہاب الزہریؒ (۴) نے جمع احادیث اور تنقیح روایات کے سلسلے میں اصول قواعد ضبط کئے۔ حتیٰ کہ بعض علماء نے انہیں علم مصطلح الحدیث کا موجد قرار دیا ہے۔ صحابہؓ اور تابعینؒ کے دور تک اسناد مختصر اور واضح تھیں۔ لیکن دوسری صدی کے اواخر میں یہ سلسلہ طویل بھی ہو گیا اور اس میں غیر محکم عناصر بھی در آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حدیث کے رواۃ کی معرفت کا مکمل علم اور متن حدیث کی صحیح پہچان ایک مشکل مسئلہ بن گیا۔

اس عہد میں خصوصی ضوابط بنتے گئے اور احادیث کی صحیح حیثیت متعین کرنے کے لئے اصول وضع کرنے کو وسعت دی گئی۔

اصول حدیث وہ علم ہے جس کے ذریعے راوی اور روایت کے حالات معلوم ہوتے ہیں، پھر اس کی روشنی میں حدیث کو قبول کرنے یا رد کرنے کا فیصلہ کیا جاتا ہے، دوسرے لفظوں میں علم اصول حدیث سے مراد ایسے قواعد وضوابط کا جاننا ہے جن کے ذریعے سند ومتن کی معلومات ہوں یا راوی ومروی کے ان احوال کا علم ہو سکے جن کی بنیاد پر حدیث کے مقبول یا مردود ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔(۵)

اس علم سے مقصود بالذات روایت ہے۔ اور راوی کا ذکر روایت کی نسبت سے ہوتا ہے۔(۶) چنانچہ وضع حدیث کے خلاف علماء نے جس مبارک تحریک کا آغاز کیا تھا، اس کے نتیجے میں ایسے قواعد وضوابط تیار کئے گئے، جن کے مطابق حدیث کی اقسام اور اس سے متعلق تمام چیزیں بیان کی گئیں۔ اس طرح اصطلاحات کا فن وجود میں آیا، جس کے ذریعے ہم احادیث اور اخبار کی صحت معلوم کر سکتے ہیں۔ روایت اور خبر کے سلسلے میں جو قواعد اور ضوابط بنائے گئے وہ صحیح ترین قواعد ہیں۔ علماء حدیث نے صحیح وسقم میں تقسیم کے لئے جو قواعد مقرر کئے دوسرے علماء بھی اسی راہ پر گامزن ہو گئے۔ مثلاً تاریخ، فقہ، تفسیر، لغت اور ادب اسی طرح دیگر علوم کے قواعد بھی علماء حدیث کے قواعد کے مرہون منت ہیں۔ چنانچہ قرون اولیٰ میں جو علمی تصانیف مرتب کی گئیں۔ ان میں ہر مسئلہ اور ہر بحث کو اس کی سند کے ساتھ متصل کر کے اس کے قائل کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، جیسا کہ شاگرد اپنے استاد کی تصانیف نسل درنسل سند کے ساتھ متصل کر کے روایت کرتے تھے۔ آج ہم کامل یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ صحیح بخاری کا جو نسخہ ہمارے ہاں دستیاب ہے وہ درست ہے۔ کیونکہ یہ کتاب بسند متصل امام بخاری سے منقول ہوتی چلی آئی ہے۔

علماء حدیث نے علمی بنیاد پر قواعد وضع کرنے کے سلسلے میں اولیت کا شرف حاصل کیا، یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو دیگر اقوام کے علماء کی تصانیف میں نہیں پائی جاتی۔ یہاں تک کہ ان کی کتب مقدسہ میں بھی یہ صفت موجود نہیں ہے۔ چنانچہ بیروت یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے پروفیسر اسد رستم نے تاریخی روایات کے اصول وقواعد پر ایک کتاب مرتب کی ہے جس میں اصطلاحات حدیث سے متعلق قواعد پر اعتماد کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اخبار وروایات

کی چھان بین کے لئے یہ صحیح ترین اور جدید علمی طریقہ ہے۔(۷)

علم اصول حدیث کا موضوع: مقبول و مردود ہونے کے اعتبار سے سند و متن اس کا موضوع ہے۔ راوی اور روایت کو قبول کرنا یا رد کرنا، صحیح، حسن، ضعیف اور حدیث کی اقسام و شروط سے بحث کی جاتی ہے جن کا راوی اور مروی میں پایا جانا ضروری ہے۔(۸) اس کے تحت حسب ذیل اہم مباحث آتے ہیں:

۱۔ حدیث کی نقل کی صورت و کیفیت اور یہ کہ وہ کس کا قول و فعل ہے۔
۲۔ حدیث نقل کرنے کی شرائط اور یہ کہ اس کے حصول کی کیا صورت رہی ہے۔
۳۔ سند و متن کے اعتبار سے حدیث کی اقسام
۴۔ حدیث کی تمام اقسام کے احکام
۵۔ راویان کے احوال کہ وہ لائق اعتبار و اعتماد ہیں یا نہیں
۶۔ راویان حدیث کے حق میں معتبر شرائط
۷۔ حدیث کی تصنیفات
۸۔ جرح و تعدیل کے ضوابط
۹۔ فن حدیث کی اصطلاحات(۹)

مصطلح الحدیث کے فن میں بتایا جاتا ہے کہ کس حدیث میں علت یا اضطراب ہے؟ حدیث کو رد کس لئے کیا جاتا ہے؟ اور دوسری روایات سے شواھد حاصل کرنے کی ضرورت کن احادیث میں ہوتی ہے؟ اور حدیث کے سماع اور اس کے ضبط و تحمل کی کیفیت کیا ہے؟ محدث و طالب حدیث کے کون سے آداب ضروری ہیں؟

یہ قواعد تین صدیوں تک غیر منضبط رہے۔ بعد میں جب دیگر علوم اسلامیہ مدون ہوئے تو ان کو بھی جداگانہ تصانیف میں جگہ دی گئی۔(۱۰)

علم اصول حدیث کے فوائد: ۱۔ صحیح اور غلط میں امتیاز کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ مقبول و مردود کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔
۳۔ لائق عمل اور غیر لائق عمل احادیث میں فرق کیا جا سکتا ہے۔(۱۱)

جن مقاصد و فوائد کے حصول کے لئے اصول حدیث وضع کئے گئے وہی مقاصد و

فوائد سیرت طیبہ میں بھی مطلوب ہیں اس لئے اصول سیرت میں اصول حدیث کو بھی شامل ہونا چاہئے اور اصول حدیث کی روشنی میں روایات سیرت کو بھی پرکھا جانا اور کھوٹا کھرا الگ کیا جانا چاہئے۔

وضع اصول حدیث کی جو دلیل مجوائے قرآنی:

یا ایھاالذین آمنوان اذاجاء کم فاسق بنباءٍ فتبینوا (۱۲)

لوگو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کرلیا کرو۔

پیش کی جاتی ہے وہی دلیل سیرت کے لئے بھی ہے اور لفظ ''خبر'' کا اطلاق جسے محققین نے استعمال کیا ہے حدیث وسیرت دونوں کے لئے یکساں مستعمل ہے۔

حافظ ذہبی (ت ۷۴۸ھ) نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے احوال میں لکھا ہے:

وکان اول من احتاط فی قبول الاخبار۔ (۱۳)

وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قبول اخبار میں احتیاط سے کام لیا۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وھو الذی سن للمحدثین التثبت فی النقل وبما کان یتوقف فی خبر الواحد اذا ارتاب۔ (۱۴)

انہوں نے محدثین کے لئے روایت میں جانچ پڑتال کا طریقہ وضع کیا اور جب انہیں شک ہوتا تو خبر واحد کو قبول کرنے میں توقف سے کام لیتے، حضرت علیؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے امام ذہبی لکھتے ہیں: حضرت ابوہریرہؓ کا یہ قول معروف ہے:

ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذونہ۔ (۱۵)

یہ علم دین ہے آپ غور کریں کہ آپ یہ کس سے حاصل کررہے ہیں۔

یہی قول ابن سیرین سے بھی منقول ہے۔ ان حضرات کی احتیاط صحابہؓ پر کسی عدم اعتماد کا نتیجہ نہیں تھی کیونکہ یہ سب لوگ صحبت رسول ﷺ کے فیض یافتہ تھے۔ یہ احتیاط پسندانہ روش تھی کہ آنحضور ﷺ کی طرف سماع وفہم کی غلطی سے کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے۔ اکثر صحابہ روایت کرتے وقت حضور اکرم ﷺ سے مروی یہ قول پیش نظر رکھتے۔

من كذب علي متعمدا فليتبوا مقعده من النار۔ (۱۶)
جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرتا ہے اسے اپنا
ٹھکانہ دوزخ میں بنالینا چاہیے۔

صحابہ کرامؓ تو آنحضور ﷺ کے بہت قریب تھے۔ چنانچہ تمام صحابہ کرامؓ عادل ہیں۔(۱۷) اور ان کی عدالت پر کسی کو شبہ نہیں، ان کی عظمت اور شرف کے باعث انہیں جرح وتعدیل کا موضوع نہیں بنایا جاسکتا، جہاں تک تابعین کا تعلق ہے، وہ محترم ضرور ہیں، لیکن ان کی روایات کی جانچ پڑتال کی جاسکتی ہے۔ (۱۸)

علم الحدیث جو روایت سے مختص ہے ایسا علم ہے جو نبی ﷺ کے اقوال وافعال، ان کی درایت، ان کو ضبط کرنے اور ان کے الفاظ کو تحریر کرنے پر مشتمل ہے اور علم الحدیث جو درایت سے مختص ہے وہ ایسا علم ہے جس کے ذریعے روایت کی حقیقت، اس کی شرائط، اس کی انواع، اس کے احکام، راویوں کے احوال اور ان کی شرائط، مرویات کی اقسام اور ان کے متعلقات کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ سو روایت کی حقیقت یہ ہے کہ سنت اور اسی کی بات کو نقل کیا جائے اور حدیث وخبر کے ذریعے اس تک پہنچایا جائے جس کی طرف اس کی نسبت ہے۔ اس کی شرائط راوی کی ادائیگی اور ادائیگی کی مختلف انواع مثلاً سماع، عرض اور اجازہ وغیرہ میں سے کس نوع سے روایت کرنا ہے۔ اس کی اقسام اتصال اور انقطاع وغیرہ ہیں اور اس کے احکام قبول ورد ہیں۔ اور راویوں کے حالات سے مراد ان عادل و مجروح ہونا اور تحمل اداء ان کی شرائط اور مرویات کی اقسام یعنی مسانید اور معاجم اور اجزاء وغیرہ کی تصنیفات احادیث وآثار اور اس کے متعلقات وغیرہ۔ اور وہ اہل فن کی اصطلاح کی معرفت ہے۔ شیخ عزالدین بن جماعہؒ نے کہا: علم الحدیث ان قوانین کا علم ہے۔ جن کے ذریعے سند اور متن کے احوال کی معرفت حاصل ہو اور اس کا موضوع سند اور متن ہے اور اس کی غرض و غایت صحیح اور غیر صحیح کی معرفت ہے۔ شیخ الاسلام ابوالفضل ابن حجرؒ نے کہا کہ سب سے بہتر تعریف یہ ہے کہا جائے کہ ان قواعد کی معرفت جو راوی اور مروی کے احوال کا پتہ دیں تم چاہو تو ''معرفت'' کے لفظ کو حذف کرسکتے ہو۔ کرمانیؒ نے شرح بخاری میں کہا: جاننا چاہیے کہ علم الحدیث کا موضوع رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے بدیں حیثیت کہ وہ اللہ کے رسول

ہیں۔ اور اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ علم ہے، جس کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے احوال و افعال کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ تعریف باوجود یکہ علم الاستنباط کو شامل ہے کسی اور سے منقول نہیں اور یاد رہے کہ، علم حدیث کا موضوع ذات رسول اللہ ہے۔(۱۹)

سیرت کا اصول حدیث سے تعلق: سیرت اور حدیث دونوں کا مصدر آپ ﷺ کی ذات ہے، دونوں اصناف کا مقصد آپ ﷺ کی تعلیمات کو صحیح حالت میں امت تک پہنچانا ہے، حدیث کے لئے جو اصول ہیں وہی سیرت کے لئے ہونے چاہئے، لیکن عجیب بات ہے حدیث کے حوالہ سے تو بہت کام ہوا، لیکن اصول سیرت پر توجہ نہیں دی گئی، ممکن ہے اصول حدیث ہی کو اصول سیرت تسلیم کیا جاتا ہو اس لئے جدا حیثیت میں ضوابط سیرت الگ لکھنے کا خیال کسی کو نہ آیا ہو۔

حدیث کا اصول حدیث سے جتنا قریبی و گہرا تعلق ہے، اتنا ہی سیرت کا اصول حدیث سے تعلق ہے۔ اس لئے میں نے سیرت نگاری کے اصولوں میں سے ایک اصول اصول حدیث کو قرار دیا ہے تاکہ سیرت نگاری اصول حدیث کی روشنی میں کی جائے اور زیادہ سے زیادہ مستند روایات سے سیرت نکھر کر لوگوں کے سامنے آئے۔

روایات سیرت کو قبول کرنے کے اصول: روایات سیرت کو پرکھنے اور قبول کرنے کے وہی اصول ہیں جو حدیث کے لئے مرتب کئے گئے ہیں۔ مولانا ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

> محدثین نے جرح و تعدیل کے جو قواعد مقرر کئے اور صحیح و سقیم کے پہچاننے کا جو معیار قائم کیا وہ بلا کسی تفریق اور تخصیص کے سب جگہ ملحوظ رکھا گیا اور تمام حدیثیں خواہ احکام سے متعلق ہوں یا مغازی اور مناقب سے سب اسی معیار سے جانچی گئیں۔ البتہ جن حدیثوں پر دین کا دارومدار تھا جیسے عقائد اور حلال و حرام محدثین نے اُن کے قبول کرنے میں زیادہ تشدد سے کام لیا اور جن حدیثوں پر دین کا دارومدار نہ تھا۔ جیسے فضائل اور مناقب وہاں کسی قدر وسعت اور سہولت سے کام لیا گیا اس لئے کہ وہاں کوئی عمل مقصود نہیں محض علم

مقصود ہے۔ اس لئے ایسے مقام پر توسیع ہی مناسب ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ سے مروی ہے۔

اذار وینافی الحلال و الحرام تشدد ناواذا روینا فی الفضائل تساھلنا۔

جب ہم حلال وحرام کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو تشدد کرتے ہیں اور جب فضائل ومناقب کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو نرمی کرتے ہیں۔

۱۔ الحاصل صحت اور ضعف کا جو معیار اور جو ضابطہ احادیث احکام میں ہے وہی مغازی اور سیر میں ہے۔ اسی ضابطہ سے سب احادیث کو جانچا جاتا ہے، اور اسی کے مطابق بلاتفریق صحیح اور ضعیف کا حکم لگایا جاتا ہے۔

۲۔ جن محدثین نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام کیا، انہوں نے ہر قسم کی حدیثوں کو خواہ احکام کی ہوں یا مغازی اور مناقب کی، سب کو صحیح طور پر جمع کیا جیسے صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور صحیح ابن خزیمہ اور منتقی ابن جارود اور صحیح ابن حبان، ان کتابوں میں سیرت اور مناقب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے اور سب صحیح ہے۔

۳۔ اور جن محدثین نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام نہیں کیا اُن کا مقصد یہ تھا کہ حدیث کا ذخیرہ جمع ہو جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بھی منقول ہوا ہے وہ سب ایک بار محفوظ ہو جائے بعد میں اس کی تنقیح کر لی جائے گی، اس لئے کہ جب سند موجود ہے تو پھر اُس کو جرح وتعدیل کی کسوٹی پر، پرکھنا کیا مشکل ہے۔ الغرض ان حضرات نے حدیث کے جمع کرنے کا پورا اہتمام کیا اور اس کی کوشش کی کہ کوئی حدیث جمع ہونے سے رہ نہ جائے۔

۳۔ حضرات محدیث نے جہاں ایک طرف جرح وتعدیل کے اصول مقرر فرمائے تا کہ کوئی غلط بات ذات نبوی ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو جائے کذب علی النبی اگرچہ عمداً نہ ہو تب بھی کذب اور خطا ضرور ہے۔

۴۔ اسی طرح محدثین نے دوسری طرف یہ احتیاط کی کہ جو روایت اُن کو ملی بلاکم و

کا ست سند کے ساتھ اُس کو درج کتاب کر دیا تا کہ ذات نبوی ﷺ کے متعلق کوئی علم مخفی نہ رہ جائے اور کوئی کلمہ جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہو وہ گم نہ ہونے پائے اور یہ سند اگر چہ مستند نہ ہو لیکن ممکن ہے کہ یہ روایت کسی دوسری سند سے منقول ہو جائے تو تعدد سند اور اختلاف طرق کو دیکھ کر آئندہ کے اہل علم اس کا خود فیصلہ کر لیں گے کہ یہ روایت کس درجہ مستند ہے۔ بہت سی صحیح رُوایتیں متعدد طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے حد تواتر اور شہرت کو پہنچ گئیں۔

۵۔ لہٰذا جن محدثین نے رطب ویابس روایات کو جمع کیا وہ بے احتیاطی نہیں بلکہ:

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً۔

یعنی مجھ سے جو سنو وہ پہونچاؤ اگر چہ وہ ایک آیت اور ایک کلمہ ہی ہو کے اعتبار سے غایت درجہ کی احتیاط ہے۔

۶۔ نیز بسا اوقات ضعیف رواتیوں میں کوئی لفظ ایسا نکل آتا ہے جس سے صحیح حدیث کی مراد واضح ہو جاتی ہے اور حدیث صحیح میں جو متعدد معانی کا احتمال تھا۔ وہ اس لفظ کی زیادتی سے زائل ہو جاتا ہے اور مراد نبوی ﷺ متعین ہو جاتی ہے۔ پھر یہ کہ حضرات محدثین نے اُن روایات کے درج کتاب کرنے میں اپنی عقل اور درایت کو دخل نہیں دیا اگر متعارض روایتیں ملیں تو اسی تعارض کے ساتھ اُن کو درج فرما دیا۔ اس لئے کہ بسا اوقات ظاہر نظر میں دو آیتیں یا دو روایتیں متعارض معلوم ہوتی ہیں، مگر جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ دی وہ اُس کی نظر میں تعارض نہیں ہوتا، وہ اُن دونوں رواتیوں کو خدا داد نور فہم اور فراست سے علیحدہ علیحدہ دیکھتا ہے، بلکہ وہی شخص جو ایک زمانہ تک ان دونوں رواتیوں کو متعارض سمجھتا تھا اس کے قلب پر من جانب اللہ کسی نور کا پرتو پڑتا ہے تو اسی وقت آنکھیں کھل جاتی ہیں اور دونوں رواتیوں کا فرق نظر آ جاتا ہے اور سمجھ میں آ جاتا ہے کہ یہ تمام اختلافات اور تعارض میرے فہم میں تھا۔ حدیثوں میں کوئی تعارض اور اختلاف نہ تھا۔

۷۔ محدثین کو غزوات اور سرایا کے اسباب وعلل کے متعلق اگر کوئی روایت ملی تو اس کو بھی ضرور لے لیا، مگر اپنی رائے اور قیاس کو اس میں داخل نہیں کیا تا کہ روایت کے ساتھ رائے مخلوط نہ ہو جائے۔ اگر خدانخواستہ یہ حضرات بھی یورپین مورخوں کی طرح اسباب وعلل

سے بحث کرتے تو وہ روایت، روایت نہ رہتی بلکہ اُن کی خیالی اور قیاسی تحقیقوں کا مجموعہ ہو جاتا۔ علماء متاخرین نے اس جمع شدہ ذخیرہ کی تحقیق اور تنقیح کر کے یہ بتلا دیا کہ فلاں روایت صحیح ہے اور فلاں موضوع۔

۸۔ جو شخص عیون الاثر اور زاد المعاد اور زرقانی شرح مواہب کا مطالعہ کرے گا۔ اُس کو بخوبی یہ معلوم ہو جائے گا کہ محدثین نے اپنی تحقیق اور تنقیح کو سب جگہ یکساں طور پر جاری رکھا۔ اپنی تحقیق اور تنقیح کو احادیث احکام کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔(۲۰)

لہٰذا ہمیں بھی اصول حدیث کو اصول سیرت سمجھ کر سیرت نگاری کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔

علامہ شبلی نعمانی نے قبول روایت کے لئے اختصار کے ساتھ ۱۲/ اصول بیان کئے ہیں (جن میں سے کچھ یقیناً قابل تحقیق ہیں) ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ جو روایت عقل کے مخالف ہو۔

۲۔ جو روایت اصول مسلمہ کے خلاف ہو۔

۳۔ محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو۔

۴۔ قرآن کریم یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو، اور اس میں تاویل کی کچھ گنجائش نہ ہو۔

۵۔ جس حدیث میں معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو۔

۶۔ معمولی کام پر بہت بڑے انعام کا وعدہ ہو۔

۷۔ وہ روایت رکیک المعنیٰ ہو، مثلاً کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ۔

۸۔ جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہیں کی، اور یہ راوی اس شخص سے نہ ملا ہو۔

۹۔ جو روایت ایسی ہو کہ تمام لوگوں کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو، بااین ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اُس کی روایت نہ کی ہو۔

۱۰۔ جس روایت میں ایسا قابل اعتنا واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سینکڑوں آدمی اُس کو روایت کرتے باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی ہو۔

ملا علی قاری نے جو موضوعات کے خاتمہ میں حدیثوں کے نامعتبر ہونے کے چند اصول تفصیل سے لکھے ہیں اور اُن کی مثالیں نقل کی ہیں، ہم اس کا خلاصہ اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

۱۔ جس حدیث میں فضول باتیں ہوں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نہیں نکل سکتیں، مثلاً یہ کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے، خدا اس کلمہ سے ایک پرندہ پیدا کرتا ہے جس کے ستر زبانیں ہوتی ہیں، ہر زبان میں ستر ہزار لغت ہوتے ہیں۔

۲۔ وہ حدیث جو مشاہدہ کے خلاف ہو، مثلاً یہ حدیث کہ بینگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے۔

۳۔ وہ حدیث جو صریح حدیثوں کے مخالف ہو۔

۴۔ جو حدیث واقع کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ دھوپ میں رکھے ہوئے پانی سے غسل نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ وہ حدیث جو انبیاء علیہم السلام کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو، مثلاً یہ حدیث کہ تین چیزیں نظر کو ترقی دیتی ہیں، سبزہ زار، آبِ رواں، خوبصورت چہرہ کا دیکھنا۔

۶۔ وہ حدیثیں جن میں آئندہ واقعات کی پیشین گوئی بقید تاریخ مذکور ہوتی ہے، مثلاً یہ کہ ''فلاں سنہ اور فلاں تاریخ میں یہ واقعہ پیش آئے گا۔''

۷۔ وہ حدیثیں جو طبیبوں کے کلام سے مشابہ ہیں، مثلاً یہ کہ ''ہریسہ کے کھانے سے قوت آتی ہے، یا یہ کہ مسلمان شیریں ہوتا ہے اور شیرینی پسند کرتا ہے۔''

۸۔ وہ حدیث جس کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہوں، مثلاً عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز کا تھا۔''

۹۔ وہ حدیث جو صریح قرآن کے خلاف ہو، مثلاً ''دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے''۔ کیونکہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو ہر شخص بتا دے گا کہ قیامت کے آنے میں اس قدر دیر ہے، حالانکہ قرآن سے ثابت ہے کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہیں۔

۱۰۔ وہ حدیثیں جو خضر علیہ السلام کے متعلق ہیں۔

۱۱۔ جس حدیث کے الفاظ رکیک ہوں۔

۱۲۔ وہ حدیثیں جو قرآن مجید کی الگ الگ سورتوں کے فضائل میں وارد ہیں۔ حالانکہ

یہ حدیثیں تفسیر بیضاوی اور کشاف وغیرہ میں منقول ہیں۔

ان اصول سے محدثین نے اکثر جگہ کام لیا اور اُن کی بناء پر بہت سی روایتیں رد کر دیں، مثلاً ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کو جزیہ سے معاف کر دیا تھا اور معافی کی دستاویز لکھوادی تھی۔ ملا علی قاری اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ روایت مختلف وجوہ سے باطل ہے۔

۱۔ اس معاہدہ پر سعد بن معاذؓ کی گواہی بیان کی جاتی ہے حالانکہ وہ غزوۂ خندق میں وفات پا چکے تھے۔

۲۔ دستاویز میں کاتب کا نام معاویہ ہے حالانکہ وہ فتح مکہ میں اسلام لائے۔

۳۔ اس وقت تک جزیہ کا حکم ہی نہیں آیا تھا۔ جزیہ کا حکم قرآن مجید میں جنگ تبوک کے بعد نازل ہوا ہے۔

۴۔ دستاویز میں تحریر ہے کہ یہودیوں سے بیگار نہیں لی جائے گی، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بیگار کا رواج ہی نہ تھا۔

۵۔ خیبر والوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی تھی، اُن سے جزیہ کیوں معاف کیا جاتا۔

۶۔ عرب کے دور دراز حصوں میں جب جزیہ معاف نہیں ہوا، حالانکہ ان لوگوں نے چنداں مخالفت اور دشمنی نہیں کی تھی، تو خیبر والے کیونکر معاف ہو سکتے تھے۔

۷۔ اگر جزیہ ان کو معاف کر دیا گیا ہوتا تو یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اسلام کے خیر خواہ اور دوست اور واجب الرعایۃ ہیں، حالانکہ چند روز کے بعد خارج البلد کر دیے گئے۔(۲۱)

شبلی نعمانی کی متعدد شرائط متنازعہ ہیں، جس میں بالخصوص عقل اور درایت کا مفہوم مولانا عبدالرؤف داناپوری نے تفصیلی تعاقب کیا ہے۔ لیکن میں یہاں مختصراً صرف عقل پر نقطہ نظر پیش کر رہا ہے۔

عقل ایک نعمت ہے۔ اور بلاشبہ کسی چیز کے حق یا ناحق ہونے کا ثبوت براہین و دلائل ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ مگر عقلیں متفاوت نہ ہوتیں تو عقلا کے اندر اختلافات ہی کیوں ہوتے۔ تم غور کرو گے تو دنیا کا ہر کندۂ ناتراش اپنی عقل کو سارے جہاں سے بڑھ کر جانتا ہے۔ ایک احمق بھی ایک بڑے فلسفی کے خلاف آوازے کستا ہے۔

جن لوگوں نے عقلی تحقیقات میں عمریں صرف کر دیں۔ وہ بھی کسی ایک عقلی بحث پر متفق نہ ہو سکے، فیثا غورس نے ایک زمانہ میں پرزور تقریر اور قوت استدلال سے تمام دنیا کو نظام شمسی کے قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن اُس کے بعد جب بطلیموس کی باری آئی، تو اس نے فیثا غورس کے تمام نظام کو اُلٹ کر رکھ دیا اور ساری دنیا سے اپنی بات منوالی۔ اب یورپ نے بطلیموس کے تمام تحقیقات کو باطل ثابت کر دیا۔ اور وہی فیثا غورس کے فرسودہ نظام کو حق سمجھ کر قبول کیا۔

اخلاقیات کا بھی یہی حال ہے۔ ہندوستان کے بت پرستوں کی اتنی بڑی قوم یہ پسند نہیں کرتی کہ جس عورت و مرد میں خون کا کچھ بھی لگاؤ ہو۔ اُن میں ازدواج کا تعلق اور شادی بیاہ ہو اس کے برعکس آتش پرست پارسی ہیں۔ جو عقل میں کسی طرح اِن بت پرستوں سے کم نہیں کہی جاسکتے، وہ اپنے خاص عزیزوں اور حقیقی بہن سے بھی زن و شوئی کے تعلقات میں برائی نہیں سمجھتے۔ یورپ جس نے عقلی ترقی کے دعووں سے آج آسمان و زمین ایک کر دیا ہے اور وہ ہر قسم کے اخلاقی قید سے بھی نجات حاصل کر کے آزادی میں حیوانیت سے بھی بڑھے جا رہے ہیں۔ وہ تو بیاہ و شادی کے قید ہی کو اُٹھا دینا چاہتے ہیں تاکہ عورت و مرد بلا قید جس کا جس سے دل چاہے مل سکیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا تم اسلام کو ان میں سے کسی ایک کی عقل کے موافق بنا دینا چاہتے ہو۔ یا خود اسلام کی تعلیم کو سمجھنا چاہتے ہو۔ اسلام کو سمجھنے کے لئے عقل سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے اس کی تحقیق کی جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا تعلیم دی اور اسلام نے کیا بتایا۔ اور یہ محض نقلی بحث ہے اپنی رائے ملا دینے سے وہ خاص رسول اللہ ﷺ کی تعلیم باقی نہ رہے گی۔ ہاں اس کے بعد اگر خدا نے عقل و فہم عطا فرمایا ہے۔ تو غور کر سکتے ہو کہ دلائل و براہین عقلی اسلامی تعلیم کے موافق ہیں۔ اُن گم کردہ راہ کفار کو موافق ہیں۔ قرآن کریم نے ہر جگہ کفار کو مخاطب کیا ہے اور یہی کہا ہے کہ تم پہلے میری تعلیم سن لو۔ پھر مظاہر قدرت پر تدبر اور تفکر کی نگاہ ڈالو۔ خداداد عقل سے کام لو۔ تو اسی تعلیم کو حق پاؤ گے۔ اور تمہاری عقلیں بھی انہیں باتوں کے حق ہونے کی ہدایت کریں گی۔ مگر غلطی یہ ہے کہ ہمارے نوجوان پہلے بطور خود کسی بات کے اچھی یا بری ہونے کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔ اور اس کو عقل کے موافق سمجھتے ہیں تو اس کو اسلام یا رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی منسوب کر دیتے ہیں یا اُنہوں نے کسی فلسفی کا

قول سنا۔ یا ڈارون کی تھیوری اُن کے کان میں پڑی اور پسند آ گئی، تو کہہ دیا کہ یہی اسلام کی تعلیم بھی ہے۔ یہ دین میں تحریف ہے۔ انبیاء متقدمین کی تعلیم میں جو تحریف ہوئی وہ بھی اسی طرح ہے، اور مسلمانوں میں جس قدر بدعات۔ مکروہات اور خرافات رائج ہو گئی ہیں اس کا بھی زیادہ حصہ اسی طرح آیا ہے۔(۲۲)

اصول حدیث پر تصانیف: اصول حدیث پر کئی سو کتب لکھی گئی ہیں، جن کی تفصیل ابن حجر اور حاجی خلیفہ نے فراہم کی ہیں، ان تفصیلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر خالد علوی اور ڈاکٹر عبدالرؤف صاحب نے نئی فہرست تیار کی ہے۔ جس میں سے استفادہ کرتے ہوئے مختصراً کچھ اہم کتابوں کی فہرست دے رہا ہوں۔ مصنف الرامہر مزی (م ۳۶۵) کی ہے۔

۱۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی کے مولف قاضی ابو محمد الرامہر مزی م ۳۶۰ھ ہیں۔ علامہ ذہبی کے بقول یہ بہت اچھی کتاب ہے۔ حافظ ابن حجر کی رائے میں یہ کتاب نا تمام تھی۔(۲۳) مشہور محقق عجاج الخطیب کی تحقیق کاوش سے بیروت سے ۱۹۷۱ء میں چھپی۔

۲۔ معرفۃ علوم الحدیث ابوعبداللہ الحاکم النیسابوری م ۴۰۵ھ کی تالیف ہے حافظ ابن حجر کے بقول یہ کتاب غیر منقح اور بے ترتیب تھی لیکن اس کے باوجود یہ کتاب اہل علم کے حلقوں میں مقبول رہی۔ اب بھی اسے ایک بنیادی ماخذ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ سید معظم حسین کی تحقیق سے ۱۹۳۷ء میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔ بیروت سے آفسٹ پر دوبارہ شائع ہوئی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

۳۔ المستخرج کے مولف ابونعیم الاصفہانی م ۴۳۹ھ ہیں۔ جو مسائل حاکم سے رہ گئے تھے، ابونعیم نے اپنی اس کتاب میں انہیں سمونے کی کوشش کی جو ابن حجرؒ کے بقول نا تمام ہے۔(۲۴) کتاب کا ایک مخطوطہ مکتبہ بریلی میں موجود ہے۔

۴۔ الکفایۃ فی معرفۃ علم الروایۃ کے مولف الحافظ ابوبکر احمد علی الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ ہیں۔ الکفایۃ اہل علم کے ہاں مقبول و متداول رہی۔ ۱۳۵۷ھ میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی۔

۵۔ الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع خطیب بغدادی کی اصول

حدیث پر یہ دوسری کتاب ہے۔ محمود الطحان کی تحقیق کے ساتھ الریاض سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہوگئی ہے۔

۶۔ الالماع الی معرفة اصول الروایة وتقیید السما قاضی عیاض الیحصبی م ۵۴۴ھ کی اس فن پر مفید کتاب ہے۔ استاذ سید احمد صقر کی تحقیق سے قاہرہ سے شائع ہوئی ہے۔ تیونس سے بھی چھپ چکی ہے۔

۷۔ مالا یسمع المحدث جهله کے مولف ابو حفص المیانجی م ۵۸۱ھ ہیں۔ صبحی السامرائی کی تحقیق سے ۱۳۸۷ھ میں بغداد سے شائع ہوگئی ہے۔

۸۔ کتاب علوم الحدیث (المعروف مقدمة ابن الصلاح) ابوعمرو عثمان بن الصلاح الشہر زوری م ۶۴۳ھ کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس کتاب کے مصر اور ہندوستان سے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

۹۔ التقیید و الایضاح لما اطلق وأغلق من کتاب ابن الصلاح کے مولف الحافظ زین الدین عبدالرحیم العراقی م ۸۵۲ھ ہیں۔ یہ کتاب مقدمۃ ابن الصلاح کی تشریح و تعبیر پر مبنی ہے۔ پہلے حلب میں چھپی اور پھر مصر میں المکتبۃ السافیہ مدینہ منورہ کے ذریعہ اشاعت پذیر ہوئی۔

۱۰۔ النکت علی ابن الصلاح حافظ ابن حجرؒ العسقلانی م ۸۵۲ھ و بصیع بن ہادی عمیر کی تحقیق کے ساتھ دو جلدوں میں مدینہ منورہ سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی۔

۱۱۔ محاسن الاصطلاح فی تضمین کتاب ابن الصلاح الحافظ البلقینی م ۸۰۵ھ تالیف ہے۔ یہ کتاب دارالکتب المصریہ قاہرہ سے چھپ گئی ہے۔

۱۲۔ اتقریب و التیسیر الی حدیث البشیر النذیر تالیف امام النووی انہوں نے الاشاد کو مزید مختصر کر کے ''تقریب'' مرتب کی۔ یہ کتاب متعدد بار چھپ چکی ہے۔ مکتبہ خاور لاہور سے بھی ۱۹۷۸ء میں چھپی۔

۱۳۔ المنهل الروی فی الحدیث النبوی بدر الدین ابن جماعه م ۷۳۳ھ نے اپنی اس کتاب میں مقدمۃ ابن الصلاح کے اختصار کے ساتھ کچھ اہم اضافے بھی کئے۔ محی الدین عبدالرحمٰن رمضان کی تحقیق کے ساتھ دمشق سے ۱۹۷۵ء اور ۱۹۸۶ء میں چھپ چکی ہے۔

۱۴۔ الخلاصة فی معرفة اصول الحدیث مؤلفه الطیبی م ۷۴۳ھ صبحی سامرائی کی تحقیق سے ۱۹۷۱ء میں بغداد سے شائع ہوئی۔

۱۵۔ نظم الدررفی علم الاثر حافظ عبدالرحیم العراقی م۸۰۵ھ نے مقدمۃ ابن الصلاح کو نظم کیا۔ شیخ محمد حامد الفقی کی عمدہ تحقیق کے ساتھ مصر سے شائع ہوئی۔

فتح المغیث حافظ العراقی ہی نے اس منظوم کی دو شرحیں لکھیں ایک طویل دوسری مختصر، مصر سے طبع ہو چکی ہے۔

۱۶۔ فتح المغیث فی شرح الفیة الحدیث الحافظ السخاوی م۹۰۲ھ یہ کتاب سب سے پہلے ہندوستان میں اعظم گڑھ سے طبع ہوئی، مدینہ منورہ کے مکتبہ السلفیہ کے زیر اہتمام مصر میں چھپی۔ کتب مصطلح الحدیث میں یہ کتاب وسیع تر معلومات کی حامل ہے۔

۱۷۔ قطر الدرر جلال الدین السیوطی م۹۱۱ھ الفیہ کی اچھی شرح ہے۔ شیخ احمد محمد شاکر کی تحقیق سے مصر میں شائع ہو چکی ہے۔

۱۸۔ فتح الباقی فی شرح الفیة العراقی کے مولف زکریا الانصاری م۹۲۸ھ ہیں۔ مصر اور فاس سے چھپ چکی ہے۔

۱۹۔ الفیة لجلال الدین السیوطی م ۹۱۱ھ انہوں نے مصطلح الحدیث پر مستقل منظوم تصنیف الفیہ کے نام سے بھی مرتب کی۔ محمد محی الدین عبدالحمید کی تحقیق سے قاہرہ سے ۱۳۳۲ھ میں شائع ہوئی۔

۲۰۔ تقریب الراوی بھی امام سیوطی کی تالیف ہے۔ یہ امام النووی کی تقریب کی شرح ہے، پہلے مصر سے چھپی پھر اسے مدینہ منورہ کے المکتبۃ العلمیہ نے عمدہ طریق پر شائع کیا۔

۲۱۔ منهج ذوی النظرفی شرح منظومة الاثر محمد بن محفوظ الترمسی م ۹۲۸ھ کی تالیف ہے۔ یہ علامہ السیوطی کے الفیہ کی شرح ہے۔ اور مصر سے ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی۔

۲۲۔ علوم الحدیث المعروف مقدمه ابن الصلاح، یہ ابوعمرو عثمان بن الصلاح الشہر زوری (۵۷۷۔۶۴۳/ ۱۱۸۱۔۱۲۴۵م) کی کتاب ہے۔ (۲۵) اس کتاب کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ حافظ ابن حجر مقدمہ ابن الصلاح کے متعلق فرماتے ہیں۔ ابن الصلاح جب مدرسہ اشرفیہ میں منصب تدریس حدیث پر فائز کیے گئے تو انہوں نے معروف کتاب

"مقدمہ" تالیف کر کے اس میں فنون حدیث کی اچھی تنقیح کی۔لیکن چونکہ یہ کتاب حسب ضرورت وقتاً فوقتاً لکھی گئی تھی۔اس لئے اس کی ترتیب مناسب انداز پر نہ ہوسکی۔تاہم ابن الصلاح نے چونکہ خطیب وغیرہ کی تصانیف میں جو متفرق مضامین تھے ان کو مجتمع کر کے اس کتاب میں اضافہ کر دیا اس لئے یہ کتاب جامع المتفرقات سمجھی جاتی ہے، علوم حدیث کی تمام انواع واقسام اس میں آ گئی ہیں۔بعض اہل علم نے اس کو نظم میں لکھا بعض نے اس کا اختصار لکھا بعض نے اس میں اضافے کئے اور بعض نے اس پر اعتراضات کئے، تو بعض نے جوابات لکھے۔(۲۶) اس کے بعد ایسی کئی کتب تالیف کی گئی جو کسی نہ کسی اعتبار سے "مقدمہ ابن الصلاح" کے زیر اثر لکھی گئیں، ان کا ذکر ہوگا۔ابن الصلاح نے علوم الحدیث کی ۶۵ انواع کو ذکر کیا ہے۔ان میں زیادہ معروف درج ذیل ہیں۔

صحيح، حسن، ضعيف، مسند، معضل، مرفوع، موقوف، مقطوع، مرسل، منقطع، متصل، معنعن، معلق، تدليس، شاذ، منكر، الاعتبار، المتابعات، الشواهد، زيادات الثقات، مفرد، معلل، مضطرب، مدرج، موضوع، مقولب، كيفيت سماع، انواع اجازة، كتابة الحديث، كيفيت رواية، الحديث، معرفت آداب المحدث، آداب انطالب، عالى، نازل، مشهور، غريب، عزيز، غريب الحديث، الاسماء والكنى، القاب المحدثين، المؤتلف و المختلف، المبهمات، معرفة الثقات، الضعفاء اور معرفة اوطان الراوة.

۲۳۔ ارشاد طلاب الحقائق الى معرفه سنن خير الخلائق اس کے مولف مشہور محدث امام محی الدین ابوزکریا یحیی بن شرف نووی ۶۳۱۔۶۷۶ھ/۱۲۳۳۔۱۲۷۷ء (۲۷) ہیں۔اس کے مخطوطات مکتبہ سلیمانیہ اور مکتبہ الظاہریہ (دمشق) میں موجود ہیں۔یہ

کتاب ابن الصلاح کی کتاب ابن الصلاح کی کتاب علوم الحدیث کا اختصار ہے اور اس میں نووی کے اضافے ہیں۔ مقدمہ میں النووی نے لکھا ہے۔

قصدت اختصار هذا الكتاب و رجوت ان يكون هذا المختصر، احياء لذكره وطريقا الى حفظه زيادة الانتفاع به ونشره و ابالغ انشاء الله تعالىٰ فى ايضاحه باسهل العبارات۔

اس کتاب میں امام نووی نے علوم الحدیث کی ۶۵ انواع ذکر کی ہیں جو ابن الصلاح نے لکھی ہیں، صرف ان میں آسانی پیدا کی ہے ترتیب میں قدرے ردوبدل کی ہے۔ لیکن اصل اقسام اسی طرح ہیں تشریح کرنے کے لئے ایسا کیا۔

۲۴۔ التقريب والتيسير لمعرفه سنن البشير والنذير اس کتاب کے مولف بھی امام نووی م ۶۷۶ھ ہیں (۲۸) یہ مندرجہ بالا کتاب کا خلاصہ ہے جیسا کہ نووی نے خود ذکر کیا ہے:

هذا الكتاب اختصرته من كتاب الارشاد الذى اختصر ته من علوم الحدث للشيخ الامام الحافظ المتقن ابى عمرو عثمان بن عبدالرحمن المعروف ابن الصلاح۔

اس کتاب میں بھی علوم الحدیث کی ۶۵ انواع ہی ذکر کی گئی ہیں۔ لیکن یہ تمام نہایت مختصر ہیں۔

۲۵۔ الخلاصه فى اصول الحديث: مولف: ابوعبداللہ شرف الدین الحسین بن عبداللہ بن محمد الطیبی م ۷۴۳ھ۔ الخلاصہ کو الطیبی نے چار محدثین کی کتب سے استفادہ کرکے ترتیب دیا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے مقدمہ میں لکھا ہے:

فهذه جمل فى معرفة الحديث مما لا بدمنه لطالب لا سيما من تصدى للتحديث، لخصته من كتاب الامام مفتى الشام شيخ الاسلام ابن الصلاح و مختصر الامام

المنقن محی الدین النووی و القاضی بدر الدین یعرف بابن جماعة رضی اللّٰہ عنھم، فھذبته تھذیباً، ونقحته تنقیحا، ورصفته ترصیفا انیقاً ...... واضفت الی ذلک ذیادت مھمة من جامع الاصول وغیرہ الخ۔

اس کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں بہت اہم باتیں ہیں پھر چار باب ہیں اور آخر میں ایک مقدمہ ہے ان تمام کی الگ الگ تفصیل ہے۔ مقدمہ میں علم حدیث کی فضیلت، اصطلاحات حدیث، متن، سند، متواتر، اور احاد وغیرہ کو زیر بحث لائے ہیں باب اول میں حدیث صحیح کی تعریف اور اس کے اوصاف کو مفصل بیان کیا ہے اس میں حسن، ضعیف، متصل، مرفوع، معنعن، معلق، شاذ اور منکر وغیرہ ہیں دوسرا باب اوصاف رواۃ پر ہے۔ تیسرا باب تحمل حدیث، طرق، نقل اور ضبط سے متعلق ہے۔ چوتھا باب اسماء الرجال اور طبقات علماء سے متعلق ہے۔ خاتمہ میں آداب شیخ و طالب وحدیث کا بیان ہے۔

۲۶۔ **الموقظه فی علم مصطلح الحدیث** اس کتاب کے مولف، ابوعبداللہ شمس الدین محمد ابن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ ہیں۔ محقق ابوغدہ کے بقول یہ کتاب دراصل "الاقتراح" کا خلاصہ ہے المقطوع کو مؤلف بھول گئے حالانکہ "اقتراح" میں موجود ہے اور بھی بعض چیزوں کا ذکر نہیں کیا جو کہ "اقتراح" میں ہیں، شاید اختصار کی وجہ سے ایسا کیا ہو اس کتاب میں بعض بڑے علمی نکات ہیں۔

۲۷۔ **نخبة الفکر و شرحھا نزھة النظر** کے مولف ابن حجر العسقلانی م ۸۵۲ھ یہ کتاب مصر اور پاک و ہند سے متعدد بار چھپ چکی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ سے پہلے اصول حدیث کی کتابوں پر ابن الصلاح کے افکار و انداز کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ اور اسی کتاب کو نظم کیا جاتا رہا اور اسی کی تشریح و تعبیر کے مظاہر دکھائی دیتے ہیں۔ ابن حجر کی تصنیف کے بعد کا دور "شرح نخبۃ الفکر" کا دور کہا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب اہل علم کے درمیان بڑی مقبول ہوئی اور داخل نصاب ہوئی علماء نے اس کی شرحیں اور حواشی لکھے۔

۲۸۔ **اختصار علوم الحدیث** مولف: عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر المعروف ابن کثیر م ۷۷۴ھ/۱۳۷۲ء یہ بھی بعض مفید اضافوں کے ساتھ مقدمہ ابن الصلاح کا

خلاصہ ہے۔ ابن کثیر کی کتاب کی شرح احمد محمد شاکر نے الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث کے نام لکھی جو نہایت ہی اعلیٰ علمی شہ پارہ ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے مقدمہ ابن الصلاح کا خلاصہ بعض اضافوں کے ساتھ لکھا ہے فرماتے ہیں:

وکان الکتاب الذی اعتنی بتھذیبه الشیخ الامام العلامة، ابو عمرو بن الصلاح تغمده الله برحمته من مشاھیر المصنفات فی ذلک بین الطلبة لھذا الشان وربماعنی بحفظه بعض المھرة من الشبان، سلکت وراءه ، واحتذیت حتذائه واختصرت مابسطه، ونظمت مافرطه۔

اس میں کل ۶۵ انواع ابن الصلاح کی طرح اختصار سے ذکر کی گئی ہیں۔

۲۹۔ **توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار محمد بن اسماعیل الامیر الحسنی صنعانی** م ۱۱۸۲ھ نے اس کے مقدمہ میں لکھا ہے جو عالم اس کتاب کو پڑھے گا اس کو معلوم ہوگا:

ان ھذا الکتاب توضیح الافکر العظیمه التی اشتمل علیھما۔

کتاب "تنقیح الانظار" انہوں نے صاحب توضیح الافکار کے متعلق لکھا ہے:

وکان مع ذلک کله رجلا حرالرای، یوافق المصنف ما وافق الحق فی نظرہ ویخالفه ما انحرف عما یعتقده صوابا و یبین مافی عبارة المئولف من قصور عن تادیه المعنی الذی یحوم حوله

اس کا ذکر پہلے تنقیح الانظار کے ساتھ ہو چکا ہے۔ اس کا یہاں اس لئے دوبارہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اس مؤلف کا ذکر ترتیب کے لحاظ سے یہاں ہونا چاہئے۔

۳۰۔ قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث مولف: محمد جمال الدین قاسمی (۱۲۸۳ھ ۔ ۱۳۳۲ھ/ ۱۸۶۶ء ۔ ۱۹۱۴ء م) اصول حدیث کی بہت اچھی کتاب ہے۔ جدید ترتیب سے نہایت مناسب عنادین دیکر اس کو لکھا گیا ہے۔ پچھلی تمام کتب کو سامنے رکھ کر اس کی تکمیل کی گئی ہے۔ اس کتاب میں علم اور علم حدیث کی فضیلت، حدیث، خبر، اثر، حدیث قدسی، صحابہ میں زیادہ حدیث بیان کرنے والے علوم حدیث کی تمام اقسام، حدیث کی اصلاحات کے متعلق محدثین کی الگ الگ آراء لکھی ہیں یہ کتاب نہایت ہی مفید ہے۔

۳۱۔ الحدیث والمحدثون محمد ابوزہرہ، اس کتاب میں مولف نے حدیث رسول کی عظمت واہمیت منکرین حدیث کے جوابات لکھے اور مختلف ادوار میں سنت پر تبصرہ کیا ہے دور نبوی ﷺ سے لے کر موجودہ دور تک سات ادوار میں تقسیم کیا ہے، بعد ازاں علم حدیث کی اصطلاحات کو زیر بحث لائے ہیں۔

۳۲۔ منہج النقد فی علوم الحدیث نورالدین عتر اس کتاب میں اصطلاح حدیث، اس کے مختلف ادوار، رواۃ الحدیث، تاریخ الرواۃ، مقبول و مردود، علوسند، انقطاع، تفرد الحدیث اور پھر اس کے نتائج وغیرہ پر بحث کی ہے۔

۳۳۔ الدراسات فی الحدیث النبوی ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کی کتاب ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب کے پی ایچ ڈی تھیسز کا عربی ترجمہ ہے۔ جو انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی سے کی تھی اس کا عنوان Studies in early hadith Literature تھا۔

۳۴۔ اصول الحدیث النبوی علومه ومقاییسه الدکتور الحسینی عبدالمجید هاشم دارالشرق ۱۹۸۶ء سماع حدیث، نقل حدیث کے طریقے۔ صحابہ کا مقام اہم محدثین کی خدمات بیان کی گئی ہیں۔

جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں، اس موضوع پر کئی سو کتب لکھی جا چکی ہیں۔ یہاں ان تمام کتب کا احاطہ مقصود نہیں ہے۔ بلکہ صرف اہم کتب کی طرف رہنمائی مقصود تھی تا کہ سیرت نگار ان کتب سے استفادہ کر کے اپنی تحریر کو مستند و معیاری بنا سکے اور من کذب علی متعمداً کا مصداق نہ بنے۔

تمت

پندرھویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ کلیات ابوالبقاء ص/۱۵۲

۲۔ سیوطی، جلال الدین تدریب الراوی تحقیق احمد عمر ہاشم درالکتاب العربی بیروت ۱۹۸۵ء ج/۱ص/۲۳

۳۔ حلیۃ الاولیاء، ج/ ۵ ص/۲۵۳

۴۔ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب دارالفکر بیروت ۱۹۸۴ء ج/ ۹ ص/۳۴۵

۵۔ السیوطی، عبدالرحمن جلال الدین تدریب الراوی ج/ ۱ص/ ۵

۶۔ ابن حجر نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر فاروقی کتب خانہ ملتان ص/۱۶

۷۔ اسد رستم مصطلح التاریخ مطبوعہ بیروت ص/۶۸

۸۔ السیوطی، تدریب الراوی ج/۱ ص/۵

۹۔ ایضاً ج/ ۱ص/۵

۱۰۔ سباعی، ڈاکٹر مصطفی، السنۃ ومکانتها فی التشریع الاسلامی مطبوعہ بیروت

۱۱۔ السیوطی، تدریب الراوی ج/۱ ص/۵

۱۲۔ سورۃ الحجرات/۶

۱۳۔ الذھبی، تذکرۃ الحفاظ دائرۃ المعارف العثمانیۃ۔ حیدر آباد دکن ۱۹۵۶ء ج/ ۱ص/۲

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ البخاری، محمد بن اسماعیل الجامع الصحیح ج/۱ص/۲۱

۱۷۔ ابن الصلاح، علوم الحدیث ص/۲۶۴

۱۸۔ ایضاً
۱۹۔ علوی ڈاکٹر خالد، اصول الحدیث و مصطلحات و علوم الفیصل اردو بازار لاہور ۱۹۷۷ء ص/۲۳
۲۰۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، سیرۃ المصطفیٰ مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد جامعہ اشرفیہ لاہور ۱۹۸۵ء ۱۱ ج/۱ ص/۴۔۷
۲۱۔ نعمانی، علامہ شبلی سیرت النبی ج/۱ ص/۴۲
۲۲۔ ابو البرکات، عبدالرؤف داناپوری اصبح السیر ص/۳۰۔۳۱
۲۳۔ نزھۃ النظر ص/۳۴
۲۴۔ ایضاً ص/۳۴
۲۵۔ وفیات الاعیان ۱/۳۱۲، شذرات الذھب ۵/۲۲۱، مقدمہ الصلاح کے مصر، ہندوستان، بیروت سعودی عرب اور پاکستان سے کئی ایڈیشن شائع ہوئی ہے۔ حلب سے نورالدین عتر کی تحقیق ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی۔
۲۶۔ شرح نخبۃ الفکر ۵۔۶
۲۷۔ یہ کتاب ڈاکٹر نورالدین عتر کی تحقیق ہے۔ ۱۹۸۸ء میں دمشق سے شائع ہوئی یہ کتاب دو جلدوں میں مطبوع ہے۔ عبدالباری فتح اللہ السلفی کی تحقیق سے ۱۹۷۸ء میں مکتبہ الایمان المدینہ المنورہ سے شائع ہوئی۔
۲۸۔ امام نووی کی کتاب ہے۔ پہلی کتاب سے مختصر ہے۔ محمد عثمان کی تحقیق سے دارالکتاب العربی بیروت نے ۱۹۸۵ء میں شائع کیا اس کے ۱۲۷ صفحات ہیں۔
مکتبہ خاور

تمت

سولھواں اصول: علم الناسخ والمنسوخ ہے

آپ ﷺ جب تک حیات تھے اسلامی احکامات کے نزول کا سلسلہ جاری تھا اور آخری لمحات تک یہ امکان موجود تھا کہ کسی بھی سابقہ حکم کو بلکلیہ ختم کر دیا جائے یا اس کے مطلق حکم کو مشروط کر دیا جائے۔ یہ امکان وحی جلی یعنی قرآن کریم اور وحی خفی یعنی حدیث و سیرت دونوں جگہ یکساں تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ دنیا سے رخصت ہو گئے تو یہ امکان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی عہد میں ناسخ و منسوخ کا علم خواہ قرآن کریم سے متعلق ہو یا حدیث و سیرت سے بہت اہمیت کا حامل تھا۔ جیسا کہ ابن شاہین بغدادی نے صراحت کی ہے۔(۱)

نسخ کی لغوی و اصطلاحی تعریف: نسخ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔(۲) کبھی ازالہ کے معنی میں (۳) جیسے سورہ حج میں:

فینسخ اللہ مایلقی الشیطان۔(۴)

اور کبھی نقل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔(۵) جیسے سورۂ جاثیہ میں:

انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون۔(۶)

پھر ازالہ اور نقل کی کون کون سی صورتیں ممکن ہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے۔(۷) یہی وجہ ہے نسخ کی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ جامع اور مختار تعریف یہ کی گئی ہے:

ہو رفع الحکم الشرعی بدلیل شرعی متاخر۔(۸)

کسی سابقہ شرعی حکم کو ختم کرنا ہے کسی بعد میں آنے والی شرعی دلیل کی بنیاد پر بقول ڈاکٹر عبدالمجید السوسہ اس تعریف میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے بلکہ واضح ہے۔(۹) البتہ ناسخ کے لئے شرط ہے۔ کہ وہ شرعی خطاب کی شکل میں ہو(۱۰) اور ناسخ منسوخ کے ہم پلہ

ہو(۱۱) اس سے کم درجہ کا نہ ہو، مثلاً خبر متواتر خبر واحد سے منسوخ نہیں ہوسکتی ہے۔ جبکہ خبر واحد خبر مشہور اور متواتر سے منسوخ ہوسکتی ہے۔ تیسری شرط یہ ہے، منسوخ ہونے والا حکم بھی کسی شرعی دلیل کی بنیاد پر ہو عقلی بنیاد پر نہ ہو(۱۲) چوتھی شرط حکم ناسخ منسوخ کے بعد آیا ہو۔(۱۳) پانچویں شرط ہے منسوخ ہونے والا حکم جزئی ہو(۱۴) چھٹی شرط یہ ہے حکم منسوخ ابدی نہ ہو(۱۵) یعنی اس میں کسی عمل کے کرنے یا نہ کرنے کا ہمیشہ کے لئے نہ دیا گیا ہو۔ ساتویں شرط یہ ہے ناسخ اور منسوخ میں حقیقی تعارض ہو(۱۶) تطبیق کی صورت ممکن نہ ہو تو ناسخ ومنسوخ کے احکامات کا اجراء ہوتا ہے۔ ورنہ پہلی کوشش ترجیح کی اختیار کی جاتی ہے یعنی ایک حکم کو راجح دوسرے کو مرجوح قرار دے دیا جاتا ہے۔ اگر فقہ سے اس مسئلہ کا تعلق ہو تو فقیہ اس عمل کو انجام دیتا ہے۔ اگر تفسیر سے اس مسئلہ کا تعلق ہو تو مفسر اس کا فیصلہ کرتا ہے اگر سیرت سے اس مسئلہ کا تعلق ہو تو سیرت نگار اس مسئلہ کا فیصلہ کرے گا۔

علم الناسخ والمنسوخ کا زیادہ تعلق حدیث وسیرت کے مقابلہ میں قرآن کریم سے ہے اس لئے کہ نسخ کا تعلق عقائد اخلاق عبادات معاملات اور قصص سے نہیں ہوتا جیسا کہ ابن شاہین کی رائے ہے۔(۱۷)

سیرت کا ناسخ ومنسوخ سے تعلق: ناسخ ومنسوخ کا قرآن حدیث وسیرت سے یکساں تعلق ہے حدیث کی طرح سیرت کا مصدر بھی نبی کی ذات ہے۔ حدیث کے حوالہ سے اس موضوع پر جو کتب لکھی گئی ہیں اس میں بہت سے پہلوؤں کا تعلق سیرت طیبہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اصول سیرت میں سے علم الناسخ والمنسوخ کو بھی شمار کیا ہے۔ ضرورت ہے اس حوالہ سے سیرت طیبہ پر کام کیا جائے، میرے علم کے مطابق اس پہلو پر اب تک کسی نے سیرت کے حوالہ سے نہیں لکھا ہے۔

علم الناسخ والمنسوخ کا ارتقاء: اس علم کے ذریعہ حکم کی نوعیت میں مقید ومتضاد تبدیلی آجاتی ہے اس لحاظ سے اس علم کو قرن اول میں بہت اہمیت حاصل رہی اور یہ نسخ قرآن وحدیث دونوں میں ہے۔ یہی وجہ ہے اس موضوع پر بہت لکھا گیا ہے۔ قرآنی نسخ پر کئی سو کتب لکھی گئی ہیں۔ جبکہ حدیث کے نسخ پر بہت محدود تصانیف سامنے آئی ہیں۔ ابن شاہین کے مطابق امام زہری کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ یہ مشکل ترین علوم میں سے ایک

ہے۔(۱۸)

۱۔ بقول ابن شاہین اس علم پر سب سے پہلے امام شافعی (م ۲۰۴ھ) نے تحریری کام کیا(۱۹)اور تلامذہ کی خصوصی تدریس کی (۲۰)

۲۔ جن حضرات کی ابتدائی تصانیف نسخ قرآن کریم کے حوالہ سے ہمارے سامنے ہے۔ان میں قتادہ بن دعامہ السدوسی (۲۱) کا نام سرفہرست ہے(م ۱۱۷ھ) ان سے منقول ناسخ ومنسوخ کی روایات (۲۱) کو زرکشی نے البرہان میں (۲۲) بن قتیبہ نے المعارف میں نقل (۲۳) کیا ہے،اصل مسودہ غالباً ابھی تک مخطوطہ کی شکل میں محفوظ ہے۔(۲۴)

۳۔ محمد بن مسلم شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) نے بھی بقول ذہبی اس علم پر ایک کتاب لکھی تھی۔(۲۵)

۴۔ اسماعیل بن عبدالرحمن بن أبی کریمة السدی نے ایک کتاب الناسخ والمنسوخ فی القرآن کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔(۲۶)

۵۔ عطاء بن أبی مسلم الخراسانی (م ۱۳۵ھ) نے الناسخ والمنسوخ فی کتاب اللّٰہ کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔(۲۷)

۶۔ محمد بن سائب الکلبی (م ۱۴۶ھ) نے الناسخ والمنسوخ فی القرآن کے نام سے کتاب لکھی۔(۲۸)

۷۔ مقاتل بن سلیمان الزدی (م ۱۵۰ھ) نے بھی الناسخ والمنسوخ فی القرآن کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔(۲۹)

ڈاکٹر کریمہ بنت علی صاحبہ نے صرف قرآن کریم پر ناسخ ومنسوخ کے حوالہ سے ۲۷ کتابوں پر تذکرہ کیا ہے،(۳۰) ابن خیر اشبیلی نے اپنی کتاب فہرست مطبوعہ (دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۸ء) میں ص/۴۹ پر کچھ کتب نقل کی ہیں۔کچھ کتابیں وہ ہیں جو صرف حدیث کے حوالہ سے ناسخ ومنسوخ پر لکھی گئی ہیں۔ اور کچھ کتابیں وہ ہیں جو قرآن کریم و حدیث دونوں پر مشتمل ہیں۔ پہلے حدیث کے حوالہ سے کتب کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں اور یہی کتب ہمارے موضوع سیرت کے حوالہ سے زیادہ مفید ہیں جن سے سیرت نگار کو استفادہ کرنا چاہیے۔

۱۔ اس حوالہ سے پہلی کتاب بقول کتانی کے احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کی الناسخ

والمنسوخ فی الحدیث کے نام سے ہے۔(۳۱)

۲۔ ابوداؤد کی الناسخ والمنسوخ فی الحدیث کا تذکرہ بھی کتانی نے کیا ہے۔(۳۲)

۳۔ احمد بن اسحٰق (م ۳۱۸ یا ۳۱۹ھ) کی الناسخ والمنسوخ فی الحدیث کا حاجی خلیفہ اور کحالہ نے ذکر کیا ہے۔(۳۳)

۴۔ محمد بن بحر ابو مسلم اصفہانی (م ۳۲۲ھ) نے کتاب الناسخ والمنسوخ فی الحدیث کے نام سے لکھی تھی۔(۳۴)

۵۔ محمد بن عثمان ابوبکر الشیبانی (م ۳۲۶ھ) نے الناسخ والمنسوخ فی الحدیث کے عنوان سے لکھا۔(۳۵)

۶۔ إخبار أهل الرسوخ في الفقه والحديث بمقدار المنسرخ من الحديث لابن الجوزی، مختلف محققین کی تحقیقات کے ساتھ بیروت دارابن حزم، دارالتراث اور المکتب الاسلامی سے شائع ہوچکی ہے۔(۳۶)

۷۔ الاعتبار في الناسخ والمنسوخ من الآثار أبي بكر محمد بن موسىٰ الحازمي الهمداني (م ۵۸۴ھ) تحقیق محمد احمد عبدالعزیز۔ القاہرۃ، مکتبہ عاطف، ۱۳۸۰ھ، ۴۱۷۹، صفحات یہ اس موضوع پر مفصل کتاب ہے۔ حیدرآباد دکن، شام، بیروت سے شائع ہوچکی ہے۔(۳۷)

۸۔ اعلام العالم بعد رسوخه بحقائق الحديث و منسوخه عبدالرحمن بن الجوزی (م ۵۹۷ھ) عبداللہ الزہرانی کی تحقیق کے ساتھ سعودی عرب سے چھپی ہے۔(ایم اے کا مقالہ تھا)

۹۔ رسوخ الاخبار في منسوخ الأخبار لأبي إسحاق برهان الدين إبراهيم بن عمر الجعبری (ت ۷۳۲ھ) دراسة و تحقيق حسن محمد مقبولي الأهدل إشراف محمد أحمد ميرة ، بيروت مؤسة الكتب الثقافية ۱۴۰۹ھ، ص/۵۷۶ پی ایچ ڈی مقالہ سعودی عرب سے شائع ہوا ہے۔ الجامعة الاسلامية ۱۴۰۵ھ میں لکھا گیا۔

۱۰۔ مختصر الناسخ والمنسوخ فی حدیث رسول اللہ ﷺ تالیف

عزالدین حسین الشیخ - بیروت: دارالکتب العلمیۃ ۱۴۱۳ھ

۱۱۔ قاسم بن اصبغ کی الناسخ والمنسوخ فی الحدیث ہے۔(۳۸)

۱۲۔ عمر بن احمد بن عثمان کی کتاب الناسخ الحدیث ومنسوخ (م ۳۸۵ھ) ڈاکٹر کریمہ بنت علی کی اعلیٰ تحقیق کے ساتھ دارالکتب العلمیۃ بیروت سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی ہے۔ (یہ بھی ایم اے کا مقالہ ہے۔) ۶۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۳۔ محمد بن اسحٰق بن احمد اصفہانی (م ۳۹۵ھ) المعروف بن مندہ کی الناسخ والمنسوخ فی الحدیث کے نام سے ہے۔(۳۹)

۱۴۔ عبدالکریم بن ہوازن کی ناسخ الحدیث و منسوخہ کے نام سے ہے۔(۴۰)

۱۵۔ محمد بن ھانی کی الناسخ والمنسوخ فی الحدیث ہے۔(۴۱)

۱۶۔ احمد بن محمد ابوحامد الرازی کی کتاب الناسخ والمنسوخ فی الحدیث ہے۔(۴۲)

۱۷۔ ابن حیان کی ناسخ الحدیث و منسوخہ ہے(۴۳)

کچھ کتابیں وہ ہیں جو قرآن و حدیث دونوں سے متعلق ناسخ و منسوخ کے احکامات پر مشتمل ہیں۔

۱۔ احکام النسخ فی الشریعۃ الاسلامیۃ محمد وفا دارالطباعۃ المحمدیۃ قاہرہ ۱۴۰۴ھ ۱۷۹ صفحات پر (ایم اے کا مقالہ)

۲۔ الادلۃ المطمئنۃ علی ثبوت النسخ فی الکتاب والسنۃ: بحث فیما ثبت نسخہ من الأحکام والأحادیث

۳۔ النسخ فی دراسات الأصولیین: دارسۃ مقارنۃ نادیۃ شریف العمری، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۵ھ، ص/۵۸۶۔

۴۔ النسخ فی السنۃ المطہرۃ وأشہر ماصنف فیہ عبداللّٰہ بن محمد الحکمی، إشراف محمد أدیب الصالح، الریاض، جامعۃ الإمام محمد بن محمود الإسلامیۃ، کلیۃ أصول الدین، ۱۴۰۴ھ (مقالہ ایم اے)

۵۔ نسخ الکتاب والسنۃ بالکتاب والسنۃ فاطمۃ صدیق نجوم، إشراف

أحمد فهمی أبو سنة، مكة المكرمة، جامعة أم القرى، كلية الشريعة والدراسات الإسلامية، ۱۴۰۰ھ (مقالہ ایم اے)

۶۔ النسخ و موقف الصلحاء منه، ثریا محمود عبدالفتاح، القاهره دار الضیاء، ۱۴۰۸ھ، ۱۶۲/ص (۴۴)

ناسخ و منسوخ پر مندرجہ بالا کتب میں بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ بعض کتب ایسی بھی شائع ہو چکی ہیں جن میں ناسخ و منسوخ کے فقہی احکامات پر اثرات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ مثلاً الدکتور عبدالمجید کی منهج التوفيق والترجيح بين مختلف الحديث و اثره فی الفقة الاسلامی مطبوعه دار النفائس اردن ۱۹۹۷ء،

ضرورت اس بات کی ہے ناسخ و منسوخ کے اصولوں کی روشنی میں سیرت طیبہ کے واقعات کا جائزہ لیا جائے اور سیرت نگاری میں اس علم سے مدد لی جائے۔

تمت بالخیر

سولھویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ ابن شاهین البغدادی، أبی حفص عمر بن احمد بن عثمان (م ۳۸۵) کتاب ناسخ الحدیث و منسوخہ دارالکتب العلمیة بیروت لبنان تحقیق الدکتورہ کریمہ بنت علی ص/۳۸

۲۔ القاموس المحیط ج/۱ ص/۲۷۱ ، لسان العرب ج/۶ ص/۴۴۰۷، مصباح المنیر ج/۲ص/۸۲۷،تاج العروس ج/۲ص/۲۸۲

۳۔ الکشاف ج/۳ص/۱۶

۴۔ سورۃ الحج/۲

۵۔ الکشاف ج/۴ص/۲۹۴

۶۔ سورۃ الجاثیہ/۲۹

۷۔ دیکھئے تفصیل فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ج/۲ ص/۵۳، الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ لابن جوزی ص/۸، مناہل العرفان فی علوم القرآن للزرقانی ج/۲ ص/۱۷۵، اور البرہان فی علوم القرآن للزرکشی ج/۲ص/۲۹ وغیرہ

۸۔ زرقانی، مناھل العرفان ج/۲ص/۱۷۶، المختصر لابن حاجب ج/۲ ص/۱۸۵، الموافقات للشاطبی ج/۳ص/۱۰۷

۹۔ السوسوہ، الدکتور عبدالمجید محمد اسماعیل ۔ منہج التوفیق والترجیح بین مختلف الحدیث و أثرہ فی الفقه لاسلامی دارالنفائس الاردن ۱۹۹۷ء ص/۲۸۴

۱۰۔ ارشاد الفحول ص/۱۷۶ اور المعتمد ج/۱ص/۳۹۹، نواسخ القرآن لابن الجوزی ص/۱۱۸، الاحکام لآمدی ج/۳ص/۱۶۴

۱۱۔ العدة ج/۳ ص/۷۸۸، البرهان ج/۲ ص/۱۳۱۱، المستصفی ج/۱

ص/۱۲۲، نواسخ القرآن لابن الجوزی ص/۱۱۸

۱۲۔ ارشاد الفحول ص/۱۸۶، نواسخ القرآن ابن جوزی ص/۱۱۸

۱۳۔ المستصفی ج/۱ص/۱۲۲، الاحکام للآمدی ج/۳ص/۱۶۴

۱۴۔ إرشاد الفحول ص/۱۸۶، الموافقات للشاطبی ج/۳ص/۱۱۷،

۱۵۔ الاحکام لآمری ج/۳ص/۱۶۴

۱۶۔ ایضاً اور العدہ ج/۳ص/۸۳۵، نسخ القرآن لابن جوزی ص/۱۱۷

۱۷۔ ابن شاهین کتاب الناسخ الحدیث و منسوخه ص/۳۷

۱۸۔ ایضاً ص/۳۸

۱۹۔ الاعتبار ص/۱۸

۲۰۔ ایضاً ص/۱۹

۲۱۔ سوانح کے لئے دیکھئے طبقات ابن سعد ج/۸ص/۲۲۹

۲۲۔ دیکھئے ج/۲ص/۲۸

۲۳۔ دیکھئے ص/۲۳۴

۲۴۔ دیکھئے، ابن شاهین کتاب الناسخ الحدیث و منسوخه ص/۳۹

۲۵۔ ذهبی تذکرة الحفاظ ج/۱ص/۱۰۲

۲۶۔ دیکھئے عیون الاثر ج/۱ ص/۲۳۵، اور میزان الاعتدال ج/۳ ص/۷۳،
التهذیب ج/۷ص/۲۱۲،

۲۷۔ ابن شاهین، کتاب الناسخ الحدیث و منسوخه ص/۴۰

۲۸۔ الداؤدی، طبقات المفسرین ج/۲ ص/۱۴۴، وفیات الاعیان ج/۴
ص/۳۰۹

۲۹۔ ابن شاهین کتاب النلسخ الحدیث و منسوخه ص/۴۰،

۳۰۔ دیکھئے مقدمہ کتاب الناسخ الحدیث و منسوخه لابن شاهین ۱ص/۳۹
تا ۵۵

۳۱۔ کتانی، الرسالة المستطرفة ص/۶۰

۳۲۔ ایضاً

۳۳۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون ج/۲ ص/۱۹۲۰، اور معجم المؤلفین عمررضاکحالہ ج/۱ص/۱۶۰

۳۴۔ ایضاً

۳۵۔ ایضاً ج/۲ص/۱۹۲۰

۳۶۔ حفنی صلاح الدین، دلیل مؤلفات الحدیث النسشریف القدیمة والحدیثة دار ابن حزم بیروت ۱۹۹۵ء، ج/۳ص/۷۰۵۔۷۰۶

۳۷۔ ایضاً ج/۳ص/۷۰۶۔۷۰۷

۳۸۔ ابن شاهین، کتاب الناسخ الحدیث و منسوخه ص/۵۶

۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ کتانی الرسالة المستطرفة ص/۶۰، ابن ندیم کی الفھرست ص/۳۲۱

۴۲۔ ابن شاهین کتاب الناسخ الحدیث و منسوخه ص/۵۷

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ حفنی، صلاح الدین، دلیل مؤلفات الحدیث ج/۱ص/۹۴۔۹۵

تمت

سترہواں اصول: حکمت وعلم نفسیات ہے

سیرت نگاری سے مقصود سیرت کی روایات و واقعات کو جمع کرنا نہیں ہونا چاہیے، آج سیرت طیبہ پر جو ذخیرہ ہمارے سامنے آ رہا ہے اس کا ہدف کسی نئی جمع و ترتیب پر پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ سیرت نگاری کا مقصد حصول ثواب و برکت کے ساتھ تبلیغ و اصلاح ہونا چاہئے اور سیرت نگاری قرآن کریم کے حکم کے مطابق حکمت اور انسانی نفسیات کا لحاظ کر کے کی جائے تو بہتر اہداف حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس اسلوب پر میرے علم کے مطابق صرف چند افراد نے لکھا ہے۔

سیرت طیبہ ﷺ کا حکمت ونفسیات سے تعلق: حکمت کیا ہے اس پر مفسرین ومحدثین نے بحث کی ہے۔ متعدد معانی میں سے ایک معنی ہے ہر وقت و حالات اور مخاطب کا لحاظ رکھتے ہوئے کوئی بات کہنا مقاصد بعثت نبوی ﷺ میں سے ایک مقصد قرآن کے مطابق حکمت کی تعلیم دینا تھی (۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کعبہ کی تعمیر کے بعد جن صفات کے حامل نبی کا مطالبہ کیا تھا اس میں تیسری صفت حکمت کا ہونا تھی۔ (۲) اور یہ حکمت ایسی صفت ہے جو دیگر انبیاء کے مقاصد بعثت میں بھی شامل تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کے بارے میں فرمایا:

آتینا آل إبراهیم الکتاب والحکمة۔ (۳)

آل ابراہیم کو کتاب وحکمت دونوں عطا کی گئیں۔

حضرت لقمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی حکمت عطا کی گئی۔ (۴)

ارشاد باری ہے۔

ولقد آتینا لقمان الحکمت (۵)

ہم نے حضرت لقمان علیہ السلام کو بھی حکمت عطا کی تھی اور جن انبیاءؑ کو حکمت

عطا کی گئی ان کے بارے میں فرمایا:

ومن یؤت الحکمت فقد اوتی خیراً کثیراً (۶)

جسے حکمت عطا کی گئی اسے خیر کثیر عطا ہو گیا۔

قرآن کریم کے مطابق یہ حکمت انبیاء کے علاوہ جسے چاہتا ہے اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتا ہے۔(۶) امت محمدیہ پر بطور احسان کے آپ ﷺ کی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے بھی حکمت کا ذکر کیا گیا(۷) مسلمانوں کو خصوصی طور سے تبلیغ و دعوت کے موقع حکمت پر کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ارشاد ربانی ہے۔

ادع إلیٰ سبیل ربک بالحکمت والموعظة الحسنة

وجادلھم باللتی ھی احسن (سورۃ النحل/۱۲۵)

لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلاؤ حکمت اور (مائل کرنے والے)

اچھے الفاظ کے ذریعہ اور مباحثہ بھی (طنزیہ نہیں) ہمدردی سے بھرپور

مخاطب کی سطح و ماحول کے مطابق ہو۔

قرآن کریم نے جسے حکمت کہا ہے بعض محدثین نے اس سے حدیث مراد لیا ہے۔ اگر حدیث مراد لیا جائے تو بھی میرا مدعیٰ ثابت ہوتا ہے۔ یعنی سیرت طیبہ ﷺ کے ذریعہ دعوت دینا نبوی اسلوب کے ذریعہ۔ اگر اس سے علم نفسیات مراد لیا جائے تو بھی سیرت نگاری کے لئے نفسیات کا استعمال و لحاظ رکھنے کا حکم ملتا ہے۔ لہٰذا سیرت نگاری کے لئے ضروری ہے وہ سیرت طیبہ ﷺ کا علم نفسیات کی روشنی میں بھی جائزہ لے، دوست و دشمن نے کس پیرایہ میں کیا بات کہی ہے۔ آپ ﷺ نے کسی بات کا حکم دیا یا کوئی کام کیا تو اس کی نفسیاتی وجوہات کیا تھیں۔ اس عقل و نقل کے امتزاج سے سیرت کے پیغام کو سیرت نگار موثر جاذب نظر اور عہد حاضر کی مناسبت سے ڈھال کر دوہرے اجر کا مستحق ہو سکتا ہے۔

صفت حکمت (علم نفسیات) کو ملحوظ رکھنے والا جہاں منصب نبوت سے خوشہ چینی کرے گا وہیں اللہ تعالیٰ کی صفت حکیم سے بھی مستفید ہو گا۔ مسلم ممالک مسلمان اور اسلام جن حالات سے گزر رہے ہیں اس میں اس صفت کے ساتھ ظہور کی اشد ضرورت ہے۔ میں حکمت کی مزید وضاحت کرنے کے لئے ڈاکٹر حمید اللہؒ صاحب کے ایک بہت پرانے مضمون

سے استفادہ کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

عربوں میں دعوت کا اہتمام کرنا فخر کی بات تھی۔ آپ ﷺ نے تبلیغ کے لئے اس زمانہ کے نفسیاتی اسلوب اختیار کئے اسی طرح اس زمانہ کے میڈیا کا مرکز کوہ فاران تھا (گویا پریس کلب تھا) جسے آپ ﷺ نے استعمال کیا (عہد حاضر میں علماء کو جدید میڈیا کے بارے میں غور کرنا چاہئے) ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں جب آپ ﷺ کو تبلیغ کا حکم ملا تو آپ ﷺ نے دعوت کا اہتمام کیا اور دعوت کے موقع پر فرماتے رہے میں کھانے کے بعد آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ ٹھہرنا، انتظار کرنا۔ چنانچہ اب کی بار سب لوگ اس تجسس میں بیٹھے رہے کہ دیکھیں وہ کیا بات ہے جس کے لئے ہمیں بلایا گیا ہے۔ کھانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مخاطب ہوکر بتاتے ہیں کہ بت پرستی کیوں بری ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا کیوں ضروری ہے۔ پھر اس کے نتائج یعنی آخرت کی زندگی اور خدا کے سامنے حساب وکتاب کا ذکر کیا۔ اس طرح کی چند بنیادی باتیں لوگوں کو بتائیں۔ اس سلسلے میں طبری کی روایت بہت دلچسپ ہے۔ طبری کا بیان ہے کہ اس تبلیغ کا غالباً آخری جملہ یہ تھا کہ تم میں سے جو شخص میری دعوت کو قبول کرے گا وہ میرا جانشین اور خلیفہ ہوگا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو ابھی بچے تھے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ابولہب قہقہہ مار کر ہنسا اور تالی بجا کر کہنے لگا، ابو طالب مبارک ہو۔ آج سے تم اپنے بیٹے کے ماتحت بن چکے ہو۔ اس سے ابوطالب کو خفت سی ہوئی، اس لئے وہ ساری عمر اس کے لئے آمادہ نہیں ہو سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو قبول کریں۔ اس بیان کا منشاء تبلیغ کا طریقہ بتانا تھا۔

میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیسے ایمان لائے یا وہ کب ایمان لائے؟ یہ ایک علیحدہ بحث ہے۔ اس وقت ہم صرف یہ دیکھ رہے ہیں کہ پہلی وحی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کئے۔ اس کے کچھ عرصے بعد دوسری وحی نازل ہوتی ہے۔ جس میں یہ حکم آتا ہے کہ

فاصدع بما تؤ مر وا عرض عن المشر کین۔ (۱۴: ۹۴)

جس چیز کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے وہ کھول کر بیان کرو، مشرکوں کی پروا

نہ کر۔

اس حکم کے آنے پر رسول اکرم ﷺ ایک طرح کی دہشت محسوس کرتے ہیں کہ سارا شہر بت پرست ہے۔ اگر میں یہاں کے لوگوں کو برملا یہ کہوں کہ تمہارا دین غلط ہے اور تمہارے بت تمہارے لئے حفاظت اور نجات کا باعث نہیں بن سکتے، تو لوگ خفا ہوں گے، حضرت جبرائیل نے پھر آ کر تشفی دی کہ اللہ تعالٰی آپ ﷺ کو نہیں چھوڑے گا، اللہ تعالٰی آپ کی حفاظت کرے گا۔ غرض کچھ اس طرح کی تفصیلیں ہمیں سیرت کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے باہر پہاڑی کے دامن میں یا پہاڑی کے کسی بلند حصے پر کھڑے ہو کر لوگوں کو اپنی طرف بلاتے ہیں جیسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔ لوگ دوڑے ہوئے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں فلاں قبیلے کے لوگوں کو مخاطب کرنا چاہتا ہوں۔ جو لوگ اس قبیلے کے نہیں تھے وہ چلے گئے پھر اس کی ایک شاخ کا ذکر کیا کہ میں صرف ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ غرض بجائے سارے شہر کے لوگوں خطاب کرنے کے اس کے ایک محدود حصے کو اس دن آپ ﷺ نے مخاطب کیا۔ خطاب کا انداز اس طرح تھا کہ اے بھائیو! اگر میں تم سے بیان کروں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دوسری طرف ایک دشمن کی فوج آ پہنچی ہے اور وہ تم پر حملہ کرنے والی ہے تو کیا تم میری بات پر اعتماد کرو گے؟ ان کا جواب تھا کہ ہم نے تمہیں آج تک جھوٹ بولتے نہیں پایا۔ اگر تم سنجیدگی سے کہتے ہو کہ واقعی کوئی دشمن اس طرف آیا ہوا ہے اور پڑاؤ ڈالے پڑا ہے تو ہم تمہاری بات پر یقین کریں گے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ تم کو اس انسانی لشکر سے بھی بڑے ایک دوسرے لشکر سے ڈراتا ہوں، یہ اللہ تعالٰی کا قہر اور عذاب ہے۔ اگر تم اللہ تعالٰی کو ایک نہ مانو گے اور بتوں کی پرستش نہیں چھوڑو گے تو مرنے کے بعد اللہ تعالٰی تمہیں دوزخ میں ڈال دے گا۔ اس دن اور لوگوں کے علاوہ آپ ﷺ کا چچا ابولہب بھی وہاں موجود تھا۔ ابولہب نے جل کر کہا، کیا اس فضول بات کے لئے تم نے ہمارا وقت ضائع کیا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور دوسرے لوگ بھی آہستہ آہستہ وہاں سے چلے گئے۔ (۸)

ڈاکٹر حمید اللہؒ لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید دشمنوں میں سے ایک ابولہب تھا جو ساتھ ہی دوھیالی رشتے سے آپ ﷺ کا چچا بھی تھا، عرب کے معاشرتی دستور کا تقاضا یہ تھا کہ آدمی کو اپنی قبیلے والوں کی موافقت ہر معاملے میں کرنی چاہئے، اچھائی

میں بھی اور برائی میں بھی اور اپنے کسی رشتے دار نے چاہے بے انصافی یا ظلم ہی کیا ہو، مگر اس کا ساتھ دینا چاہئے، علاوہ ازیں تبلیغ شروع کرنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اخلاق کی وجہ سے ایک خاص امتیاز حاصل ہو چکا تھا، مثلاً سب کے ساتھ مہربانی کا سلوک، بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت، محتاجوں پر عنایت۔

مگر اس کے باوجود جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لوگوں کو تبلیغ شروع کرنے سے پہلے اپنے کام کی ابتداء اس حکم خداوندی کی تعمیل سے کی۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ (۱۰)

اپنے قبیلے اور نزدیک والوں کو ڈراؤ۔

اور اس مقصد کے لئے اپنے خاندان والوں کو جمع کیا تو صرف ایک شخص تھا جو مخالفت کے لئے اٹھا، اور ایک لمحہ کے توقف کئے بغیر اچھل کر کھڑا ہو گیا، اور یہ ابولہب تھا۔(۱۱)

اس کی مخالفت میں ذرا کمی نہیں آئی، بلکہ اس کے مرنے تک روز بروز بڑھتی ہی گئی، ایسا کیوں ہوا، حالانکہ ہمیں ایسی حکایتیں بھی ملتی ہیں جن سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ ابولہب فیاض، فراخ دل اور ملنسار آدمی تھا۔(۱۲)

ہم نے علم نفسیات کو سیرت نگاری کا اصول قرار دیا ہے۔ ہمارے سوال کے لئے مندرجہ ذیل قصہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ بلاذری نے لکھا ہے:

> ایک دن ابولہب اور ابوطالب میں جھگڑا ہو گیا، ابولہب نے ابوطالب کو زمین پر گرا دیا، اور سینہ پر چڑھ کر طمانچے مارنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ماجرا دیکھا تو آپ ﷺ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آپ ﷺ نے ابولہب کا بازو اوپر سے پکڑ کے اسے زمین پر گرا دیا۔ اب یہ ہوا کہ ابوطالب نے اس کی سینے پر چڑھ کے طمانچے لگانے شروع کئے، اس پر ابولہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا:
> یہ بھی تیرا چچا ہے اور میں بھی تیرا چچا ہوں، پھر تو نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟ خدا کی قسم میرے دل میں تیرے لئے کوئی جگہ نہیں

رہی۔(۱۳) اس سے ابوجہل کے دل میں نفرت کا آغاز ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ہمارے زمانے کا فرعون کہا کرتے تھے۔(۱۳)

ابوجہل کا لقب پہلے تو ابوالحکم یعنی ''حکمت کا باپ'' تھا بعد میں ابوجہل یعنی ''جہالت کا باپ'' ہوگیا۔ مکہ کی انتظامی مجلس کی کاروائی میں صرف انہیں لوگوں کو حصہ لینے کا حق ملتا تھا جن کی عمر چالیس سال یا اس سے زیادہ ہو۔ ابوجہل کو ''رائے کی پختگی اور عقلمندی'' کی وجہ سے تیس سال کی عمر میں ہی رکنیت مل گئی تھی۔ ابوجہل سخاوت میں بہت مشہور تھا۔ اور زائرین کی دعوت کرتا تھا۔ سکم قبیلہ کے ایک شخص نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تیرا پیٹ کبھی نہ بھرے! مسند پر جو شخص بیٹھا تھا اس نے یہ سن کر اپنا سر اٹھایا اور کہا نہیں، جب تک سیر نہ ہو کوئی نہ اٹھے، آخر یہ کھانا اسی لئے تو رکھا ہے کہ لوگ کھائیں، اب میں نے دیکھا کہ یہ شخص بھینگا ہے۔ ہم دوسرے دروازے سے باہر چلے گئے، اور وہاں میں نے دیکھا کہ اور اونٹ ذبح ہو رہے ہیں۔ ہم نے لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ اونٹ بھی اسی عام دعوت کے لئے کاٹے جارہے ہیں، اور مکان کے مالک کا نام ابن ہشام ابوالحکم ہے۔(ابوجہل)

اس شخص یعنی ابوجہل کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مصالحت نہ ہو سکی۔ اس تضاد کو سمجھنے میں شاید ان کی دو حکایتوں سے کافی مدد ملے گی۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت سعدؓ کے ساتھ تشریف رکھتے تھے کہ قبیلہ زبید کا ایک یمنی کعبہ شریف کے سامنے آکر بلند آواز سے فریاد کرنے لگا۔ ''قریش سے کہا تم کیسے توقع رکھتے ہو کہ کھانے پینے کا سامان اور حصہ کا تمہارے یہاں آئے گا؟ تم لوگ تو سامان لانے والے پر ظلم کرتے ہو۔'' کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی مختلف گروہوں کے پاس سے ہوتا ہوا آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: ''تیرے اوپر کس نے ظلم کیا ہے؟ اس یمنی نے جواب دیا: ''ابوالحکم نے وہ تین اونٹ لینا چاہتا تھا۔ اور میرے پاس جتنے اونٹ ہیں ان میں یہ بہترین ہیں۔ میں انہیں خسارے کے ساتھ بیچنے پر تیار نہیں ہوا۔ اب اس کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی انہیں خریدتا ہی نہیں، اس نے میرا کاروبار ایسا خراب کیا ہے کہ سنبھلتا ہی نہیں۔ اس طرح اس نے مجھے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اونٹ کہاں ہیں؟

یمنی نے جواب دیا کہ: الحزورہ کے پاس ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اونٹ خرید لئے اور دو اونٹوں کو اتنے داموں میں بیچ دیا جتنے یمنی نے تینوں کے مانگے تھے۔ پھر آپ نے تیسرا اونٹ بھی بیچ دیا اور اس کی پوری قیمت عبدالمطلب کے خاندان کی بیواؤں کے لئے عطا فرمادی۔ ابوجہل بھی بازار کے ایک کونے میں کھڑا تھا، مگر وہ بالکل خاموش رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف بڑھے اور فرمایا: ''عمرو خبردار جو آئندہ کسی کے ساتھ ایسی حرکت کی جیسی اس بدو کے ساتھ کی ہے۔ ورنہ مجھے تمہارے ساتھ ایسا سلوک کرنا پڑے گا جو تمہیں پسند نہیں آئے گا۔'' ابوجہل جواب میں یہ فقرہ بار بار دھراتا رہا۔ ''محمد ﷺ میں ایسی حرکت پھر کبھی نہیں کروں گا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے تشریف لے گئے تو امیہ ابن خلف اور دوسرے مشرکین جو وہاں موجود تھے ابوجہل کے پاس آئے اور کہنے لگے۔'' تم نے محمد ﷺ کے سامنے ایسی عاجزی دکھائی کہ معلوم ہوتا تھا تم بھی انہی کا دین دینا اختیار کرنے والے ہو۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں تو اس کی پیروی ہرگز نہیں کروں گا۔ لیکن اس وقت تو میں اس کا جادو دیکھ کر دب گیا۔ اس کے دائیں بائیں چند لوگ تھے جن کے ہاتھ میں نیزے تھے اور وہ اپنے نیزے ہلا ہلا کر مجھے دھمکا رہے تھے، اگر میں اس کی بات نہ مانتا تو بس میرا کام تمام تھا۔ (۱۵)

اک نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا — نہ ہو نگاہ میں میں شوخی تو دل بری کیا ہے

۲۔ روایت ہے کہ عراشہ قبیلے کا ایک آدمی اپنے اونٹ لے کر مکہ آیا، ابوجہل نے اونٹ خرید لئے مگر پیسے دینے میں دیر کی۔ یہ شخص قریش کی چوپال (نادی) میں پہنچا اور کہنے لگا:

> ''قریش کے لوگو! میں غریب الوطن اور مسافر ہوں ابوالحکم نے مجھ سے اونٹ خریدے ہیں، لیکن پیسے دینے میں دیر لگا رہا ہے اور خوانخواہ میرا راستہ کھوٹا کر رہا ہے۔ اس سے مجھے بڑا نقصان پہنچ رہا ہے۔ تم لوگوں میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو میرے ساتھ اس کے پاس چلے اور میرے جو دام اس پر واجب ہیں وہ اس سے دلوا دے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے صحن کے ایک کونے میں تشریف فرما

تھے۔لوگوں نے بطور تمسخر اُس تاجر سے کہا:

"وہاں جو آدمی بیٹھا ہے اسے دیکھتے ہو؟ اس کے پاس جاؤ، تمہارے جو دام واجب ہیں انہیں بس یہی شخص وصول کرا کے دے سکتا ہے"

تاجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

اے محمد ﷺ، میں غریب الوطن مسافر ہوں۔" پھر اپنا پورا قصہ سنایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر اس کے ساتھ ابوجہل کے گھر تشریف لے گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔اس نے اندر سے پوچھا "کون ہے؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں ہوں محمد ﷺ ابن عبداللہ ذرا باہر آؤ"

وہ دروازہ کھول کے باہر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

"اس شخص کے تم پر جو دام واجب ہیں وہ ادا کردو۔

اس نے کہا: "اچھا"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تک تم اسے دام نہیں دوگے میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔

ابوجہل گھر میں گیا، اور جتنے پیسے واجب تھے وہ لاکر اس شخص کو دیدیے۔اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے۔تاجر پھر قریش کی چوپال میں آیا اور بولا: "اللہ محمد ﷺ کو جزائے خیر دے۔انہوں نے بڑی آسانی سے میرا حق مجھے دلوادیا" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔اس کے بعد جب ابوجہل چوپال میں پہنچا تو لوگوں نے اس سے کہا: یہ تم نے کیا کیا؟ خدا کی قسم ہم نے تو اس آدمی کو محمد ﷺ کے پاس صرف اس لئے بھیجا کہ ہم اس سے مذاق کرنا چاہتے تھے۔ابوجہل نے جواب دیا: بس رہنے دو، خدا کی قسم، جیسے ہی اس نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا میرے تو حواس باختہ ہوگئے۔ میں باہر نکلا تو اس کے ساتھ ایک ایسا اونٹ تھا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔شاید وہ مجھے چبا ڈالتا یہی وجہ ہے کہ میں نے دام فوراً ادا کردیئے" لوگوں نے کہا: یہ محمد ﷺ کا جادو ہے۔(۱۶)

۳۔ اسی طرح تیسرا واقعہ ہے: ابوجہل سے کسی دوست نے انکار اسلام کا سبب معلوم کیا تو کہنے لگا: "پرانے زمانے میں جب کبھی قبیلہ بنی ہاشم نے کوئی قابل فخر کام کیا

تو میرے قبیلہ نے بھی اس سے بڑھ کر کارنامہ دکھایا، فیاضی دکھائی، وغیرہ وغیرہ۔ اب وہ فخر کرتے ہیں ان میں خدا نے ایک نبی مبعوث کیا ہے۔ اس کا بھلا اب میرا قبیلہ کیسے جوابی پیغمبر پیدا کرسکتا ہے؟ نہیں میں کبھی نہیں مانوں گا کہ بنی ہاشم کو یہ فخر حاصل ہو۔ اس قصے سے معلوم ہوگا کہ کم ظرفیا غرور اس کی عداوت کی بنیاد تھا۔

انسانی نفسیات ایک اور مطالعہ کرتے ہیں مدینے میں دو قبیلے تھے، اوس اور خزرج، جن کی رقابت بھی شدید تھی۔ خونریز جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ابی خزرج سے تھا۔ (۱۷) اُبی واحد شخص تھا جسے دونوں قبیلے لیڈر مانتے تھے۔

اسلامی تاریخ میں ابن ابی کو ''منافقوں کے سردار'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مدینے کے کسی شخص کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سولم کو اتنی پریشانی نہیں اٹھانی پڑی جتنی اس کی طرف سے پہنچی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے روایت معاملہ افک میں بہتان طرازی کی سب سے زیادہ ذمہ داری ابن ابی پر تھی۔ عمر بھر اس کی یہی کوشش رہی کہ مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو، کیوں؟ شاید مندرجہ ذیل واقعہ اس کا سبب ہو۔

آپ ﷺ کی مدینہ آمد سے قبل دونوں قبیلوں نے فیصلہ کیا تھا کہ ابی کو مدینے کا بادشاہ بنا دیا جائے۔ سناروں سے اس کے لئے ایک تاج بنانے کے لئے بھی کہہ دیا گیا تھا، جب مدینے والوں نے اسلام قبول کرلیا تو یہ تجویز یوں ہی رہ گئی۔ (۱۸)

قبیلہ خزرج کے الجد ابن قیس کا شمار منافقوں میں کرتے ہیں۔ (۱۹) اور یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن کریم سورت ۹ آیت ۴۹، میں یہ اسی کا قول نقل ہوا ہے۔ ولا تفتنی (۲۰) مجھے اجازت دیجئے اور مجھے آزمائش میں نہ ڈالے۔

اُس نے جو حرکتیں کیں ان کی وجہ سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل واقعہ نظر میں رکھیے، ابن ہشام یہ قصہ سناتے ہیں۔ ہجرت سے ذرا پہلے العقبہ کی مشہور و معروف مجلس میں بہتر ۷۲، آدمیوں نے حلف اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ مدینے والوں کی بارہ جماعتیں تھیں، حضور ﷺ نے ہر ایک کے لے، سردار مقرر فرمایا۔ قبیلہ بنوسلمہ کے بارے میں ہمارے مآخذ (ابن سعد) بتاتے ہیں کہ اس قبیلے کا نقیب یعنی سردار بشر ابن البراء ابن مارزور ہوا تھا۔ اس کی نامزدگی کا واقعہ اس طرح پیش آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا: ''آج کل تمہارا سردار کون ہے؟'' انہوں نے کہا:

''الجد ابن قیس، حالانکہ یہ شخص لالچی بہت ہے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لالچ سے بڑا عیب اور کونسا ہوسکتا ہے؟ تمہارا سردار یہ گندمی رنگ کا گھنگریالے بالوں والا آدمی بشر ابن البراء ہوگا۔'' (۲۱)

عیسائی راہب ابوعمیر: ایک اور دشمن کی نفسیات کا مطالعہ کریں ابوعمیر کا تعلق مدینے کے دوسرے قبیلے یعنی اوس سے تھا۔ اس کا بیٹا حنظلہ بڑی جلدی اسلام لے آیا تھا۔ وہ بالکل نوجوان تھا، اور اس نے اپنی دلہن کے ساتھ صرف ایک ہی رات گزاری تھی، اسے غسل کرنے کا وقت بھی نہیں ملا اور وہ سیدھا جاکے جنگ اُحد میں شریک ہوا اور صبح سویرے ہی شہید ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے ''غسیل الملائکہ'' کا خطاب عطا فرمایا: (یعنی جس شخص کو فرشتوں نے غسل دیا ہو) اس کا باپ ابوعمیر بھی دوسری جانب سے جنگ میں شریک تھا اور اہم خدمات اس کے سپرد تھیں۔ جنگ کے بعد وہ اپنے بیٹے کی لاش کے پاس گیا۔ اور بقول بلاذری کہا: ''اسی لئے تو میں تجھے اس شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے دور رکھتا تھا، اور ایسی ہی موت سے تجھے ڈراتا تھا۔ خدا کی قسم تیرے طور طریقے کیسے شریفانہ تھے اور تو اپنے ماں باپ کے ساتھ کیسی اچھی طرح پیش آتا تھا۔ (۲۲)

اگر اچھے عادات واطوار اچھی تربیت کا نتیجہ ہیں، اور اگر اچھی تربیت وہی والدین دے سکتے ہیں جو خود بھی اچھے اخلاق رکھتے ہوں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ابوعمیر بھی بلند کردار کا مالک اور قابل عزت آدمی ہوگا۔ بہرحال اس میں ذہنی تجسس تو تھا ہی، حالانکہ وہ بت پرستوں کے خاندان میں پیدا ہوا تھا۔ لیکن بقول بلاذری وہ اہل کتاب سے مل کر ان سے مباحثے کیا کرتا تھا، اور عیسائی راہبوں کی طرف وہ خاص طور سے مائل تھا۔ اسی لئے اس نے راہبوں سے ملنے کی خاطر کئی دفعہ شام اور فلسطین کا سفر کیا تھا۔ مذہب سے اتنے شغف کے باوجود پھر یہ کیسے ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موافقت نہ کرسکا، اور عیسائی راہب ہونے کے باوجود اس نے تلوار اٹھائی، باقاعدہ لڑائیوں میں حصہ لیا اور مرتے دم تک مخالفت پر اڑا رہا؟ (۲۳)

ہیثم ابن عدی نے جو تاریخ لکھی تھی وہ تو اب ضائع ہوچکی ہے، لیکن اس کا ایک معنی خیز اقتباس ہمیں بلاذری کے یہاں ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ابوعمیر خود بھی نبوت کا دعویٰ کرنا چاہتا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ شروع فرمائی اور آپ کو کامیابی حاصل ہونے لگی تو ابوعمیر کے دل میں بڑا حسد پیدا ہوا۔ (۲۴)

ابن ہشام کے یہاں بھی چند دوسری تفصیلات ملتی ہیں، جن کا تعلق اسی بات سے معلوم ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو ابوعمیر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس موقع پر مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

ابوعمیر: یہ کونسا دین ہے جو تم لے کر آئے ہو؟

رسول اللہ ﷺ: دین حنیف، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین

ابوعمیر: لیکن یہ تو میرا دین ہے۔

رسول اللہ ﷺ: نہیں ہرگز نہیں۔

ابوعمیر: ضرور ہے۔ محمد ﷺ یہ تم نے اس دین میں ایسی چیزیں شامل کی ہیں جو اس میں نہ تھیں۔

رسول اللہ ﷺ: ہرگز نہیں، بلکہ میں تو اس دین کو بغیر ملاوٹ کے خالص ترین شکل میں لے کر آیا ہوں۔

ابوعمیر: اچھا تو جو بھی جھوٹا ہو اسے اللہ پردیس میں عزیز واقارب سے دور موت نصیب کرے۔

رسول اللہ ﷺ: بالکل ٹھیک ہے، جو بھی جھوٹ بول رہا ہو اسے اللہ تعالیٰ ایسی ہی موت نصیب کرے اور ایسی موت ابوعمیر کو نصیب ہوئی۔ (۲۵)

اپنی فرانسیسی تصنیف ''محمد ﷺ اور دنیا کا خاتمہ'' میں کانووا Casanova لکھتا ہے: کہ میں محمد ﷺ کے زمانے میں عیسائیوں کو پیغمبر کے آنے کا پورا یقین تھا۔ قبیلہ کنانہ اور سلیم کے یہاں، یمن اور مدینہ میں آخری پیغمبر کے آنے کا انتظار ہو رہا تھا۔ کعب ابن الاشرف مدینے کے قبیلہ بنونضیر کا سردار تھا۔ ابن ہشام کے بقول، ایک رات کسی نے اُسے آواز دی وہ سونے کے لئے لیٹ چکا تھا۔ اس کی بیوی نے کہا نیچے مت جانا، مجھے اس آواز میں کچھ شرارت محسوس ہوتی ہے مگر اس نے کپڑے بھی نہ پہنے، بس ایک چادر اوڑھ لی، بولا: ''اگر کسی بہادر آدمی کو باہر بلایا جائے تو چاہے نیزے کا وار ہی کیوں نہ کھانا پڑے لیکن وہ

انکار نہیں کرسکتا۔(۲۶) یہی مصنف کہتا ہے کہ اس کا باپ قبیلہ بنہان سے تھا جو قبیلہ طے کی ایک شاخ ہے۔ لیکن اس کی ماں مدینے کے نضیری قبیلے کی تھی، اس قبیلے میں یہودی بھی شامل تھے یا نہیں؟ بہرحال غیرمذہب ہونے کے باوجود وہ بنونضیر کا سردار اوران کی عدالت کا سربراہ بن گیا۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک تھا۔

مگر وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موافقت نہ کرسکا۔ بلکہ بدر میں مسلمانوں کی فتح سے وہ اتنا مشتعل ہوا کہ اس نے اسلام کے دشمنوں کی بہادری اور خوبیوں کی مدح میں اشعار کہے۔ پھر وہ خاص طور پر مکہ گیا اور وہاں کے لوگوں کو انتقامی جنگ کے لئے تیار کیا آخرت اتنی نفرت اس کے دل میں کیوں پیدا ہوئی؟ ذیل واقعہ دیکھئے جو خاصا معنی خیز ہے۔

ابن ہشام ابن کثیر اور دوسرے مصنفوں کے بقول مدینے کے یہودیوں میں مختلف قبیلوں کے درمیان مساوات قائم تھی۔ مگر بنوقریظہ کا کوئی آدمی بنونضیر کے آدمی سے قتل ہوجاتا تو قاتل کو خون بہا کی مقررہ مقدار کی آدھی رقم دینی پڑتی، لیکن اگر معاملہ الٹا ہوتا تو آدمی کو دُگنی رقم مقتول نضیری کے رشتہ داروں کو قبیلہ کے دینی پڑتی۔(۲۷)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں اسلامی حکومت قائم کی اور یہودیوں کی مختلف جماعتیں بھی وفاقی وحدتوں کے طور پر اس میں شامل ہوگئیں، تو حضور ﷺ نے حقوق اور فرائض کے معاملے میں یہودیوں کے درمیان بھی مساوات کا اصول جاری فرمادیا۔ مقاتل نے اپنی تفسیر کے ضمن میں یہ دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں قتل کا ایک مقدمہ پیش ہوا تو آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ مجرم نضیری خونبہا کی مقررہ رقم پوری ادا کرے۔ اس پر نضیریوں کا سردار کعب ابن الاشرف جو اپنے قبیلے کی عدالت کا سربراہ بھی تھا، اور اس حیثیت سے کچھ وظیفہ بھی پاتا تھا، بگڑ بیٹھا اور چیخ کر بولا۔ نہیں، ہم تمہارا فیصلہ قبول نہیں کرتے اور نہ آئندہ قبول کریں گے۔ ہم تو اپنے پرانے رسم ورواج ہی پر چلیں گے۔"(۲۸)

مندرجہ بالا سیرت نگاری سے واضح ہوتا ہے اس عہد میں مسلم وغیر مسلم طبقہ کو سیرت کی طرف مائل کرنے کے لئے اسلوب سیرت نگاری کو جدید سائنٹیفک انداز میں لانے کی ضرورت ہے۔

سیرت اور علم نفسیات پر تصانیف: کچھ کتابیں اس حوالہ سے لکھی گئی ہیں۔ جس میں محمد عثمان تجاتی کی قرآن اور علم النفس اسی طرح حدیث اور علم النفس اہمیت کی حامل ہیں، لیکن مطالعہ کی نوعیت سطحی ہے۔ محمد عبداللہ سمان کی الرسول استاذ الحیاۃ جدید اسلوب میں لکھی گئی۔

۱۔ لبیب الریاشی کی نفسیة الرسول العربی محمد بن عبداللّٰه السوبر (مطبوعہ بیروت ۱۹۳۵ء) دارالریحان، (۲۹) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ علم نفسیات پر بہت سی عربی اردو انگریزی کتابیں لکھی گئی ہیں کچھ مزید یہ ہیں۔

۲۔ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم بن غالب، الاخلاق و السیر فی مداواۃ النفوس بیروت، دارالافاق الجدیدة ۱۹۷۸ء

۳۔ احمد محمد فارس، النماذج الانسانیة فی القرآن الکریم، بیروت، دارالفکرات،

۴۔ اریک فروم، النماذج الانسانیة فی القرآن الکریم، بیروت، دارالفکرات،

۵۔ اسامه محمد الراضی، الاسلام و امراض العصر ندوة علم النفس والا سلام، کلیه التربیة بجامعة الریاض (مطبوع علیٰ الالتة الکاتبة) المجلد الاول ۱۹۷۸ء

۶۔ جمال ماضی ابوالعزائم، القرآن و علم النفس، ندوة علم النفس والا سلام کلیة التربیة بجامعة ریاض، جلد اوّل ۱۹۷۸ء

۷۔ حسن محمد الشرقاوی، نحوعلمه نفس اسلامی الاسکندریه، الهتینه المعصریة العامة الکتاب (ت)

۸۔ سیگمنڈ فرائڈ، معالم التحلیل النفسانی، ترجمه محمد عثمان نجاتی، ط ۴، قاهره دارالنهضة العربیة ۱۹۶۶ء

۹۔ عبدالوهاب حموده، القرآن و علم النفس، قاهره، دارالقلم ۱۹۶۲ء

۱۰۔ فخرالدین محمد بن عمرالرازی، کتاب النفس والروح و شرح قواھما، تحقیق محمد صغیر حسن المعرمی، من منشورات معھد الابحث الاسلامیہ کراچی)

۱۱۔ فواد البھی السید، الاسہ النفسیة للنمو، ط.۴ القاھرہ، دارلفکر العربی ۱۹۷۵ء

۱۲۔ محمد قطب، دراسات فی النفس الانسانیة، بیروت، دارالشروق، ۱۹۷۹ء

۱۳۔ محمد عثمان نجاتي، ادراک الحسی عندابن سینا، بحث فی علم النفس عندالعرب، ط.۳، بروت دارالشروق ۱۹۸۰ء

۱۴۔ محمد عثمان نجاتی، علم النفس فی حیاتنا الیومیہ، ط۔ ۱۱، کویت دارالقلم ۱۹۸۴ء

۱۵۔ محمد عثمان نجاتی، الحدیث النبوی وعلم النفس، بیروت، دارالشرق ۱۹۸۹

تمت بالخیر

سترھویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورۂ بقرہ/۱۲۹،اور ۱۵۱،سورۂ آل عمران/۱۶۴،سورۂ الجمعہ/۲،

۲۔ سورۂ جمعہ/۲

۳۔ سورۂ النساء/۵۴

۴۔ سورۂ بقرہ/۲۵۱

۵۔ سورۂ لقمان/۱۲

۶۔ سورۂ بقرہ/۲۶۹

۷۔ سورۂ جمعہ/۲

۸۔ مضمون ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ماہنامہ ساحل کراچی دسمبر ۱۹۹ء ج/۱۱ ش/۱۲، ص/۸۴۔۸۵

۹۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد۔ دشمنان رسول خدا کی نفسیات ص/۱۰۔۱۷، ماہنامہ البلاغ کراچی دسمبر ۱۹۶۸ء

۱۰۔ سورۂ ۲۶/۲۱۴

۱۱۔ بلاذری الانساب ج/۱ص/۱۱۸

۱۲۔ ابن حبیب المحبر ص/۱۳۷، اور دیوان حساب بن ثابت، نظم ۳۹ ذیلی حاشیہ ص/۵۱

۱۳۔ بلاذری، الانساب ج/۱ص/۱۳۰۔۱۳۱

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ ابن ہشام سیرت النبی ص/۲۵۷ اور بلاذری کی الانساب ج/۱ص/۱۲۸

۱۷۔ ابن ہشام سیرت النبی ص/۲۱۱

۱۸۔ صحیح بخاری حصہ تفسیر ۶۳/۸، سیرت بن ہشام ص/۴۳، سہیلی روض الانف ج/۲

ص/۵۱

۱۹۔ ابن حبیب، المحبر ص/۳۶۹ اور سیرت ابن ہشام ص/۸۹۴

۲۰۔ سورۂ اعراف/۴۹

۲۱۔ سیرت ابن ہشام ص/۳۰۹، بلاذری ج/۱ص/۳۴۶

۲۲۔ بلاذری الانساب ج/۱ص/۳۲۹

۲۳۔ ایضاً ص/۲۸۰

۲۴۔ بلاذری الانساب ج/۱ص/۲۸۲

۲۵۔ ابن ہشام سیرت النبی ص/۳۱۱

۲۶۔ ابن ہشام سیرت النبی ص/۵۵۲ اور ۳۵۱

۲۷۔ ابن ہشام سیرت النبی ص/۲۹۶ تفسیر ابن کثیر ج/۲ص/۶۰

۲۸۔ تفسیر مقاتل سورۂ النساء/۴۴

۲۹۔ نقوش رسول نمبر محمد توفیق حسین سیرت نبوی پر عربوں کی نگارشات ج/۴: ص/۲۸۷، جنوری ۱۹۸۳ء ادارہ فروغ اردو لاہور۔

تمت بالخیر

اٹھارواں اصول: کتب مذاہب مقدسہ

بلند ایسے نہ رہے کسی نبی کے ہوئے　　　رہے نصیب کہ ہم امتی اسی کے ہوئے

اسلام دنیا کا آخری مذہب ہے لیکن اس مذہب اور مذہبی پیغمبر کا تذکرہ پچھلے تمام انبیاء نے کیا، ان پر نازل ہونے والی کتب وصحائف میں ذکر کیا گیا، آغاز اسلام میں دیگر مذاہب کے بعض علماء اپنی کتب میں ہمارے پیغمبر کی نشانیاں مطالعہ کرکے دائرہ اسلام میں شامل ہوئے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کی سچائی کی نشانیاں صرف کتب ساویہ ہی میں نہیں بلکہ بعض مذاہب کی کتب مقدسہ مثلاً گروگرنتھ وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔ سیرت نگار مستشرقین و مخالفین کے خلاف بطور الزام یا اسلام کی تائید کے لئے ان کتب سے استفادہ کرکے اسلام اور سیرت کو بہتر و مدلل انداز میں پیش کرسکتا ہے۔

سیرت طیبہ اور کتب مذاہب مقدسہ: قرآن کریم نے دیگر انبیاء اور ان کی کتب سے استفادہ کی ترغیب دی ہے۔ ممانعت نہیں کی، جیسا کہ میں آٹھویں اصول میں قصص الانبیاء کے ذیل میں لکھ چکا ہوں، یہی وجہ ہے بعض افراد کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے وہ اسلام قبول کرنے کے بعد میں ان کتب سے استفادہ کرتے تھے۔ مثلاً سرگین عبداللہ بن سلام جو یہودی عالم تھے اپنی کتاب میں موجود ہمارے پیغمبر کی علامات نبوت کا مطالعہ کرکے مسلمان ہوئے تھے۔ ان سے انبیاء سابقین کی روایات کتب سیر و مغازی میں موجود ہیں۔ اللہ کے ایک پیغمبر دانیال سے منسوب کتاب (مرویات عن اسفار دانیال) اسلام لانے کے بعد بھی ان کے پاس موجود تھیں، جنہیں انہوں نے حضرت عثمانؓ کے سامنے بھی پیش کیا تھا(۱) اسی طرح کعب احبار یہودی عالم تھے آپ سے آدم وحواء کے حوالہ سے قدیم روایات منقول ہیں۔ حدیث ذی الکفل منقول ہے۔ وفاۃ موسیٰ پر یہ آپ کی کتاب ہے۔(۲)

وہب بن منبہ تابعی ہیں قصص عالم وانبیاء کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ کے عالم تھے۔ کتاب الملوک اور قصص انبیاء آپ کی یادگاریں ہیں۔(۳) اسی طرح کتاب زبور داؤد (المعروف کتاب المزامیر) کا آپ نے ترجمہ کیا تھا۔ جو کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب ہے۔(۴) خود آپ ﷺ نے ایک دفعہ توریت کی عبارت پیش کر کے یہودیوں کو قائل کرنے کی کوشش کی اور عبداللہ بن سلامؓ نے اس کی تائید کی ہمیں اپنے اس موقف پر قرآن کریم سے بھی تائید ملتی ہے۔ قرآن کریم نے اہل کتاب کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ لوگ اپنی کتب میں موجود آپ ﷺ کی علامات کا مطالعہ کر کے اور آپ کی سیرت کو دیکھ کر اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ آپ سچے نبی ہیں۔

یعرفونہ کما یعرفون ابنائھم۔ (۵)

آپ کے سچے نبی ہونے کو یہ اتنی اچھی طرح پہچانتے ہیں جتنی اچھی طرح اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں۔

یعنی ایمان نہ لانے کی وجہ عدم علم نہیں بلکہ کتمان حق ہے۔

سورۂ انعام میں بھی یہی بات کرنے کے ساتھ منکرین کو خسارہ کی خبر دی ہے۔(۶) اور جن لوگوں نے مطالعہ کتب مقدسہ کی بنیاد پر اسلام قبول کیا ان کی تعریف کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل یأ مرھم بالمعروف وینھا ھم عن المنکر (۷)

ان لوگوں نے آپ ﷺ کی سچی نبوت کی نشانیاں اپنی کتب مقدسہ توریت وانجیل میں مطالعہ کی ہیں ایسی کتاب جو اچھائی کا حکم دیتی اور برائی سے روکتی ہے۔

جب قرآن کریم ان کتب مقدسہ کے مطالعہ واستفادہ کو عیب نہیں سمجھتا تو بھلا ان کتب سے استفادہ کیوں نہ کیا جائے۔ سورۃ الصف کے مطابق خود حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں قرآن کریم بتاتا ہے کہ انہوں نے بھی اپنی نبوت کی تصدیق کے لئے اپنے سے پچھلی کتب مقدسہ سے استفادہ کیا تھا۔(۸) لہٰذا عہد حاضر کے سیرت نگار کو ان کتب مقدسہ سے

الزامی نقطہ نظر یا تائیدی نقطہ نظر سے مطالعہ کرنا چاہئے۔ البتہ ان کتب میں جو باتیں اسلام سے متصادم ہیں انہیں نہیں لیا جائے گا۔

کتب مقدسہ میں سیرت طیبہ ﷺ کا مواد: کتب مقدسہ میں سیرت طیبہ کے بہت سے پہلوؤں کی طرف رہنمائی حاصل ہوتی ہے، باوجود کہ یہ کتب اصلی کتب نہیں بلکہ تحریف شدہ ہیں، پھر بھی اس میں بہت سا مواد محفوظ ہے۔ جس سے سیرت نگار استفادہ کرسکتا ہے۔ بطور نمونہ محمد قتیل صاحب کے مضمون نورانی تذکرہ سے استفادہ کرتے ہوئے کچھ پیراگراف پیش خدمت ہیں۔(۹) بہت سے سیرت نگاروں نے کتب مقدسہ سے استفادہ کر کے اپنی کتب سیرت مرتب کی ہیں۔ محمد قتیل لکھتے ہیں: آسمانی کتابیں اور صحیفے اب بھی پچاس ساٹھ کے قریب موجود ہیں۔ جن میں چار کتابیں قرآن عظیم، انجیل شریف، زبور پاک و توریت مقدس کتاب کہلاتی ہیں۔ باقی صحیفے ان مقربین میں سب سے پہلے بھی اور سب سے پیچھے بھی تاجدار مدینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہاں البتہ ظہور میں سب سے پہلے حضرت آدمؑ اور سب سے پیچھے محمد عربی ہیں۔ صلوٰۃ واللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

نبی کریم ﷺ کی آمد کی آسمانی بشارتیں: ان آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی تلاوت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سارے انبیاء سیدنا مسیح علیہ السلام لوکل پروفٹس (مقامی انبیاء) تھے۔ جن کا رقبہ نبوت ورسالت محدود، امت محدود، شریعت محدود و تبلیغ محدود، زمانہ محدود و مگر صرف ایک نبی یعنی سب سے آخری محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنٹرل و یونیورسل نبی و رسول ہیں، یعنی حضور ﷺ کی نبوت و رسالت پوری کائنات کو محیط ہے۔ (للعلمین نذیراً) اس لئے سارے انبیائے ماقبل اپنی اپنی امت کو آپ کی تشریف آوری، آپ کے مدارج، مناقب، محامد، کمالات، مقامات وغیرہ سے مطلع کرتے رہے اور خود اپنی حیثیت، اپنے مقام، اپنے دین، اپنی شریعت وغیرہ سے بھی اطلاع دیتے اور منادی کرتے آئے۔ چنانچہ سب سے پچھلے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو ہمارے نبی کریم حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تشریف لائے وہ سارے انبیاء کی نمائندگی فرماتے ہوئے بصیغہ جمع یوں ارشاد فرماتے ہیں:

ہم لوگوں کا علم ناقص ہے اور ہم لوگوں کی نبوت ناتمام لیکن جب کامل آ جائے گا تو ناقص جاتا رہے گا۔ (کرنتھین، ۱۳۔۹) انجیل

انجیل کی اس مقدس آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام تک نہ کتاب مکمل ہوئی تھی نہ شریعت، نہ دین مکمل تھا نہ نبوت، مگر خبر دی جا رہی ہے کہ میرے (مسیح) بعد ایک نبی آئے گا جو کامل ہوگا اور جب وہ آ جائے گا تو کتاب دین، شریعت، نبوت رسالت پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گی اور سارے ادیان سابقہ منسوخ اور ساری آسمانی کتابیں مرفوع ہو جائیں گی، چنانچہ جب وہ کامل واکمل تشریف لایا تو آسمانی ندا یوں آئی:

آلیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی الخ

آسمانی کتابیں دو عہد پر منقسم ہیں۔ ۱۔ کتب عہد عتیق، ۲۔ کتب عہد جدید، چنانچہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری دونوں عہد کی کتابوں میں بکثرت موجود اجمال وتفصیل دونوں کے ساتھ، اور بعض موقع پر اشتباہ کے طور پر بھی حضور ﷺ کی بشارت دی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

اے بنی اسرائیل کے گھرانے دیکھ میں ایک قوم کو دور سے تجھ پر چڑھا لاؤں گا، خداوند فرماتا ہے وہ زبردست قوم ہے۔ وہ قدیم قوم ہے۔ وہ ایسی قوم ہے جس کی زبان تو نہیں جانتا اور ان کی بات کو تو نہیں سمجھتا، ان کے ترکش کھلی قبریں ہیں وہ بہت بہادر ہیں۔ الخ (یرمیاہ: ۵۔۵، ۱۶) توریت

اس آیت میں عربوں کی طرف کھلا اشارہ ہے جن کی شجاعت و بہادری، جن کی قدامت ظاہر ہے، جن کی قوت و طاقت کا لوہا دنیا نے مان لیا ہے، جن کی زبان سے یورپ و امریکہ آج بھی ناواقف ہیں، اب چند اور بشارتیں کتب عہد عتیق سے ملاحظہ ہوں۔

آیت ذیل میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرماتا ہے:

۱۔ میں ان کے (بنی اسرائیل) کے لئے ان ہی کے بھائیوں (بنو اسمٰعیل) میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منھ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرے نام سے کہے گا نہ سنے تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔ (استثنا: ۱۸۔۱۷ تا ۱۹) توریت

۱۔اسی آیت کو انجیل شریف نے بھی بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے دہرایا ہے: وھو ھذٰ۔

چنانچہ موسیٰ نے حق فرمایا کہ تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ پر ایک نبی پیدا کرے گا جو کچھ وہ کہے اس کی سننا اور یہ ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا وہ امت میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ بلکہ سموئل سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے باتیں کیں، سبھوں نے اس کی خبریں دیں۔ (اعمال:۳۔۲۲ تا ۲۴) انجیل

ان آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ایک نبی آئے گا جو نبی کل و نبی عالمی ہوگا مگر وہ بنی اسرائیل سے نہ ہوگا بلکہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا۔ اس پر ایمان لانا فرض ہوگا۔ جو اس پر ایمان نہ لائے گا وہ جہنم واصل ہوگا وہ نبی خود سے نہ بولے گا بلکہ وحی الٰہی اس کی زبان پر ہوگی، یعنی اللہ تعالیٰ اس کی زبان پر بولے گا: ماینطق عن الھویٰ الخ اور سموئل سے لے کر آج تک جتنے نبی آئے ان سب نے اس نبی کی بشارت دی، چنانچہ چند بشارتیں اور ملاحظہ ہوں۔

خداوند سنیا سے آیا، سیر سے ان پر آشکار ہوا، وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ استثنا: ۳۳۔۲، ا۔توریت: اس آیت شریف سے صاف ظاہر ہے کہ آفتاب رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جبل فاران سے طلوع فرما کر پوری کائنات کو اپنے جلووں سے منور کر دے گا۔

اس نے سوار دیکھے جو دو دو آئے تھے، پہلے گھوڑوں، دوسرے گدھوں، تیسرے اونٹوں پر۔ (یسعیاہ: ۲۱۔۷)

اس آیت شریف سے بھی ظاہر ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ملک عرب سے ظاہر ہوں گے اور اونٹ سواری میں ہوگا۔ اس لئے کہ اونٹ عرب کی ملک ہے اور اونٹوں کو عرب سے ایک خاص نسبت ہے۔

دیکھ خداوند کا دن آیا ہے جب تیرا مال لوٹ کر تیرے اندر بانٹا جائے گا۔ (ذکریا: ۱۴۔۱)

حضرت سیدنا ذکریا یحییٰ ابن ذکریا و حضرت مسیح علیہم السلام یہ تینوں ایک ہی گھر کے اور ایک ہی وقت میں تھے۔ اس لئے آیت بالا صریحاً حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے کہ آپ آنحضرت کے بعد تشریف لائے اور میدان جہاد سامنے آ گیا۔

میں اسے (بیت المقدس) دوں گا، الٹ دوں گا، الٹ دوں گا، پر یوں بھی نہ رہے گا اور وہ آئے گا جس کا یہ حق ہے اور یہ میں اسے دے دونگا۔ (حزقی ایل:۲۱۔۲۷)

خدا تما سے آیا اور قدوس کوہ فاران سے (سلاہ) اس کا جلال آسمان پر چھالیا گیا اور ہے زمین اسکی حمد سے معمور ہوگئی۔ (حبقوق:۳۔۲)

رب الافواج فرماتا ہے کہ میں ساری قوموں کو ہلا دوں گا۔ اور ساری قوموں کا محبوب آ جائے گا اور میں اس کے گھر کو جلال سے معمور کر دوں گا۔ (حجی:۳۔۷)

دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا اور خداوند جس کے تم طالب ہو نا گہاں اپنی ہیکل میں آ موجود ہوگا۔ ہاں عہد کا رسول جس کے تم منتظر ہو آئے گا۔ (ملاکی:۳۔۱)

اس آیت شریف میں عہد کے رسول سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جن کی اطاعت کا سارے انبیاء عہد و اقرار کر چکے اور حلف وفاداری اٹھا چکے ہیں۔

(و اذا خذ اللّٰہ میثاق النبیین الخ)

تم خداوند کے حضور خاموش رہو کیونکہ خداوند کا دن نزدیک ہے۔ (صفنیاہ:۱۔۷)

اسی طرح اگر بشارتوں کی طرف اشارہ کرتا چلا جاؤں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے، اب رہیں کتب عہد جدید کی بشارتیں، اس کی تو کوئی حد ہی نہیں ہے۔ انشاء اللہ انہیں موقع موقع پیش کروں گا۔ سردست اس جگہ کتب عہد جدید سے چند بشارتیں پیش کرتا ہوں خود حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام نے مختلف موقعوں پر ارشاد فرمایا ہے۔

۱۔ یسوع نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (متی:۵۔۲۴)

۲۔ اُن بارہ حواریوں کو یسوع نے بلا بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی ملک میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی

بھیڑوں کے پاس اور چلتے چلتے منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی۔ (متی: ۱۔۵تا۷)

۳۔ اس وقت یسوع نے منادی کری اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہتِ نزدیک آگئی، (متی: ۴۔۱۷)

۴۔ پھر یوحنا کے پکڑوائے جانے کے بعد یسوع نے گلیل میں آکر خدا کی خوشخبری کی منادی کی اور کہا کہ وقت پورا ہوگیا اور خدا کی بادشاہت نزدیک آگئی۔ ''توبہ کرو اور خوشخبری کو مانو''۔ (مرقس: ۱۔۱۵)

خود حضرت مسیح کے پیرو مرشد حضرت یحییٰ علیہا السلام کا اعلان ملاحظہ ہو۔

۵۔ ان دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو آسمان کی بادشاہت بہت نزدیک آگئی ہے۔ (متی: ۳۔۱)

خود حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:

۶۔ اُس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ اب جہاں کا سردار (شاہزادۂ عالم) آتا ہے۔ (یوحنا: ۱۴۔۳۰)

کتبِ مقدسہ میں مکہ معظّمہ کی نشاندہی: یہ تمام آیتیں جو مذکور ہوئیں اس میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بار بار خبر دی گئی ہے کہ لوکل پروفٹ شپ ختم ہوتی ہے اور عالم گیر نبوت آ رہی ہے۔ یعنی اب وہ نبی آتا ہے جو عالمین پر فرماں روائی فرمائے گا اور ان کی سلطنت حکومت، نبوت و رسالت سے عالمین میں نہ کوئی ذرہ نہ کوئی قطرہ باہر ہوگا اور اس کے ظہور کا مقام فاران ہے، یعنی مکہ معظّمہ پس وہ نبی آخرالزماں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا دارالسلطنت مکہ معظّمہ ہوگا اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد مجد حضرت اسمٰعیل اسی مکہ معظّمہ کے ریگستانوں میں اپنی اہلیہ کے ساتھ رہتے تھے جن کے بیٹے قیدار اور پر پوتے بہت تھے اور یہ اجداد حضور میں ہیں جیسا کہ خود توریت شریف میں ارشاد ہے۔

خدا اس لڑکے (اسمٰعیل) کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیرا انداز بنا اور فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اس کے لئے

بیوی لی۔" (پیدائش:۲۱۔۲۰و۲۱)

واضح ہو کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ مصر کی رہنے والی اور بادشاہ مصر رقیوں کی بیٹی تھیں، ان تمام آیتوں سے مقام کا پتہ صاف مل گیا کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور فاران یعنی مکہ معظمہ سے ہوگا۔

آسمانی کتابوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی بھی موجود ہے، حضرت سلیمانؑ صحیفے غزل الغزلات میں حضور ﷺ کا نام نامی محمدیم ہے۔ عبرانی زبان میں یم "اظہار تعظیم واحترام کے لئے لگائے ہیں۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ کو عبرانی زبان میں آلوہیم، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو "محمدیم" کہتے ہیں۔

عصبیت کا برا ہو، پادری صاحبان نے "محمدیم" کا ترجمہ کہیں عشق انگیز، کہیں تشفی بخش" لکھا ہے۔ ان کے تعصب نے اسم معرفہ کا بھی ترجمہ کر دیا۔ عبارت غزلی الغزلات ملاحظہ ہو۔

میرا محبوب سرخ ہیت وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔ اس کا سر خالص سونا ہے۔ خوبی میں رشک سرد ہے اس کا منہ ازبس شیریں ہے، ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے، یروشلم کی بیٹیوں۔ (غزل الغزلات:۵۔۱۰تا۱۶)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف انجیل میں احمد ہے مگر اس کا بھی ترجمہ ہوگیا۔

کتب مقدسہ میں جائے ولادت کا تعین: جائے ولادت کا تعین بھی آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔ چونکہ حضرت آدم تا مسیح علیہم السلام کوئی نبی مکہ معظمہ میں پیدا ہی نہ ہوا اس لئے مکہ معظمہ کو آسمانی کتابوں نے بانجھ کہہ کے مخاطب کیا ہے مگر چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا وہیں لاکر چھوڑی گئی تھیں اور آپ ہی کی نسل میں حضرت نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں ہی پیدا ہوئے اس لئے آسمانی کتابیں مکہ معظمہ کو مبارک بادیاں پیش کر رہی ہیں۔

اے بانجھ تو بے اولاد تھی، نغمہ سرائی کو تو جس نے ولادت کا درد برداشت نہیں کیا، خوشی سے گا، اور زور سے چلا کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ بیکس چھوڑی ہوئی کی اولاد شوہر والی کی

اولاد سے زیادہ ہے۔ اپنی خیمہ گاہ کو وسیع کر دے، ہاں اپنے مسکنوں کے پردے پھیلا، دریغ نہ کر اپنی ڈوریاں لمبی اور اپنی میخیں مضبوط کر، اس لئے کہ تو داہنے اور بائیں بڑھے گی اور تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی الخ۔ (یسعیاہ: ۵۴۔۳ تا ۴)

اس مبارک باد کو تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کے ساتھ ملا کر پڑھے تو معنی اور بھی زیادہ واضح ہو جائیں گے۔

ناظرین یقیناً آگاہ ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت دعا فرمائی تھی۔ جو قرآن عظیم میں بھی مذکور ہے، اور توریت میں بھی، اس دعا کی قبولیت کی بشارت توریت میں یوں دی گئی ہے۔

میں نے تیری دعا اسمٰعیل کے حق میں قبول کی دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے بہرہ مند کروں گا۔ اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ شہزادے پیدا ہوں گے۔ اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا الخ۔ (پیدائش: ۱۷۔۲۰)

آیات بالا کی مبارک باد میں بیکس چھوڑی ہوئی سے حضرت ہاجرہ مراد ہیں، اور شوہر والی سے حضرت سارہ، خیمہ گاہ وسیع کر، مسکنوں کے پردے پھیلا، ڈوریاں لمبی، میخیں مضبوط کر، داہنے اور بائیں بڑھے گی۔ ان تمام باتوں کا مفہوم یہی ہے کہ لوکل پروفٹ یعنی مقامی نبوت ختم ہوگی اور آسمانی بادشاہت کا فرماں رواں آرہا ہے، جو پوری کائنات پر حکمراں ہوگا۔ (للعلمین نذیرا) اب ذرا دوسری مبارکباد ملاحظہ ہو۔

بیابان اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں، سلعے کے بسنے والے گیت گائیں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں الخ۔ (یسعیاہ: ۴۲۔۱۱)

قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے صاحبزادے کا نام ہے جو اپنے والد ماجد کے ساتھ فاران یعنی مکہ میں رہتے تھے، توریت نے یہ بھی بشارت دی ہے کہ قیدار اور قیدار کے پوتے بنت کی اولاد میں حضرت نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا خیر مقدم کریں گے اور ایمان لائیں گی۔ آیت ملاحظہ ہو:

قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ بنا بوت (بنت) کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔ (یسعیاہ ۶۰۔۷)

ان تمام آیتوں سے جو اوپر بیان ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں بڑی جاہ و جلال کے ساتھ رونق افروز ہوں گے۔ حضور کے سال ولادت کی خبر صحیفہ حضرت دانیال علیہ السلام میں موجود ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک بار حضرت دانیال علیہ السلام عالم واقعہ میں بطور مکاشفے بیت المقدس کی تباہی و بربادی، قتل و قتال دیکھ رہے تھے جو بادشاہ طرطوس اور اس کے باپ کے ہاتھ سے ۷۰ء میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ حضرت دانیال علیہ السلام کو اس مقدس شہر کے حال پر نہایت قلق و صدمہ ہوا۔ مختصراً صحیفہ دانیال میں اس طرح ہے۔

ہاں میں (دانیال) دعا میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ وہی تھیں شخص جبرئیل نے مجھے چھوا اور کہا...... تیرے لوگوں اور تیرے مقدس شہر کے لئے ستر ہفتے مقرر کئے گئے کہ خطا کاری اور گناہ کا خاتمہ ہو جائے، بدکرداری کا کفارہ دیا جائے، ابدی راست بازی قائم ہو، رویا اور نبوت پر مہر ہو۔ (دانیال: ۹۔۲۱ تا ۲۴)

ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ دانیال علیہ السلام اپنے شہر کی تباہی و ہلاکت مکاشفے میں دیکھ کر رو دیئے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کی معرفت انہیں خبر دی کہ آج سے ستر ہفتے کے بعد فاتح بیت المقدس پیدا ہوگا۔ جو یہاں کی بداعمالیوں اور خرابیوں کو دور کرے گا۔ راست بازی قائم کرے گا اور اسی پر وحی الٰہی اور نبوت کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ واضح ہو کہ توریت و انجیل کے ہفتے سات سال کے ہوتے ہیں۔ اس لئے ستر ہفتے کے معنی ۴۹۰ سال ہوئے اور ۸۰ء کا واقعہ ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۸۰+۴۹ یعنی ۵۷۰ء ہوئے اور یہی حضور ﷺ کی ولادت شریف کا سال ہے، اور حضور ہی پر وحی الٰہی کا سلسلہ بھی تمام ہو گیا اور نبوت بھی ختم ہو گئی۔

کتب مقدسہ میں حضور ﷺ کی سیادت کا اعتراف: چونکہ سارے انبیاء علیہم السلام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبریں دی تھیں اور چونکہ خود مسیح علیہ السلام کے بعد کفر و شرک عام ہو گیا تھا، حتیٰ کہ بیت المقدس میں تین بت اور بیت اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بت رکھے گئے۔ چاند سورج، پانی پتھر، آگ، درخت، جانور وغیرہ پوجے جانے لگے۔ اس لئے لوگ بہت بے چینی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا

انتظار کر رہے تھے اور اس وقت کے انبیاء بڑے شدومد سے حضور ﷺ کی خبریں دینے لگے چنانچہ حضرت یحییٰ فرماتے ہیں:

تیرے بعد وہ شخص آنے والا ہے، جو مجھ سے زور آور ہے، میں اس لائق نہیں کہ جھک کر اس کی جوتیوں کا تسمہ کھولوں۔ (مرقس: ۱۔۷)

جب لوگ منتظر تھے اور سب اپنے دل میں یوحنا (یحییٰ) کی بات سوچتے تھے کہ آیا وہ مسیح ہے یا نہیں تو یوحنا نے ان سے جواب میں کہا ...... مجھ سے زور آور ہے وہ آنے والا ہے میں اس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے لائق نہیں۔ (لوقا: ۲۔۱۵، ۱۶)

خود حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مرید و مسترشد حضرت مسیح علیہ السلام جنہوں نے یحییٰ علیہ السلام سے پتمہ لیا تھا یوں اس نبی کی خبر دیتے ہیں۔

انجیل شریف: اُس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار (شہزادۂ عالم) آتا ہے۔ اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ (یوحنا: ۱۴۔۳۰)

مجھ میں اس کا کچھ نہیں، ایک انگریزی محاورے کا لفظی ترجمہ ہے۔ جس کا با محاورہ ترجمہ یہ ہے۔ میں اس کے پاسنگ کے قابل نہیں۔ آسمانی کتابوں نے بھی حضور ﷺ کو ''سید الانبیاء'' لکھا ہے۔ آیت ملاحظہ ہو۔

انجیل شریف: ''اور جب سردار گلہ بان ظاہر ہوگا تو تم کو جلال کا ایک سہرا ملے گا جو مرجھائے گا نہیں۔'' (۱۔پطرس۔۴)

توریت اور انجیل میں بھیڑی سے مراد امت ہے اور گلہ بان سے انبیاء سردار گلہ بان یعنی سید الانبیاء۔

قرآن عظیم و احادیث نبوی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ''نور'' مذکور ہیں۔ اگلی آسمانی کتابوں میں بھی حضور نور ہی نور ہیں، آیت ملاحظہ ہو:

انجیل شریف: ''ایک آدمی یوحنا (حضرت یحییٰ) نام آموجود ہوا۔ جو خداوند کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ یہ گواہی کے لئے آیا تھا۔ کہ نور کی گواہی دے تاکہ اس کے وسیلے سے ایمان لادیں۔ وہ (یحییٰ) خود تو نور نہ تھا مگر نور کی گواہی دینے کو آیا تھا۔ حقیقی نور جو ہر آدمی کو روشن کرتا ہے دنیا میں آنے کو تھا'' (یوحنا: ۱۔۶ تا ۹)

یوحنا یعنی حضرت یحییٰ نبی ہیں، مگر انجیل کہتی ہے کہ وہ خود نور نہیں ہیں، بلکہ آنے

والے نور کی جو حقیقی نور ہے گواہی دینے کو آئے تھے۔ (انا من نور اللہ)
زبور مقدس: ''اپنے نور اور اپنی سچائی کو بھیج وہی میری رہبری کریں۔'' (زبور ۴۳۔۳)
زبور مقدس: ''کیونکہ زندگی کا سرچشمہ تیرے پاس ہے تیرے نور کی بدولت ہم روشنی دیکھیں گے۔'' (۲۶۔۹)
توریت شریف: ''وہ کوہ فاراں سے جلوہ گر ہوا۔'' (استثنا: ۳۔۱)
انگریزی انجیل میں ''شائیڈ'' Shined ہے یعنی چمکا اور یہ صرف نور ہی کے لئے کہہ سکتے ہیں۔
آسمانی کتابوں میں بھی حضور سارے عالم کے لئے نبی مذکور ہیں آیت ملاحظہ ہو۔
انجیل شریف: ''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے۔'' (یوحنا: ۱۴۔۳۰)
انجیل شریف: ''جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سنا اور یہ ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا امت میں سے نیست نابود کر دیا جائے گا۔'' (اعمال: ۳۔۲۳و۲۴)
توریت مقدس: 'میں اپنا کلام اس کے منھ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔ (استثنا: ۱۸۔۱۸)
زبور شریف: ''وہ آرہا ہے۔ وہ زمین کی عدالت کرنے کو آرہا ہے۔ وہ صداقت سے جہاں کی اور اپنی سچائی سے قوموں کی عدالت کرے گا۔ (زبور ۹۲۔۱۳)
زبور شریف: ''اس کی بجلیوں نے جہاں کو روشن کر دیا، زمین نے دیکھا اور کانپ گئی۔ (زبور: ۹۷۔۴)

کتب مقدسہ میں ہجرت کا ذکر: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا ذکر بھی آسمانی کتابوں میں درج ہے۔ آیتیں ملاحظہ ہوں۔
زبور مقدس: ''صادق خوشی منائیں۔ وہ خدا کے نزدیک شادماں ہوں۔ دیکھ وہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں'' صحرا کے سوار کے لئے شاہراہ تیار کرو۔ بسن کا پہاڑ خدا کا پہاڑ

بسن کا پہاڑ اونچا پہاڑ ہے۔ اے اونچے پہاڑ تم اس پہاڑ بسن کا پہاڑ اونچا پہاڑ ہے، اے اونچے پہاڑو تم اس پہاڑ کو کیوں تاکتے ہو۔ جسے خدا نے اپنی سکونت کے لئے پسند کیا ہے۔ بلکہ خداوند اس میں ابتک رہے گا۔ (زبور: ۶۸۔ ۱۶ تا ۱۶)

بسن مدینہ طیبہ کا ایک پہاڑ ہے جسے باشان بھی کہتے ہیں۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ کوئی صادق اس ہجرت میں حضور ﷺ کا رفیق ہوگا۔ شب ہجرت دشمنوں کا حملہ کرنا دشمنوں کی پسپائی و ناکامی اور حضور ﷺ کا دشمنوں سے نکل جانا بھی مذکور ہے۔

زبور مقدس: ''اس سے عداوت رکھنے والے اس کے سامنے سے بھاگ جائیں، جیسے دھواں اڑ جاتا ہے۔ ویسے ہی تو ان کو اڑا دے۔ جیسے موم آگ کے سامنے پگھل جاتا ہے۔'' (زبور: ۱۔ ۱ و ۲)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ طیبہ پہنچنا حضور ﷺ کا استقبال، عورتیں، لڑکیاں، ان کا دف لے کر گانا خوش آمدید کہنا سب مذکور ہے، ملاحظہ ہو۔

زبور مقدس: ''اے خدا لوگوں نے تیری آمد دیکھی، مقدس میرے خدا، میرے بادشاہ کی آمد۔ گانے والے آگے آگے اور بجانے والے پیچھے پیچھے چلے، دف بجانے والی جوان لڑکیاں بیچ میں۔'' (زبور: ۶۸۔ ۲۴ و ۲۵)

عورتیں اور لڑکیاں جو نغمہ گا رہی تھیں، ملاحظہ ہو

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ حضور ﷺ کو ہجرت کے بعد فاتح ہونے کی حیثیت سے دوبارہ مکہ معظمہ میں لاؤں گا اور وہ لوگ جو جنگ کے خوف سے مکہ چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں گے انہیں پھر لا کر مکہ میں بسایا جائے گا۔ آسمانی کتابوں میں مذکور ہے۔

زبور مقدس: ''خداوند نے فرمایا کہ میں ان کو بسن (جبل مدینہ) پر لاؤں گا۔ لوگوں کو سمندر کی تہہ سے نکال لاؤں گا۔'' (زبور: ۲۸۔ ۲۲)

چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ ۸ھ میں فاتحانہ داخل مکہ ہوئے، جس کا تین آسمانی کتابوں میں اشارہ ہے دھو ہذا۔

۱۔ غزل الغزلات: ”میرا محبوب سرخ و سفید ہے وہ دس ہزار میں ممتاز ہے، غزل الغزلات: ۵۔۱۰و۱۱

۲۔ توریت: ”وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت ہے۔“ (استثنا: ۳۳۔۲)

۳۔ نامہ یہوداہ: ”ان کے بارے میں حنوک نے بھی جو آدم سے ساتویں پشت میں تھا یہ پیش گوئی کی تھی کہ دیکھو خداوند اپنے دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا۔“ (یہوداہ کا پہلا خط: ۱۔۱۴)

ان تینوں کتابوں میں دس ہزار قدوسیوں کی خبر دی گئی ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ فتح مکہ میں حضور ﷺ کے ساتھ گئے ہوئے دس ہزار صحابہ کرامؓ تھے، نہ ایک کم نہ ایک زیادہ پورے دس ہزار۔

آسمانی کتابوں میں یہ بھی خبر ہے کہ فتح مکہ کے بعد سے پھر بیت المقدس میں بھی نہ بت پرستی ہوگی۔ نہ بتوں کا نام ونشان باقی رہے گا۔

انجیل مقدس: ”یسوع نے اس سے کہا کہ اے عورت میری بات کا یقین کر کہ وہ وقت آتا ہے کہ تم نہ تو اس پہاڑ پر باپ کی پرستش کروگی نہ بیت المقدس میں“۔ (یوحنا: ۴۔ ۲۱)

انجیل مقدس: ”ہمارے خداوند یسوع مسیح کے بتانے کے موافق مجھے معلوم ہے کہ میرے خیمے گرائے جانے کا وقت جلد آنے والا ہے۔“ (پطرس کا دوسرا خط: ۱۔۱۴)

کتب مقدسہ میں اعلان طہارت مریم: جب یہود حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف متوجہ ہونے لگے بلکہ ایمان لانے لگے تو یہودیوں نے عیسائیوں پر سختی کرنی شروع کی اور آپ کی والدہ ماجدہ پر بطور طعنہ اتہام باندھنے لگے، چنانچہ ان لوگوں نے یہ بات حضرت مسیح کی خدمت اقدس میں پیش کی حضرت مسیح نے جواباً فرمایا:

انجیل شریف: ”جب وہ سچائی کی روح آئے گا...... تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ اور مجھے پاک وصاف باعظمت کردے گا۔“ (یوحنا: ۱۶۔۱۴)

اس پر یہودیوں نے بھی سختی شروع کی کہ ایسا شخص تو نبی ہو ہی نہیں سکتا۔ اس

وقت حضرت مسیح نے فرمایا:

انجیل شریف: ''جب وہ مددگار آئے گا، جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا۔ یعنی سچائی کی روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔'' (یوحنا: ۱۵۔۲۶)

ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ حضور انور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی صفات وہ ہے جس سے حضرت مریم علیہا السلام کے بہتان والزام کا ازالہ ہو جائے گا۔ اور حضور ﷺ ہی کی گواہی پر رسالت مسیحی موقوف و منحصر ہوگی۔ اور حقیقۃً ایسا ہی ہوا بھی کہ قرآن عظیم نے اس پوزیشن کو صاف کر دیا اور مسکت جواب دیا۔

کتب مقدسہ میں قرآن کریم کا ذکر: آسمانی کتابوں میں ہمارے قرآن عظیم کا ذکر بڑی شان سے آیا ہے۔

۱۔ توریت مقدس: ''وہ کوہ فاراں سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اس کے داہنے ہاتھ پر اس کے لئے آتشی شریعت تھی۔ (استثنا: ۳۳۔۲)

۲۔ زبور پاک: ''خداوند کی شریعت کامل ہے۔ خداوند کے قوانین راحت ہیں...... خداوند کا حکم بے عیب ہے۔ الخ'' (زبور: ۱۹۔۷ تا ۹)

۳۔ انجیل شریف: ''اور جو تخت پر بیٹھا تھا میں نے اس کے داہنے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی جو اندر سے اور باہر سے لکھی ہوئی تھی اور اسے سات مہریں لگا کر بند کیا گیا تھا۔'' (مکاشفہ: ۱۵۔۱)

۴۔ توریت مقدس: ''میں ان بنی اسرائیل کے لئے انہیں کے بھائیوں (بنی اسمٰعیل) میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔'' (استثنا: ۱۸۔۱۸)

۵۔ زبور شریف: ''خداوند کا کلام پاک ہے اس چاندی کے مانند جو بھٹی پر تپائی گئی۔ اور سات بار صاف کی گئی ہو تو ہی اے خداوند ان کی حفاظت کرے گا۔ تو ہی ان کو اس پشت سے ہمیشہ تک بچائے رکھے گا۔ الخ'' (زبور: ۱۲۔۶ و ۷)

۶۔ زبور شریف: ''خداوند کی حمد کرو، خداوند کے حضور نیا گیت گاؤ اور

مقدسوں کے مجمع میں اس کی مدح سرائی کرو۔'' (زبور: ۱۴۹۔۱)

۷۔ یسعیاہ: ''اے سمندر پر گزرنے والو اور اس میں بسنے والو، اے جزیرہ اور اس کے باشندوں خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ زمین پر سرتا سرا کی ستائش کرو الخ'' (یسعیاہ: ۴۲۔۱۰)

ان آیتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ نبی خاتم الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت آتشیں ہوگی۔ آپ کی کتاب اللہ تعالیٰ کی زبان میں ہوگی۔ اس میں ایک لفظ بھی حضور پرنور ﷺ کا نہ ہوگا۔ جو آیت ہوگی چاندی کی طرح خالص تپائی ہوئی ہوگی۔ اس پر سات مہریں یعنی سات آیتوں والی سورۂ فاتحہ ہوگی، ہمیشہ مقدسوں کے مجمع یعنی نماز کی ہر رکعت میں قرآن عظیم کی تلاوت اسی میں شروع کی جائے گی۔ وہ کتاب مکمل اس کا دین کامل اس کے نبی کی نبوت عالمین پر محیط ہے وہ ایک نیا گیت ہے اور حمد سے شروع ہے یعنی وحی الٰہی کے لئے یہ ایک نئی زبان ہوگی (عربی)

نسخ شرائع سابقہ: اس کے علاوہ اگلی کل کتابیں نامکمل، کل نبوتیں ناتمام جو ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ونزول قرآن کے بعد منسوخ ومرفوع ہیں جیسا کہ خود انجیل کا ارشاد ہے۔

انجیل شریف: ''ہم لوگوں کا علم ناقص ہے اور ہم لوگوں کی نبوت ناتمام لیکن جب کامل آئے گا تو ناقص جاتا رہے گا۔'' (اکرنتھین: ۱۳۔۹و۱۰)

انجیل مقدس کی اس خبر سے صاف ظاہر ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک نبوتیں ناتمام وشریعتیں ناقص نامکمل تھیں۔ پس جب نبی برحق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوا۔

الیوم اکملت لکم دینکم

تو دین شریعت قانون، کتاب نبوت، رسالت مکمل ہو کر، تمام کو پہنچ گئیں، اور اس وقت سارے ادیان منسوخ اور ساری کتابیں مرفوع ہوگئیں اور اب میرے رسول کی ڈیوڑھی کے سوا کہیں ٹھکانہ نہیں۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست   اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

سیرت اور کتب مقدسہ کے حوالہ سے تصانیف: اس موضوع پر ایک کتاب

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی شہادۃ الاقوام کے نام سے ہے۔ رسالت کے سائے میں ڈاکٹر عبدالحلیم عویس مترجم ڈاکٹر مقتدیٰ حسن کی ہے۔

آخری نبی اور تورات بشیر احمد جالندھری، فارقلیط کون ہے بشیر احمد حسینی، انا جیل اور ہمارے نبی عبداللطیف ڈسکوی، محمد کی نبوت پر بائبل کی گواہی احمد دیدات، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین ابوالحسنات محمد اشرف۔ مذاہب عالم میں تذکرہ خیر الانام۔ میثاق النبیین دنیا کی جملہ مذہبی کتب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مولانا عبدالحق ودیارتھی کہ انتہائی عمدہ لاجواب کتاب ہے اصل مأخذ کے حوالہ جات و پیراگرافوں کے ساتھ ان کتب میں زیادہ تر آسمانی کتب کے اقتباسات اور کچھ کتب مقدسہ کو پیش کے حوالے سے بھی مباحث ہیں، لیکن کچھ کتابیں خاص کتب مقدسہ نظر رکھ کر لکھی گئیں ہیں۔

جیسے گروگرنتھ صاحب اور اسلام ابوالامان امرتسری، سکھ مت اور توجہ حامد علی ویدک دھوم اور دین اسلام عباداللہ گیانی۔ اگر اب بھی نہ جاگے تو؟ شمس نوید عثمانی کی ہندو کتب کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کو سچا ثابت کیا ہے۔

یہ تو وہ کتب تھیں جنہیں کتب مقدسہ کے حوالوں سے: نبی کریم ﷺ کی صداقت کے لئے الزامی حیثیت سے لکھا گیا ہے کچھ کتابیں وہ ہیں جن میں بعد کے غیر مسلموں کے اعتراضات اور نبی کریم ﷺ کو جو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے اسے جمع کیا ہے یہ مباحث مذکورہ بالا کتب میں بھی ضمناً آئے ہیں اس موضوع پر سب سے عمدہ کتاب تجلیات سیرت کے نام سے ڈاکٹر حافظ محمد ثانی صاحب کی فضلی سنز سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ستار طاہر کی ایک عالم ہے ثنا خواں آپ کا اور پروفیسر بقا شریف کی رسول اکرم مغربی اہل دانش کی نظر میں بہر زمان بہر زماں (غیر مسلموں کی نعتیہ خراج عقیدت) نور احمد میرٹھی مقام رسول اپنوں اور غیروں کی نظر میں محمد اکرم ﷺ کبوۃ کی قابل ذکر ہیں۔

کتب مذاہب مقدسہ کو الزامی ماخذ کا عنوان دینا زیادہ بہتر ہوگا اور اسی حیثیت میں سیرت نگار آج تک ان کتب کے حوالے دیتے رہے ہیں کتب مقدسہ بھی دو قسم کی ہیں، پہلی قسم ان کتب کی ہے جنہیں ہم آسمانی کتب کا عنوان دے سکتے ہیں جیسے انجیل (برناباس/متی) کلام مقدس کے نام سے بھی مقدس بائبل کے نام سے بھی اور کتاب العھد الجدید کے نام سے بھی موجود ہے اس کے علاوہ دیگر دو کتابیں توریت اور زبور ہیں۔ ان تین

کتابوں کے علاوہ دیگر مذاہب کی کتب مقدسہ مثلاً ہندوؤں کی بھگوت گیتا اور گرونانک کی گرنتھ، چپ جی (منظوم کلام کا ترجمہ) وغیرہ ان تمام کتابوں میں نبی کریم ﷺ کے سچا ہونے کا اور آپ کی آمد کا تذکرہ ملتا ہے ان کتابوں میں آپ ﷺ کی صداقت کی صریح علامات موجود ہیں، جنہیں مختلف حضرات نے انتہائی محنت کے ساتھ غیر مسلموں کے خلاف الزامی حیثیت سے عربی اردو میں مرتب کی ہیں۔ عربی میں البشارات والمقارنات محمد الصادقی کی محمد الرسول فی التورات والانجیل، عبداللطیف، محمد فی التوراۃ والانجیل والقرآن، ابراہیم خلیل احمد۔ الادلۃ علی صدق النبوۃ المحمدیۃ وردالشبہات عنہا (مقالۃ پی ایچ ڈی) ہدیٰ عبدالکریم مرعی کی قابل ذکر ہیں، اس کے علاوہ اسی موضوع پر اردو میں بھی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔

ابوطالب کے دواشعار میں اس طرح خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

وابیض یستقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

یلوذہ الھلاک من ال ھاشم فھم عندہ فی رحمۃ و فواضل

وہ سفید رنگ والے جن کے چہرے سے بارش طلب کی جاتی ہے، وہ یتیموں کا فریادرس اور بیوہ عورتوں کی عصمت ہے۔ آل ہاشم میں سے ہلاک ہونے والا اس کی پناہ میں ہوتا ہے آل ہاشم اس کی شفقت اور رحمت میں آجاتے ہیں۔

اٹھارویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ سزگین محمد فواد تاریخ علوم اسلامیہ مترجم شیخ نذیر حسین پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی لاہور ج/۲ص/۸۱

۲۔ ایضاً ج/۲ص/۸۲

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

۵۔ سورۃ بقرہ/۲۰

۶۔ سورۃ الانعام/۲۰

۷۔ سورۃ الاعراف/۱۵

۸۔ سورۃ الصف/۶

۹۔ قتیل داناپوری، سید محمد قاسم نورانی تذکرہ آسمانی صحائف میں سیدنا محمد عربی نمبر برکاتی پبلشرز کراچی ۱۹۸۷ء ص/۶۳۹

تمت بالخیر

انیسواں اصول: علم ادب جاھلیہ ہے

ابو الوالبرکات لکھتے ہیں: قدیم عرب کے تاریخی معلومات کے ذرائع باقی نہ رہے۔ صرف دو ذریعہ ہے کہ اس سے جو کچھ معلوم ہو اوہ تو بلاشبہ صحیح ہے۔ لیکن اس کے سوا اور جتنے ذرائع ہیں سب مشتبہ ہیں۔ ایک قرآن کریم ہے اس سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ دویم خود جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیانات ہیں۔ ان دو کے سوا عرب جاہلیت کے اشعار اور اور زبانی رواتیوں کا درجہ ہے۔ مگر جس طرح ہندوستان کے بت پرستوں میں رامائن اور مہا بھارت کے متعلق مبالغہ آمیز بیانات اور اشعار مشہور ہیں ویسے ہی عربوں میں بھی تھے۔ اُن میں سے اُن باتوں کی صحت میں شبہ نہیں، جس کی تصدیق قرآن پاک یا احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے بعد وہ باتیں بھی قابل سماعت ہوسکتی ہیں جو مختلف بیانات میں قدر مشترک کا حکم رکھتی ہوں۔ عرب کی تاریخ کا کچھ حصہ بائبل میں بھی ملتا ہے۔ مگر موجودہ بائبل تحریف شدہ ہے۔ تاہم تاریخ کی کوئی تحریر اس سے زیادہ قدیم نہیں مل سکتی۔ اور یہ یقینی ہے کہ جس قدر تحریف زبانی روایات میں یا شعراء کے کلام میں ہوئی ہے۔ اتنی ایک مذہبی کتاب میں نہیں ہوسکتی۔ اس لئے بائبل کی رواتیوں کو دوسرے بیانات پر یقیناً ترجیح حاصل ہوگی۔ (۱)

ادب جاہلیہ کی دو قسمیں ہیں، شعر اور نثر شعر کی اہمیت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے۔ نثر کے مقابلہ میں عرب میں شعر کا رواج زیادہ تھا، البتہ یہ ذخیرہ تحریری سرمایہ کی صورت میں بہت محدود ہے۔ اس ذخیرہ میں مدح، ہجو، تہنیہ، مرثیہ، فخر، شجاعت، تشبیب، غزل غرض جملہ انواع ادب موجود ہیں۔ (۲)

جاہلیت کی لغوی و اصطلاحی تعریف: ادب جاہلیہ کا جائزہ لینے سے پہلے یہ واضح کرنا چاہوں گا کہ "جاہلیہ" کیا ہے اور اس کا مفہوم کیا ہے تا کہ سیرت نگار استفادہ کی حدود سے آگاہ ہو چکے جہل جہالت اور جاہلیت کے لغوی معنی بیوقوفی سفاہت حماقت نادانی اور ظلم

کے ہیں (ناخواندگی کا مفہوم اس میں داخل نہیں ہے) مشہور عہد جاہلی کا شاعر عمرو بن کلثوم تغلبی کہتا ہے۔

الا لا یجھلن احد علینا ۔ فنجھل فوق الجھل الجاھلینا(۳)

اصطلاح میں جاہلیت کہتے ہیں:

ایسا دور جس میں کسی ملک میں کوئی شریعت، کوئی صاحب وحی نبی اور کوئی الہامی کتاب نہ ہو، درحقیقت عرب کا دور جاہلیت دونبیوں کا ''درمیانی زمانہ'' یا ''دور فترت'' ہے یہ زمانہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درمیانی زمانہ ہے جس میں کوئی شریعت عرب میں باقی نہ رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کی دعوات مقامی نوعیت کی ہیں اور یہ نبی صرف بنی اسرائیل کے لئے مبعوث ہوئے تھے، لہٰذا ان کی تعلیمات سرزمین عرب کے لئے نہ تھیں۔

عرب ثقافت وتہذیب کے میدان میں دیگر اقوام سے پیچھے نہ تھے وہ زیر نظر عہد جاہلیت میں اپنے تہذیب تنوع کے ساتھ ساتھ مذہبی تنوع کے لئے بھی ممتاز تھے۔ تمام جزیرہ نما مذاہب عالم کے حق میں ایک عالم اصغر تھا۔ جس میں دنیا کے تمام طریقہ ہائے عبادت مختلف شکلوں میں موجود تھیں۔ (۴)

امام ابن تیمیہؒ کی رائے: ناصرین عبدالکریم اپنے پی ایچ ڈی مقالہ میں ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: لفظ ''الجاھلیہ'' ایک کیفیت کا نام ہے اسی مناسبت سے ''طائفتہ جاھلیہ'' ''عادۃ جاھلیہ'' ''سنۃ جاھلیۃ'' اور شاعر جاھلی'' کے الفاظ سے عدم علم اور عدم اتباع علم مراد ہوتا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص صحیح بات کو نہیں جانتا تو اسے جاہل کہا جاتا ہے۔ بمعنی ''جہل بسیط'' اور اگر نہ جاننے کے باوجود جاننے کا دعویٰ ہو تو اس جہل کو ''جہل مرکب'' کہا جاتا ہے، اسی طرح کوئی عالم جان بوجھ کر حق کے خلاف کوئی بات کہے تو اسے بھی جاہل کہا جاتا ہے۔ (۵) جاہلیت سے وہ زمانہ مراد ہے جس میں جاہلوں کی کثرت تھی اور یہ اسلام سے پہلے کا زمانہ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ جاہلیت کا زمانہ ''فترت'' کا زمانہ ہے، یعنی وہ زمانہ جو دو رسولوں کے درمیان تھا۔ کبھی اس کا اطلاق مطلق زمانہ کفر پر ہوتا ہے کبھی فتح (مکہ) سے پہلے کے زمانے پر اور کبھی اس زمانے پر جو ولادت نبوی ﷺ اور بعثت کے

درمیان ہے۔(۶)

ابن خالویہ سے (۷) مروی ہے کہ یہ لفظ ایسا نام جو بعہد اسلام وجود میں آیا اور اس سے بعثت نبوی ﷺ سے پہلے کا زمانہ مراد لیا جاتا ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیت انہی معنوں کی حامل ہے:

یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاهلیة (۹)

یہ لوگ عہد جاہلیت کے خیالات کی طرح اللہ تعالیٰ کے متعلق غلط قسم کے خیالات رکھتے ہیں۔

اس کے بعد محمود شکری کہتے ہیں: نووی (۱۰) کا مسلم کی شرح میں متعدد مقامات پر حتمی طور پر یہ کہنا کہ جہاں کہیں بھی یہ الفاظ آئے اس سے یہی مراد لی جاتی ہے غور طلب ہے کیونکہ لفظ جاہلیت کا اطلاق گزشتہ زمانے پر ہوتا ہے اور مراد ماقبل اسلام کا زمانہ لیا جاتا ہے اور اس کا آخری زمانہ فتح مکہ لیا جاتا ہے۔(۱۱)

اس کی تشریح یہ ہے کہ جاہلیت کا لفظ کبھی تو حالت جاہلیت کے نام کے طور پر بولا جاتا ہے اور کتاب وسنت میں بالعموم یہی معنی مراد لئے جاتے ہیں اور کبھی ذوالحال (یعنی وہ شخص یا لوگ جو اس حالت میں ہوں) مراد لی جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمانا:

انک امرو فیک جاهلیة

تجھ میں جاہلیت کی حالت پائی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ زبان عربی میں "ایام الجاہلیت" کے معنی ایام ناخواندگی یا نوشت وخواند سے عاری دور ہرگز ہرگز نہیں بلکہ اس کے لغوی اور اطلاقی معنی یہ ہیں:

الوثنیة فی بلاد العرب قبل الاسلام و تطلق الجاهلیة علی احوال العرب قبل الاسلام (۱۲)

یعنی وہ بت پرستی جو بلاد عرب میں اسلام سے قبل رائج تھی اور اس لفظ کا اطلاق اسلام سے قبل عربوں کے احوال پر کیا جاتا ہے۔

چنانچہ کلام عرب میں اس لفظ کا اطلاق حلم، شائستگی اور بردباری کے بالمقابل

جذباتیت، تنگ ظرفی اور مشتعل مزاجی کے مفہوم میں ہوا ہے۔ ایام جاہلیت ہی کا ایک شاعر الحفو الزیانی، حرب البسوس کے موقع پر کہتا ہے:

بعض الحلم عند الجهل للذلة اذعان

یعنی حلم اور بردباری ایسے موقعے پر پیش کرنا جہاں اشتعال پرور جذبات موجزن ہوں، گویا اپنے اوپر ذلت مسلّط کرنا ہے۔

ایک اور شاعر کہتا ہے:

حليم از اماالحلم كان جلالة وَاجهل اَحْيَاناً اذا التمسواجهلی

یعنی جب تک حلم اور بردباری کو وقعت اور توقیر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، میں حلیم اور بردبار بنا رہتا ہوں، لیکن جب کبھی میرے جذبات کو قصداً برانگیختہ کیا جاتا ہے تو پھر میں بھی مشتعل ہو جاتا ہوں۔

کلام مجید نے بھی الجاہلیۃ کا لفظ ضد، ہٹ اور جذباتیت پسندی کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

اذجعل الذين كفروافي قلوبهم الحمية حمية الجاهلية(۱۳)

یاد کرو، جب کہ کافروں نے (صلح حدیبیہ کے موقع پر) اُسی درشتگی، خشونت اور تشدد مزاجی کو اپنے قلوب میں جگہ دی، جو اُن کی حمیۃ جاہلیہ کا شعار ہے۔

اس مذکورہ بالا آیت کے علاوہ کلام مجید نے من جملہ ۲۴ مقامات پر لفظ جہل مختلف اشتقاقی ترکیبوں سے استعمال کیا ہے اور کہیں بھی اس کے معنی ان پڑھ اور ناخواندہ کے نہیں نکلتے۔(۱۴)

مندرجہ بالا تشریحات سے یہ ثابت ہوا کہ جاہلیۃ کے معنی خشونت، تنگ ظرفی، مشتعل مزاجی، حماقت و سفاہت، لاعلمی، حق ناشناسی، جذباتیت اور بت پرستی کے ایام و احوال تو ضرور ہیں، ناخواندہ، اور اَن پڑھ ہونا ہرگز نہیں۔

چنانچہ علمی اور حقیقت پسندانہ تقاضوں کے تحت یہ غیر مناسب بات ہوگی کہ بعثت

نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب و بعید کے زمانے کے لوگوں کے لئے اور سارے بلاد عرب کے لئے لفظ جاہلیہ کا غلط سہارا لے کر ہم انہیں اَن پڑھ اور نوشت و خواند سے عاری سمجھتے رہیں اور لفظ الامیون اور الجاہلون میں فرق نہ کرتے ہوئے دونوں کے معنی اَن پڑھ اور کوری ذہنیت والا سمجھتے رہیں۔ اگر الفاظ کی معنی آفرینی کا یہی وطیرہ اور مشغلہ جاری رہا تو پھر یاد رکھیں کہ اس طرح تمام اَن پڑھ خدا کے حضور توبہ کے مستحق اور تمام پڑھے لکھے توبہ کی نعمت سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انما التوبة على الله للذين يعملون السوٓء بجهالة ثم يتوبون من قريب (۱۵)

خبردار کہ توبہ اللہ تعالیٰ پر ان لوگوں کے لئے ہے جو کوئی برے کام کرتا ہے حماقت سے (یعنی وفور جذبات سے مغلوب ہوکر) اور پھر فوراً ہی باز آجاتا ہے (یعنی اُن کے لئے نہیں جو جان بوجھ کر عمداً اور مستقلاً ارتکاب جرم کرتا رہے)۔

یہاں یہ نکتہ بھی واضح ہوا کہ قانون سے عدم واقفیت کسی جرم کے ارتکاب کا جواز فراہم نہیں کرتا اور اس دنیا میں بیشتر جرائم کبیرہ وفور جذبات سے مغلوب ہوکر ہی سرزد ہوا کرتے ہیں، نہ کہ نوشت و خواند سے محروم ہونے کے سبب یہاں عدل الٰہی کے ایک بے نظیر آفاقی اصول کی جانب واضح اشارہ ملتا ہے۔

آخر میں لفظ جاہل کے معنی ایام جاہلیہ ہی کے ایک شاعر عبداللہ بن زبعری کے اشعار میں ملاحظہ فرمائیے جو اس نے مکہ مکرمہ پر ابرھا کی فوج کشی اور شکست کے موقع پر کہے تھے۔ اس میں اُس نے لفظ جاہلین بمعنی ناواقفین کے استعمال کیا ہے نہ کہ اَن پڑھ:

واسئد امير الجيش عن ماتد راى ولسرف ينبى الجاهلين عليمها

ستون الفالم يربوا ارضهم بل لم يعش بعد الاياب سقيمها

فوج کے سپہ سالار نے کیا کچھ دیکھا، اس کی بابت اسی سے سوال کرو، ورنہ واقف حال جو ہیں وہ تو ضرور ہی ناواقف لوگوں تک اس کی خبر پہنچائیں، ساٹھ ہزار کی فوج میں سے کوئی بھی زندہ بچ کر اپنے وطن

واپس نہ جا سکا۔ اگر کوئی ایک آدھ گرتا پڑتا واپس گیا بھی تو وہ بھی زندہ نہ بچ سکا۔

ایام جاہلیہ کا مفہوم ایک عیسائی محقق کے الفاظ میں اس طرح ہے۔

This term, however has only a meaning when opposed to the age of knowledge (of God) and (Religious) civilzation, which is supposed to have begun with islam. It stresses the ignorance of a "true religion" not the absence of any religion."(16)

بہر حال اس اصطلاح کا مفہوم صرف اس تقابل ہی میں ملتا ہے جو اس معرفت (الٰہی) اور تمدن و حضارت (مذہبی) کے دور سے متعلق ہے، جس کا مفروضہ اور متعینہ آغاز اسلام سے ہوتا ہے۔ اس کا مفہوم صراحت کے ساتھ حقیقی دین کا عدم عرفان ہے، نہ کہ سرے سے ہر قسم کے مذہبی تخیل کا فقدان۔

حفظ و حافظہ کے سلسلہ میں عربوں کی بے پناہ صلاحیت اس بات کے لئے کس طرح ثبوت فراہم کرتی ہے کہ وہ من حیث القوم اَن پڑھ تھے۔ ناخواندگی اُن کو محبوب تھی اور نوشت وخواند سے انہیں پیدائشی نفرت تھی۔ بلکہ یہ تو ان کے اعلیٰ علمی ذوق کی ایک دلیل فراہم کرتی ہے کہ وہ اپنی ادب نوازی میں قوت حافظہ کا شاندار مظاہرہ اس لئے کرتے تھے کہ اس میں وہ ایک شان امتیازی محسوس کرتے تھے۔ اس ترقی یافتہ دور میں بھی کوئی مقرر اگر اپنی تحریر کردہ تقریر سامعین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ تو وہ گھٹیا معلوم ہوتا ہے۔ اس مقرر کے مقابلہ میں جو اپنے حافظے اور طلاقت لسانی کے ذریعہ اپنا مافی الضمیر پیش کرتا ہے۔ اُن کا یہ ذوق اتنا پختہ تھا کہ فی البدیہ Extempore اشعار گوئی کی مثالیں جتنی کثرت سے کلام عرب کے شعراء سے متعلق کتابوں میں درج ہیں، کسی دوسری زبان کی شاعری میں نہیں ملتیں۔ اور آج بھی اسلامی دنیا میں وہ شخص محدثین کی صفت میں کمزور سمجھا جاتا ہے جو احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت اپنے حافظہ سے نہ کرتا ہو، بلکہ لکھی لکھائی کتاب پڑھ کر پیش کرتا ہو۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

عربوں کا حافظہ فطرتاً نہایت قوی تھا۔ وہ سینکڑوں شعر کے قصیدے

> زبانی یاد رکھتے تھے۔ ایک ایک محدث کئی کئی ہزار اور کئی کئی لاکھ حدیثیں زبانی یاد کرتا تھا اور یاد رکھتا تھا اور گو بعد میں لوگ اپنی یادداشت کے لئے لکھ بھی لیتے تھے۔ مگر جب تک وہ زبانی یاد نہ رکھتے، اہل علم کی نگاہوں میں اُن کی عزت نہیں ہوتی تھی اور وہ خود اپنی تحریری یادداشتوں کو عیب کی طرح چھپاتے تھے، تاکہ لوگ ایسا نہ سمجھیں کہ ان کو یہ چیزیں یاد نہیں۔ (۱۷)

دیوان "الحماسہ" کے مولف ابوتمام حبیب بن اوس الطائی کے متعلق یہ تحقیق ہے کہ انہیں کلام عرب کے چودہ ہزار رجزیہ اشعار زبانی یاد تھے۔ اس کے علاوہ قطعات اور قصائد جو انہیں یاد تھے، اس شمار میں شامل نہیں:

> انه كان يحفظ اربعة عشر الف ارجوزةً للعرب غير القطعات و القصائد (۱۸)

اہل مکہ کا علم سے جاہل رہنا ویسے بھی ناممکن تھا۔ مکہ (مکرمہ) کہ معاشی فراوانی اپنے جغرافیائی محل وقوع اور ہندوستان کی جانب اہم تجارتی شاہراہ سے تعلق کی مرہون منت تھی، خلیج فارس کی بندرگاہوں اور ساتھ ہی یمن کی جانب سے شرق اوسط اور ہندوستان کی منافع بخش مصنوعات اور پیداوار کا ریلا بہہ رہا تھا اور اسی طرح شام کی جانب سے بحیرۂ روم کے ممالک سے اُن کی مصنوعات و پیداوار کی ریل پیل تھی۔ ہم مکہ (مکرمہ) کو پڑوسی حکومتوں سے مذاکرات کرتے ہوئے اپنے تجارتی قافلوں کے لئے محفوظ آمدورفت اور آزاد راہ داری حاصل کرتے ہوئے اور روم، حبشہ، فارس اور یمن کے حکمرانوں سے تجارتی معاہدات طے کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ (۱۹) اسکی تائید کونتان کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ (۲۰)

سیرت کا ادب جاہلیہ سے تعلق: آپ ﷺ نے اپنا بچپن عربوں کے رواج کے مطابق دیہات میں گزارا جہاں اصل عربی کا رواج تھا۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے جو مثال استعارے محاورات استعمال ہوتے ہیں انہیں ادب جاہلیہ کے ذریعہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی اصل عربی کو زندہ رکھنے کے لئے ادب جاہلیہ سے استفادہ کرنے کا حکم دیا

تھا۔ دوسرے یہ کہ اس ادب کے ذریعہ عہد نبوی ﷺ کے پس منظر، عہد نبوی کی مشکلات، عربوں کے رسم ورواج کو سمجھ کر قرآن کریم اور سیرت کو سمجھنے میں آسانی ہوتی۔

ادب جاہلیہ پر تصانیف: اس پہلو پر بہت سے مصنفوں ومؤرخوں نے قلم اٹھایا ہے لیکن کچھ مصنفین وہ ہیں جنہوں نے خصوصی طور سے ادب جاہلیہ کو موضوع بنایا ہے تصانیف یہ ہیں۔

۱۔ الانبشاق۔ لمحمد أسعد طلس ۱۹۵۹ھ

۲۔ تاريخ العرب القديم و عصر الرسول۔ لنبيه عاقل

۳۔ عصر ماقبل الإسلام۔ لمحمد مبروک نافع

۴۔ عصر النبي وبيئته قبل البعثة۔ لمحمد عزة دروذه

۵۔ العرب قبل الإسلام۔ لجرجي زيدان ۱۹۱۴ھ

۶۔ لماذا ظهر الإسلام فی جزيرة العرب۔ لأحمد موسى سالم

۷۔ محاضرات فی تاريخ العرب۔ لصالح أحمد العلی

۸۔ محمد و عصره۔ لعمر أبي النصر البيرونی

۹۔ مطلع النور، أو طوالع البعثة المحمدية۔ لعباس محمود العقاد ۱۹۶۴م

۱۰۔ المفصل فی تاريخ العرب قبل الإسلام۔ للدكتور جواد علی

۱۱۔ الارج المسكی و التاريخ المكی علی عبدالقادر الطبری ۱۰۷۰ھ(۲۱)

اس کے علاوہ تاریخ ادب عربی حسن زیات کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ الادب الجاهلی طہ حسین کی، (اس کا بھی اردو ترجمہ ہو چکا ہے) تاریخ الادب العربی العصر الجاہلی ڈاکٹر شوقی ضیف کی تاریخ ادب عربی مقتدیٰ حسن کی اردو میں ہے۔

المدينة فی صدر الاسلام الحياة الادبية دكتور محمد عيد الخطراوی کی۔ مصادر الشعر الجاهلی و قيمتها التار يخية الدكتور ناصر الدين الأسد (مقالہ پی ایچ ڈی)۔ شرح الشعر الجاهلی الدكتور احمد جمال

العمری۔ ادباء العرب بطرس البنانی کی چار جلدوں میں الموجز فی الادب العربی حنا الفاخوری کی چار جلدیں الحیاۃ الاجتماعیۃ فی الشعر الجاھلی الدکتور فاطمۃ عبدالفتاح کا (پی ایچ ڈی مقالہ ہے)۔ بلوغ الارب شعرالحرب فی الجاھلیۃ عند الاؤس والخزرج دکتور محمد عبد الخطراوی کی ہے۔ تاریخ الادب العربی جعفر سید باقر، نہایت الارب فی فنون الادب شہاب الدین النویری کی ۱۸/جلدوں میں ہے۔ کتاب الکامل للمبرذ چار جلدوں میں ہے۔ المدینۃ فی العصر الجاھلی الحیاۃ الادبیۃ اور المدفیہ فی العصر الجاھلی الحیاۃ الا جتماعیۃ والسیاسیۃ والثقانیۃ دکتور محمد عید الخطرادی کی کتابیں قابل ذکر ہیں۔ ان کتابوں میں موجود مواد کے ذریعہ عہد جاہلیہ (جو کہ ۱۰۰ سالوں پر محیط ہے) کی مکمل تصویر اور ابتدائی عہد اسلامیہ کی تاریخ، تہذیب و معاشرت سامنے آجاتی ہے۔ سیرت نگاروں کے لئے ضروری ہے اس مواد کو پیش نظر رکھ کر عہد نبوی کا پس منظر واضح کرے تاکہ سیرت نبویہ ﷺ خوب نکھر کر سامنے آئے۔

تمت بالخیر

انیسویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ ابوالبرکات، عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر ص/۳۱

۲۔ حمادہ، ڈاکٹر فاروق، مصادر السیرۃ النبویۃ و تقویمھا دارالثقافۃ مغرب ص/۹۳

۳۔ شرح المعلقات السبع۔ ابوعبداللہ زوزنی مصر مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۷۹، ص/۱۳۶

۴۔ نقوش سیرت، ص/۱۸۲

۵۔ التقلید والتبعیۃ واثر ھمانی کیان الامۃ الاسلامیۃ : ناصر بن عبدالکریم، الریاض جامعۃ امام محمد بن سعود

۶۔ بلوغ الارب محمود شکری آلوسی لاہور مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۲۷ء، ج/۱ص/۲۹

۷۔ ابن خالویہ: الاستاد ابوعبداللہ الحسین بن احمد الھمد انی النحوی اللغوی، کچھ عرصہ بغداد میں رہے۔ پھر حلب چلے آئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی، اور وہیں ۳۷۰ھ میں وفات پائی، سیف الدولہ کی مجلس میں ان کی متنبی سے نوک جھونک رہتی تھی۔

۸۔ عسقلانی، ابن حجر آل حجر ایک قوم ہے جو فارس کی زمین میں بلاد الجرید کے آخری حصے میں آباد ہے۔ ان کی شرح کا نام فتح الباری ہے جو تیرہ جلدوں میں مصر میں چھپ چکی ہے۔

۹۔ سورۃ آل عمران ۱۵۴

۱۰۔ شیخ السلام محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی اور النواوی بھی بولتے ہیں، حافظ حدیث اور زاہد تھے، پیدائش ۶۳۱ھ اور وفات ۶۷۶ھ

۱۱۔ فتح الباری، ج/۷ص/۱۱۲ مطبعۃ الکبری المبریہ ۱۳۰۰ھ میں عبارت یوں دی ہے۔ وضابط آخرہ غالب فتح مکہ۔

۱۲۔ المنجدفی اللغۃ والاعلام بذیل مادہ جھل

۱۳۔ سورۃ الفتح/۲۶

۱۴۔ دیکھئے: ۶۷:۲، ۲۷۳:۲، ۱۵۴:۳، ۱۷:۴، ۵۰:۵، ۳۵:۶، ۵۴:۶، ۱۱۱:۶، ۱۳۸:۷، ۱۹۹:۷، ۲۹:۱۱، ۴۶:۱۱، ۳۳:۱۲، ۸۹:۱۲، ۱۱۹:۱۶، ۶۳:۲۵، ۵۵:۲۷، ۵۵:۲۸، ۳۳:۳۳، ۷۲:۳۳، ۶۴:۳۹، ۲۳:۴۶، ۲۶:۴۸، ۶:۴۹

۱۵۔ سورۃ النساء/ ۱۷

۱۶- The Arab Heritage, p.48, by Julian Oberman & Nabih Amin Faris

۱۷۔ منقول از رسول نمبر، سیارہ ڈائجسٹ/ ۳۹

۱۸۔ تمہید دیوان الحماسۃ محمد عبدالمنعم خفاجی، ج/ ۱ص/ ۷

۱۹۔ Lamman`s op., cit., p.13, reproduced from Mulana Abdul Majid Daryabadi`s commentary of The Holy Quran, p.634-A

۲۰۔ History of Arabia Before Muhammad by Delacyo Leary, D.D. Alliance Publishers Lahore 1989, p.179- 189

۲۰۔ المنجد، صلاح الدین ۔ معجم ماالف عن رسول اللہ ﷺ، دار الکتاب الجدید بیروت ۱۹۸۲ء ص/ ۱۵،

تمت

بیسواں اصول: مخضرمی واسلامی ادب

سیرت نگاری کے اصولوں میں سے بیسواں اصول میں نے مخضرمی واسلامی ادب کو قرار دیا ہے۔ یہ وہ عہد ہے جب جاہلیت کی زمین سے اسلامی ادب کا احیاء ہوتا ہے اور اس کی آبیاری میں شعراء کے ساتھ اسلام بھی اپنے اثرات ڈالتا ہے۔ نئی نئی اصطلاحات اور پرانے الفاظ و اصطلاحات کو نئے نئے معنی دیئے جاتے ہیں۔ ادب کے اس نئے چہرہ کو اسلامی ادب کہا جاتا ہے۔

مخضرمی کی لغوی و اصطلاحی تعریف: ابن قتیبہ کہتے ہیں: مجھ سے عبدالرحمان نے اصمعی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ:

> ایک جماعت نے اسلام قبول کیا، وہ اونٹوں پر سوار تھے۔ انہوں نے اپنے اونٹوں کے کان کنارے سے کاٹ دیئے (اور چونکہ ایسے اونٹ کو جس کے کان کاٹ دیا گیا ہو "مخضرم" کہتے ہیں) اس لئے ان تمام لوگوں کو جنھوں نے اسلام اور جاہلیت کا زمانہ پایا "مخضرم" کہا گیا۔ درحقیقت ایسے شخص کو "مخضرم" کہا جاتا ہے جس نے بڑی عمر میں اسلام کا زمانہ پایا ہو، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اسلام قبول نہ کیا ہو اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد مسلمان ہوا ہو۔"

علماء ادب کی اصطلاح میں ایسے شاعر کو "مخضرم" کہا گیا ہے، جس نے جاہلیت اور اسلام دونوں ہی زمانے پائے ہوں اور دونوں زمانوں میں اشعار کہے ہوں۔

ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی لکھتے ہیں: لغت میں مخضرم کے دو معنی ہیں:

۱۔ اونٹ کے کان کاٹنا، ۲۔ ملانا

جاہلی زمانے میں رواج تھا کہ عرب اپنے اونٹوں کے کان ایک مخصوص جگہ سے

کاٹ دیتے تھے، لیکن جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ وہ اپنے اونٹوں کے کان اس جگہ سے نہ کاٹیں جس جگہ سے زمانہ جاہلی میں کاٹتے تھے، تاکہ ان کے اور غیر مسلموں کے اونٹوں میں فرق کیا جاسکے۔ اس طرح جاہلی زمانہ کے "خضرمۃ" (اونٹ کے کان کاٹنا) اور مسلمانوں کے زمانے کے "خضرمۃ" میں نمایاں فرق ہوگیا۔

حدیث میں آتا ہے کہ بنو تمیم کے کچھ لوگوں نے ایک جگہ رات گزاری ان کے اونٹ (مسلمان) ہنکا لے گئے تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے اسلامی طریقہ سے ان کے کان کاٹے ہیں اور یہ کہ وہ لوگ مسلمان ہیں تو ان کے اونٹ ان کو واپس کر دیے گئے۔ کان کاٹنے کے اسی امتیازی طریقے کو دھیان میں رکھتے ہوئے "ہر اس شخص کو جس نے جاہلی اور اسلامی دونوں زمانے پائے مخضرم کہتے ہیں"۔ کیونکہ اس نے دونوں قسم کے خضرمۃ پائے، یعنی اسلامی زمانہ کا خضرمۃ اور جاہلی طریقہ کا خضرمتہ اور اسی سے "رجل مخضرم" اس آدمی کو کہتے ہیں جس نے اپنی عمر کا آدھا حصہ جاہلی زمانہ میں اور آدھا اسلامی زمانہ میں گزارا ہو، اسی طرح شاعر "مخضرم" وہ شاعر جس نے جاہلی اور اسلامی دونوں زمانے پائے ہوں، جیسے لبید وغیرہ۔ جنہوں نے دونوں زمانے دیکھے۔ (۱)۔ اسی طرح رجل مخضرم اس آدمی کو بھی کہتے ہیں جس کا ختنہ نہ ہوا ہو۔

۲۔ ملانا: القاموس المحیط مولفہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی (۱۳۲۹۔۱۴۱۴) میں مادۃ خضرم کے تحت آیا ہے کہ "المُخَضرَمُ" "ر" پر زبر کے ساتھ وہ آدمی جس کا ختنہ نہ ہوا ہو۔ (۲) وہ آدمی جس نے اپنی آدھی عمر جاہلی زمانہ میں اور آدھی اسلامی زمانہ میں گزاری ہو، یعنی دونوں زمانوں کو ملایا ہو، یا وہ آدمی جس نے یہ دونوں زمانے پائے ہوں۔ یا وہ شاعر جس نے یہ دونوں زمانے پائے ہوں، جیسے لبید، یا وہ کالا حبشی جس کا باپ سفید عرب یعنی دو رنگ اپنی ذات میں ملائے ہوں۔ سب کے لئے یہ لفظ مستعمل ہے۔

عبدالقادر البغدادی (۱۶۲۰ء۔۱۶۸۲ء) نے خزانۃ الادب ج اول (۳) میں ...... کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اہل لغت کی اصطلاح میں "المُخَضرَمُ" اس آدمی کو کہتے ہیں جس نے آدھی زندگی جاہلی زمانہ اور آدھی اسلامی زمانہ میں گزاری ہو، چاہے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو، یعنی دونوں زمانوں کو اپنی زندگی میں ملایا ہو، اس مفہوم کو بڑھا کر بعد

میں مخضرم ان شاعروں کو بھی کہا جانے لگا، جنھوں نے دو زمانے یعنی بنوامیہ اور بنوعباس کے زمانے دیکھے ہوں، جیسے "رؤبة العجاج ، اور حما " کہ دونوں نے آنکھ کھولی بنوامیہ کے زمانے میں اور انتقال وہاعباسی زمانے میں۔

حَضْرَمَةُ' بجائے خضرمة (ح بجاخ) کی بھی روایت ہے۔ جس کے معنی بھی ملانے کے ہیں۔ جیسے شَاعِرٌ' مُخضرَم' یعنی وہ شاعر جس نے اسلامی اور جاہلی دونوں زمانے ملائے ہوں۔ ابن خلکان نے مُخضرِمَةُ' (ذ کے نیچے زیر) کی روایت کی ہے۔

غرض کہ مُخَضرَمُ' اور مُخضرِمُ' دونوں کے معنی دورنوں کو ملانے کے ہیں، اس طرح اصطلاح میں مُخضرَمُ' وہ شاعر ہے جس نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ اور جاہلی زمانہ دونوں دیکھے ہوں چاہئے آپ سے ملا ہو یا نہ ملا ہو۔ اس قسم کے شاعر مسلمان بھی تھے اور غیر مسلم بھی۔ اس لئے عام طور سے ادبی اصطلاح میں مخضرم صرف اس شاعر کو کہتے ہیں جس نے دونوں زمانے دیکھے ہوں، اور مسلمان بھی ہوا ہو، چاہے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو، جیسے لبید بن ابی ربیعہ طبقہ مخضر مین ہیں چوں کہ عام طور سے تمام شعراء مسلمان ہیں، اس لئے ان کے یہاں زندگی کا منفی پہلو یا تصور نہیں پایا جاتا جیسا کہ جاہلی شاعری میں اکثر حالات اور شاعر کی نفسیاتی کیفیت کی وجہ سے ملتا ہے۔ بلکہ ایک نئی زندگی کا تخیل اور ایک نئے سماج کا تصور اور ایک نئے ڈھنگ اور نئے رنگ سے کارگاہ حیات میں پورے عزم اور حوصلہ کے ساتھ اپنا روں ادا کرنے کا مصمم ارادہ ملتا ہے۔ اور یہ سب دین ہے اسلام کی جس نے جاہلی زمانہ کے کھنڈرات پر ایک نئی زندگی کا قصر زرین تعمیر کیا اور یہیں سے عربی زبان وادب میں بقول بطرس البستانی قرآن کریم کے طفیل نیا اسلوب بیان اور نیا انداز تعبیر کا آغاز ہوا، جسے اسلامی ادب کہا جاتا ہے اسی لئے میں نے دونوں اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ اسلامی ادب نے اپنی اصطلاحات واسلوب کو فروغ دیا اس عہد میں ایسے الفاظ استعمال کئے گئے جو پہلے مستعمل نہ تھے۔ جیسے جنت، دوزخ، کفر، ایمان صلوٰۃ، زکوٰۃ اور رکوع وغیرہ، یہ سب الفاظ جاہلی زمانے میں بھی عام طور سے لوگوں کو معلوم تھے، لیکن اسلام نے ان کو جن نئے معنوں میں استعمال کیا ہے، ان میں استعمال نہیں ہوتے تھے، اسی طرح اس طبقہ کے شعر میں ایک نئی صنف سخن اسی زمانہ میں وجود میں آئی اور وہ تھی "سیاسی، ہجو گوئی"۔ ہجو کی یہ قسم بہت تلخ، فحش اور تکلیف دہ تھی، جس کی مثال آنحضرت ﷺ کے

مخالف قریشی شعراء کے کلام میں اور آنحضرت ﷺ کی مدافعت کرنے والے شعرا کے کلام میں ملتی ہے۔(۴)

عہد نبوی ﷺ کے اس معاندانہ ادب میں، ادب اسلامی، مخضرمی شعراء کا کلام، لغت، سفرنامے، نعتیہ کلام سب شامل ہیں، اس لئے کہ ان کے ذریعہ اس زمانہ کی معاشرت، آراء موافق و مخالف، نفسیات کے مطالعہ کے ذریعہ سیرت نگار صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ اس عہد کے ادب میں سب سے پہلا درجہ نعتیہ شاعری کو دوں گا اس لئے کہ نعتیہ کلام وہ صنف ہے سیرت کی جسے سیرت نگار ماخذ اور استشہاد کے طور پر استعمال کرتے رہے ہیں، جن شعراء نے نعتیہ کلام کہا ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ ا۔ حضرت ابوطالب آپ نے اپنی ایک نظم میں نبی کریم ﷺ اور اپنے خاندان بنو ہاشم کی عمدہ خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ ۹۵ اشعار پر مشتمل ابوطالب کے ایک اور قصیدہ کا ذکر ملتا ہے جس کے چند اشعار ابن ہشام نے اپنی سیرت النبی میں ذکر کئے ہیں۔(۵) ۲۔ اعشیٰ سبعہ معلقہ کا شاعر ہے اس نے بھی آپ ﷺ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا ہے۔(۶) اس زمانے میں چونکہ اپنے موقف کو اشعار کی شکل، میں بیان کیا جاتا تھا اور اس کے ذریعہ اپنے نسب، تاریخ، ذاتی آراء کا اظہار کیا جاتا تھا تو یہ بات یقینی ہے کہ اگر مزید تتبع کیا جائے تو اس زمانہ کی موافق و مخالف آراء کی روشنی میں عہد نبوی ﷺ مشکلات اور فروغ اسلام کے اسلوب کو سمجھا جا سکتا ہے اس عہد کے شعراء بھی دو قسم کے ہیں ایک عہد جاہلیہ کے دوسرے عہد اسلام کے جو شعراء عہد اسلام میں مسلمان ہو گئے انہیں مخضرمی شعراء کا نام دیا جاتا ہے۔(اس مناسبت سے اس بحث کا نام مخضرمی ادب رکھا جا سکتا ہے۔)

مسلمان نعت گو شعراء میں میں سرفہرست،

۱۔ حسان بن ثابتؓ ہیں۔ سیرت ابن اسحٰق میں ان کی ۸۷ نظمیں موجود ہیں۔ جس میں دشمنوں کے اعتراضات کے جوابات ہیں۔ ابوسفیان جو پہلے اسلام نہیں لائے تھے ان کی مذمت ہے۔ نبی کریم ﷺ کی مدح ہے زادالمعاد میں بھی آپ کے ۷ا شعر مذکور ہیں۔(۷)

۲۔ کعب بن زہیرؓ بن ابی سلمٰی کا نعتیہ قصیدہ ''بردہ'' کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں ۵۱ اشعار نقل کئے ہیں۔

۳۔ عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت حسانؓ کے بعد آپ کے اشعار زیادہ ملتے ہیں، لیکن

زیادہ اشعار کے مضامین اسلام کی مدح مشرکین کی مذمت پر مشتمل ہیں۔

۴۔ عبداللہ بن زبعریٰؓ یہ اسلام کے ابتدائی دور میں مشرکین کی ترجمانی کرتے اور حسان اس کا جواب دیتے تھے، بعد میں یہ مسلمان ہوگئے اور اسلام کی مدح میں شعر کہنے لگے، ان کا کفر و اسلام دونوں زمانہ میں کہا گیا کلام سیرت نگاروں کے لئے ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔(۸)

۵۔ کعب بن مالکؓ مدینہ کے پانچ مشہور شعراء میں سے تھے، مختلف غزوات کے موقعہ پر نعتیہ اشعار کہے، اور آپ ﷺ کی وفات پر ایک مرثیہ کہا آپ کے اشعار ابن ہشام نے اپنی سیرت میں نقل کئے ہیں۔

۶۔ عباس بن مرداسؓ بن خنساء شاعر تھے، فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے، آنحضرت ﷺ کی مدح میں اشعار کہے ہیں، ان کے علاوہ عامر بن سنان، ثابت بن قیس بن شماس وغیرہ کے نعتیہ کلام بھی سیرت کے ماخذ کی حیثیت سے سیرت نگاروں کے پیش نظر رہے ہیں، اس کی غالباً وجہ یہ ہے کہ اشعار چونکہ جلد شہرت پا جاتے ہیں جس کے سبب اس میں ردوبدل کرنا ممکن نہیں رہتا، بالخصوص عرب کے معاشرہ میں جہاں شعراء کا کلام یاد رکھنا فخر وعلمیت کی بات تھی، لہٰذا یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ شعر نثر کے مقابلہ میں زیادہ مستند کلام ہے اور اس کے توسط سے جو بات ہم تک پہنچے گی اس میں یقیناً صحت ہوگی اس لئے کہ اشعار میں قطع برید کرنا بنسبت نثر کے بہت مشکل ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے بھی ہمعصر شعراء کے کلام کو سیرت کے اہم ماخذ قرار دیا ہے۔(۹) مخضرمی ادب کے بعد اسلامی ادب کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کی ترغیب وتحریص کی بنیاد آپ ﷺ کی ذات ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت حسانؓ کو حکم دیا۔

یا حسان أجب عن رسول اللّٰہ (۱۰)

اے حسان اللہ کے رسول ﷺ کی جانب سے تم مشرک شعراء کا جواب شعر میں دو۔

پھر دعاء دیتے ہوئے فرمایا:

اللھم أیدہ بروح القدس

اے اللہ روح القدس کے ذریعہ حضرت حسانؓ کی مدد فرما۔(۱۱)

اسلامی ادب میں جو ہجو وجود میں آئی اس کی بنیاد عقیدہ تھا، جیسے عبداللہ بن رواحہ دشمنان اسلام کی ھجو ان کے کفر وشرک اور بے دینی کے طعنہ کے ساتھ کرتے تھے۔ لیکن اس ھجو میں جاہلیت کی طرح حسب ونسب پر طنز بھی ھجو میں شامل ہوتا تھا، جیسا کہ حضرت حسانؓ کے کلام سے واضح ہے۔ کہ آپ ﷺ نے اس ہجو کا خود حکم دیا تھا۔ حضرت حسانؓ سے فرمایا:

اهج المشركين فان جبريل معك (۱۲)

حسان مشرکین کی ھجو کرو جبریل تمہارے ساتھ ہیں، یعنی نصرت خداوندی تمہارے ساتھ ہے۔

مقریزی نے نے لکھا ہے کہ ابن سید الناس نے آپ ﷺ کے دفاع میں کہے گئے کلام کے دوسو اشعار منح الحمد کے نام سے جمع کیے تھے۔(۱۳)

سیرت کا مخضرمی و اسلامی ادب سے تعلق: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم میں پیدا ہوئے، وہ ادب اور فصاحت و بلاغت میں معروف تھی اور شعروں سے ان کی محبت تھی۔ جاہلیت کے المعلقات السبع بہت مشہور ہیں۔ وہ لوگ شعروں کو ہجو، فخر اور غزل میں استعمال کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے تشریف لانے پر آپ ﷺ کو شاعر کہا گیا۔ جس کا قرآن نے انکار کیا۔

قرآن مجید نے ان کے قول کو نقل کیا ہے:

ام يقولون شاعر نتربص به ريب المنون (۱۴)

کیا وہ کہتے ہیں یہ شاعر ہے، ہم منتظر ہیں اس پر گردش زمانہ کے۔

قرآن مجید نے ان کی ان باتوں کی تردید فرمائی بلکہ شاعری کی مذمت کی:

والشعراء يتبعهم الغاوون الم ترانهم فى كل و اديهيمون (۱۵)

اور شاعروں کی بات پر بے راہ رو لوگ چلتے ہیں۔ تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں اور یہ کہ وہ کہتے ہیں، جو نہیں کرتے۔

اور پھر صاف تردید فرمادی۔

انه لقول رسول کریم وما هوبقول شاعر قلیلاً ما تؤمنون (۱٦)

یہ ایک پیغام لانے والے سردار کا کہا ہوا ہے۔ اور یہ کہا ہوا شاعر کا کلام نہیں ہے۔

بلکہ یہ ارشاد فرمایا:

وما علمناه الشعر وما ینبغی له ان هو الا ذکرو قرآن مبین (۱۷)

ہم نے بنی کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ شاعری بنی کے شایان شان ہے یہ قرآن کریم نصیحت ہے، علقمندوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی معاشرے کے ایک فرد تھے۔ اچھے کلام کو پسند فرماتے تھے، خواہ وہ شعر ہوں۔ بلکہ آپ کے کلام میں خود بڑا اثر تھا۔

ابن سیرین کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین شاعر تھے۔ حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت کعب دشمن کو لڑائی سے ڈراتے تھے۔ حضرت حسانؓ نسب پر تبصرہ کرتے اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ دشمن کو کفر سے عار دلاتے تھے۔ (۱۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسانؓ کے لئے مسجد نبوی ﷺ میں منبر رکھوا دیتے اور وہ اس پر کھڑے ہو کر ان کفار کی ہجو کرتے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتے، آپ ﷺ نے فرمایا جب تک حسان رسول اللہ ﷺ کی مدافعت کرتے ہیں، روح القدس ان کے ساتھ ہیں۔ (۱۹)

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضرت حسانؓ کو مسجد نبوی ﷺ میں شعر پڑھتے ہوئے سنا تو ان سے باز پرس کی اس پر حضرت حسانؓ نے کہا ''میں ان کی موجودگی میں بھی اشعار پڑھا کرتا تھا۔ جو آپ سے بہتر تھے۔'' (۲۰)

مخضرمی و اسلامی ادب پر تصانیف: مخضرمی و اسلامی ادب کا بہت بڑا ذخیرہ مسلم ادب و سیرت نگاروں نے جمع کر دیا ہے۔ جامعہ محمد سعود الریاض میں ایک پی ایچ ڈی مقالہ

بھی ''شعرالدعوۃ الاسلامیہ فی العصر الاموی'' کے عنوان سے عبدالرحمٰن رأفت باشا کی زیرنگرانی لکھا گیا ہے۔(۲۵) یہی وجہ ہے بعض ادب کی کتب بھی سیرت کے ماخذ کے لحاظ سے معروف ہیں۔ ان میں ابوعمرو عثمان بن بحرالمعروف الجاحظ (ت ۲۵۵ھ) ''البیان والتبیین'' میں احادیث کی مثالیں ہیں۔(۲۶) اسی طرح ابن قتیبہ (ت ۲۶۷ھ) کی ''الشعر والشعراء'' اور محمد بن یزید المعروف المبرد (۲۸۵ھ) کی الکامل ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات اور احادیث پر کلام جمع ہے۔(۲۷)

ان کے علاوہ ابوالفرج علی بن الحسین بن محمد القرشی المعروف ابوالفرج الاصبہانی (ت ۳۵۶ھ) کی الاغانی ہے۔ جس میں وہ بعض اوقات اسناد سے اور بعض اوقات بلا اسناد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔(۲۸)

اسی طرح احمد بن محمد بن بعداللہ الاندلسی المعروف ابن عبدربہ (ت ۳۲۷ھ) کی کتاب ''العقد الفرید'' ہے جس میں اس نے بہت اچھی بحثیں کی ہیں۔ ان علمی ادب پاروں میں کئی مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے کئی پہلوؤں پر رشونی ڈالی گئی ہے۔(۲۹)

۱۔ ابن حجة الحموی، تقی الدین ابو بکر علی، خزانة الأدب و غاية الأدب، القاهره، بولاق، ۱۳۰۴ھ، ۴۶۷/ص

۲۔ ابن عبدربه، احمد بن محمد، ۳۲۸ھ، العقد الفريد، تحقيق احمد امين واحمد الزين وابرهيم الابيارى، القاهرة، لجنة التأليف والترجمة والنشر، ۱۹۴۹م، ۷ جلدين

۳۔ ابن قتيبة، عبدالله بن مسلم، ت ۲۷۶ھ، كتاب عيون الاخبار، القاهرة، دارالكتب المصرية، ۱۹۳۰م، ۴ جلدين

۴۔ ابن قتيبة، عبدالله بن مسلم، ت ۲۷۶ھ، ادب الكاتب، تحقيق محمد محى الدين عبدالحميد، القاهرة،

۵۔ ابو عبيد، عبدالله بن عبد العزيز البكرى، ت ۴۸۷ھ، التنبيه على اوهام ابى على القالى فى اماليه القاهرة

۶۔ ابو الفرج الاصبهانى، على بن الحسين، ت ۳۵۶ھ، كتاب الأغانى،

القاهره، الحاج محمد الساسی المغربی، ۱۳۲۳ھ، ۲۱ جلدین

۷۔ الاصبهانی، ابوالقاسم حسین، محاضرات الادباء و محاورات الشعراء، والبلغاء، بیروت، ۴ جلدین

۸۔ الا بشیهی، المستطرف فی کل فن مستطرف، القاهرة، بولاق

۹۔ البغدادی، عبدالقادر بن عمر، ت ۱۰۹۳م، خزانة الأدب ولب لباب لسان العرب، تحقیق عبدالسلام محمد هارون، القاهرة، دار الکاتب العربی للطباعة والنشر، ۱۹۶۹م، ۴ جلدین

۱۰۔ ثعلب، احمد بن یحیی، ت ۲۹۱ھ، مجالس ثعلب، تحقیق عبد السلام محمد هارون، القاهرة، دارالمعارف، ۲ جلدین

۱۱۔ الجاحظ، ابوعثمان عمرو بن بحر، ت ۲۵۵، کتاب الحیوان، تحقیق عبدالسلام محمد هارون، الطبعة الثالثة، بیروت، دارالکتاب العربی، ۱۹۶۹م، ۷/ج

۱۲۔ الجاحظ، ابو عثمان عمرو بن بحر، ت ۲۵۵ھ، البیان والتبیین، تحقیق عبدالسلام محمد هارون، القاهرة، دارالمعارف، ۱۹۵۰م، ۴ جلدین

۱۳۔ الجاحظ، ابوعثمان عمرو بن بحر، ت ۲۵۵ھ، التاج فی أخلاق الملوک، تحقیق احمد زکی باشا، القاهرة، المطبعة الامیریة، ۱۹۱۱م

۱۴۔ الجاحظ! ابوعثمان، عمرو بن بحر، ت ۲۵۵ھ، کتاب البخلاء، تحقیق طه الحاجری، القاهرة، دارالکاتب المصری، ۱۹۴۸م، ۴۶۵/ص

بیسویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ ابن قتیبہ، أبی محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری، مترجم محسن علی صدیقی قرطاس ادارہ تصنیف و تالیف کراچی ۱۹۹۹ء ص/۵۷۳،
۲۔ فیروز آبادی، مجد الدین یعقوب القاموس المحیط مادہ خضرم
۳۔ البغدادی، عبدالقادر بن عمر، خزانۃ الادب مادہ "المخضرم"
۴۔ ندوی، ڈاکٹر عبد الحلیم، تاریخ ادب پرنٹ لائن پبلشرز لاہور ۱۹۹ء ص/۵۰۱۔۵۰۳
۵۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ ص/۱۸۲
۶۔ ایضاً
۷۔ ایضاً
۸۔ ایضاً ص/۱۸۶
۹۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص/۲۵
۱۰۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری کتاب الصلوۃ باب الشعر فی المسجد باب/ ۶۸ حدیث نمبر ۴۵۳ اور کتاب بدالخلق باب/ ۶ حدیث نمبر ۳۲۱۲ اور کتاب الادب باب /۱۹، حدیث ۶۱۵۲،
۱۱۔ ایضاً
۱۲۔ ایضاً، کتاب المغازی باب/۳۱ حدیث/۴۱۴۲
۱۳۔ المقریزی، تقی الدین احمد، امتاع الاسماع بماللنبی تحقیق محمد عبد الحمید دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۹ء، ج/۱۰، ص/۴۲
۱۴۔ الطور/۳۰
۱۵۔ الشعراء/۲۲۴۔۲۲۶
۱۶۔ الحاقۃ/۴۱

۱۷۔ یٰسین/۹۶
۱۸۔ سیرۃ ابن ہشام مع الروض الانف ۲،۱۴، دارالفکر بیروت
۱۹۔ ایضاً،۲،۲۳۳
۲۰۔ ایضاً،۴،۱۵۹۔۱۶۰
۲۱۔ ایضاً ۱۶۰
۲۲۔ ابن الاثیر، اسد الغابہ،۴، ۲۴۸
۲۳۔ الاصابۃ،۱، ۳۲۶
۲۴۔ ایضاً
۲۵۔ حمادہ، ڈاکٹر فاروق، مصادر السیرۃ النبویۃ ص/۹۵
۲۶۔ الجاحظ، البیان والتبیین،۱،۳،۲۰۳، ج/۲،۴۲، داراحیاء التراث، العربی، البیروت
۲۷۔ المبرد، الکامل،۱،۱۱۵، دارصادر، بیروت ۱۹۷۰ء
۲۸۔ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۷۶ء،۲۴ جلدیں
۲۹۔ ابن عبدربہ، العقد الفرید ۱۸ اجزاء ۴ جلد دارالفکر بیروت

تمت بالخیر

اکیسواں اصول: علم لغت ہے

سیرت کا لغت سے تعلق: سیرت نگار کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مادری زبان عربی اور لغت فصحاء کا علم ہو کرنا چاہیے، عہد نبوی کے لسانی اختلافات اور مستعملہ الفاظ کا بھی علم ہونا چاہیے اور ان علوم سے سیرت نگاری میں مدد لینی چاہیے تا کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلنے والے جملوں کے پس منظر کو صحیح طور سے سمجھ سکے۔ آپ ﷺ فصیح اللسان ہیں اس فصاحت کو بغیر لغت و تحقیق کے سمجھنا مشکل ہے۔

علم لغت کا ارتقاء: جب سے عربی زبان وجود میں آئی اسی وقت سے لغت بھی وجود میں آئی عہد اسلامی میں اس پر خصوصی توجہ قرآن حدیث اور سیرت کی وجہ سے مبذول ہوئی۔

حضرت ابن عباسؓ اور ان کے شاگردوں کی تفسیروں میں تاریخی وفقہی مسائل کی وضاحتیں دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں مشکل الفاظ کی لغوی شرحیں بھی ہیں جن کا تعلق علم لغت سے ہے۔

اسی زمانے میں جاھلی شاعری سے استشہاد لانے کا بھی رواج ہوا۔ حضرت ابن عباس سے منسوب ان کے باقی ماندہ تفسیری اقوال سے قرآن میں وارد معرب الفاظ کی تشریح بھی ہمیں ملتی ہے۔ اسی طرح ان کے شاگرد مجاہد نے اپنی تفسیر میں بہت سے عربی الفاظ سریانی کے بتلائے ہیں۔ سعید بن جبیر نے لفظ ''صواع'' (سورۂ یوسف/۷۲) کی اصل فارسی بتلائی ہے۔ اسی وجہ سے خلیفہ عبدالملک بن مروان (م ۸۶ھ/ ۷۰۵ء) اتالیق ابو مسلم نحویوں کو ازراہ مذاق یہ طعنہ دیا تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو فرنگیوں اور رومیوں کی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف کر رکھا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک کے لغوی تفسیر کا آغاز بھی حضرت ابن عباسؓ کے ان جوابات سے ہوا، جو وہ خارجیوں کے ایک سردار نافع بن الازرق کے استفسارات پر دیا کرتے تھے۔ وہ الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے قدیم شاعری سے شواہد پیش کیا کرتے تھے۔

ان ابیات کے موازنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض ابیات آئندہ چل کر دوسری صدی ہجری میں لغویوں کے ہاں نادر اور غریب الفاظ کی شرح کا معتبر معیار بن گئیں۔ ان عناوین پر قدیم ترین تصنیف ابان بن تغلب الشیعی (م ۱۴۱ھ/ ۸۵۸ء) کی ''الغریب'' ہے۔ سزگین کی رائے میں تفسیر ابن عباس لغوی شرح لکھنے کی اولین کوشش ہے۔ شاید یہ کہنا بھی مناسب نہ ہوگا کہ یہ تغیر مسلمانوں کے ہاں علم المفردات کے مطالعہ اور تحقیق کا اولین نتیجہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے بعد ان کے شاگردوں، مجاہدؒ، عکرمہؒ، سعید بن جبیرؒ، قتادہؒ اور ضحاکؒ نے ان لغوی دراسات کو مزید وسعت دی۔ ان اکابر علماء کی تفسیروں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے صرف قرآن کریم کے مشکل اور معرب الفاظ کی تشریح جاہلی شاعری کے شواہد کی مدد سے نہیں کی، بلکہ کئی دوسرے محرکات بھی تھے۔ خوارج کے سردار نافع بن الازرق نے حضرت ابن عباس سے تقریباً دوسو الفاظ کے معانی پوچھے تھے اور ان کے جواب میں انہوں نے ان الفاظ کی تشریح وتعبیر جاہلی شاعری کے شواہد کی بنیاد پر کی تھی۔(۱)

لغت پر تصانیف: اس موضوع پر ماہرین لغت نے بہت عمدہ کام کیا ہے۔ بحیثیت فن کے اس موضوع پر فقه اللغة الدكتور علي عبدالواحد وافی کی اور ڈاکٹر داؤد سلام کی دراسة اللهجات العربية قديمه اہم کتب ہیں۔ کتب لغت میں المصحاح أبی نصر المقدسی کی پانچ جلدیں مع تحقیق عبدالرحمٰن اور المعجم المفصل فی شواهد اللغة العربية (۱۴ جلدیں) اور موسوعة أمثال العرب (سات جلدیں) اور المعجم المفصل فی اللغويين العرب (دو جلدیں) الدكتور أميل بديع يعقوب (عیسائی) کی قابل ذکر ہیں اور الدكتور محمد تونجی راجی کی المعجم المفصل فی علوم اللغة (الألسنيات) (دو جلدیں) بہت اہم ہیں۔

المحيط فی اللغة اسماعيل بن عباد کی دس جلدوں میں تاج العروس محمد مرتضى الحسينی الزبيدی کی بیس جلدوں میں المحكم والمحيط الاعظم (سات جلدوں میں) بن سيدة کی الموسوعة العربية فی الألفاظ الصدية والشذرات اللغوية نو جلد میں محمد بن محمد السماوی الیمانی کی۔

لسان العرب ابن منظور کی (اٹھارہ جلدوں میں) تهذيب اللغة أبی منصور محمد بن احمد الازهری کی پندرہ جلدوں میں۔ لغات الحدیث مولانا وحید الزمان کی (اردو میں چھ جلدیں)، اسی طرح غریب الحدیث ابوعبید قاسم بن سلام الهروی کی (چار جلدوں میں) النهاية في غريب الحديث والا شرابن الاثیر کی پانچ جلدوں میں غريب الحديث أبي سليمان الخطابي السبتي کی (تین جلدوں میں) اور المجموع المغيث أبي موسىٰ أصفهاني کی انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔ جن کے بغیر سیرت نگار اپنی سیرت مکمل ہی نہیں کرسکتا۔

لغات الحدیث پر تصانیف: عربی کتب لغات کا بہت بڑا ذخیرہ محفوظ ہے اور لغت کی ہر نوع پر مستقل کتابیں تیار ہوچکی ہیں، حدیث کی لغات پر بھی بے شمار کتابیں مرتب ہوچکی ہیں، یہ ہمارے خاص موضوع سیرت کے لئے بہت مفید ہیں اسی لئے میں نے لغت کو اصول سیرت میں شمار کیا ہے۔ لغات الحدیث کے حوالہ سے ابن خیر اشبلی نے تفصیلی فہرست فراہم کی ہے۔(۲) جس میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ شرح كتاب غريب الحديث أبي عبيده معمر بن المثنى
۲۔ // // // أبي عبيد قاسم بن سلام
۳۔ // // // لابن قتيبه
۴۔ // // // لأبي سليمان حمد بن محمد
۵۔ // // // ومعانيه أبي محمد قاسم بن ثابت بن حزم
۶۔ // // // أبي اسحق بن اسحق العربي
۷۔ كتاب غريب الحديث محمد عبدالسلام الخشني

اس کے علاوہ عام لغات ولہجات پر محمد ماہر حمادہ نے تفصیلی فہرست فراہم کی ہے۔(۳) جس میں چند کا اوپر ذکر آیا ہے۔ مزید یہ ہیں:

۱۔ ابن الانباری، ابوبکر محمد بن القاسم ت۳۲۷ھ، كتاب الاضداد تحقيق محمد ابو الفضل ابراهيم الكويت، وزارة الثقافة

۲۔ ابن درید، ابوبکر محمد بن الحسين، ت ۳۲۱ھ، كتاب الجمهرة،

فی اللغة، تحقیق کرنکو، حیدرآباد الدکن، دائرہ المعارف العثمانیة، ۱۳۵۱ھ، (۳ جلدین)

۳۔ ابن سیدہ، ابو الحسن علی بن اسماعیل، ت ۴۵۸ھ، تحقیق مصطفی السقاوحسین نصار، القاہرة، جامعة الدول العربیة، ۳ جلدین

۴۔ ابن فارس، ابوالحسین احمد، ت ۳۹۵ھ، مقاییس اللغة، تحقیق عبدالسلام محمد ہارون، القاہرة، داراحیاء الکتب العربیة، ۱۳۶۶ھ

۵۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، ت ۷۱۱ھ، لسان العرب، القاہرة، بولاق، ۱۲۹۹ھ، ۲۰/ جلدین

۶۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، ت ۷۱۱ھ، لسان العرب، بیروت، دارصادر، ۱۹۶۸م، ۱۵ جلدین

۷۔ ابو زید الانصاری، سعید بن اُوس، ت۲۱۵ھ، کتاب النوادر، تحقیق سعید الخوری الشرتونی، بیروت، المطبعة الکاؤلیکیة، ۱۸۹۴م

۸۔ الازہری، ابومنصور محمد بن احمد، ت ۳۷۰ھ، کتاب التہذیب، تحقیق عبدالسلام محمد ہارون، القاہرة

۹۔ الجوہری، ابونصر اسماعیل بن حماد، ت ۳۹۳ھ، المختار من صحاح اللغة، تحقیق و اختیار محمد محی الدین عبد الحمید و محمد عبد اللطیف السبکی، الطبعة الخامسة القاہرة، المکتبة التجاریة الکبری،

۱۰۔ الحمیدی، نشوان بن سعید، کتاب شمس العلوم ودواء کلام العرب من الکلوم، تحقیق ک و شریستن، لیدن، بریل، ۱۹۵۱م

۱۱۔ الخفاجی، شہاب الدین احمد، کتاب شفاء الغلیل فیما فی کلام العرب من الاخیل، تحقیق محمد بدر الدین النعسانی، القاہرة، مطبعة السعادة،

۱۲۔ الخلیل بن احمد الفراہیدی، ت ۱۷۰ھ، کتاب العین، تحقیق انستاس کرملی

۱۳۔ الزبیدی، ابوبکر محمد بن الحسین، ت ۳۷۹ھ، مختصر کتاب

العین، تحقیق علال الفاسی و محمد بن تاویت الطنجی ۱۹۶۳م ۔ الجزء الاول

۱۴۔ الزمخشری، محمود بن عمر، ت ۵۳۸ھ، اساس البلاغة، القاهرة دارالکتب المصریة، ۱۳۴۱ھ، ۲/ج

۱۵۔ الصدیق، محمد بن ابی السرور، ت ۱۰۸۷ھ، القول المقتضب فیما وافق لغة اهل مصر من کلام العرب، تحقیق السید، ابراهیم سائم، القاهرة وزارة الثقافة والارشاد القومی، ۱۹۶۲م

۱۶۔ الفیروز آبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب، ت ۸۱۶ھ القاموس المحیط، القاهرة، بولاق، ۴/ج

۱۷۔ المرتضی الزبیدی، محمد بن محمد، ت ۱۲۰۵ھ، تاج العروس، من جواهر القاموس، القاهرة، المطبعة الخیریة، ۱۳۰۶ھ

۱۸۔ الغیومی، أحمد بن محمد بن علی المقری، ت ۷۷۰ھ المصباح المنیر، تحقیق مصطفی السقا، القاهرة، مصطفی البابی الحلی، ۱۹۵۰م، ج/۲، مرتب القبائیاً بموجب اوائل الکلمات،

میں لغت کا سیرت سے تعلق واضح کرنے کے لئے آخر میں مولانا قاری طیب صاحب کا یہ اقتباس پیش کر کے اپنی بات مکمل کرنا چاہوں گا، مولانا فرماتے ہیں:

قرآن مجید اترا تو لغت عربی میں ہے۔ لیکن ہر جگہ لغت مراد نہیں۔ بعض جگہ قرآن کریم نے لغت تو زبان عرب سے لیا، مگر معنی اس کے اندر اپنے ڈالے اور وہی مرادی معنی کہلاتے ہیں۔

اب دیکھئے صلوٰۃ کا لفظ ہے۔ لغت عربی میں اس کے معنی وعدہ کے ہیں۔ ایک آدمی دعا مانگ لیتا ہے تو لغت کے لحاظ سے اس نے صلوٰۃ ادا کر لی۔ یہاں باعتبار لغت رحمت بھیجنا، اور دعا مانگنا تو صحیح ہے۔ مگر اسے نماز پڑھ لینا کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ صلوٰۃ کے لفظ کی مراد یہ نہیں ہے۔ اس سے مراد کچھ خاص اعمال و افعال ہیں کہ یوں نیت باندھو، اس طرح قیام کرو، رکوع و سجود کرو، یوں قعدہ میں بیٹھو وغیرہ۔ اس مجموعہ کو صلوٰۃ کہتے ہیں۔

یہاں قرآن کریم نے لفظ لغت عربی کا لیا ہے۔ مگر معنی اپنے ڈالے، کہ یہاں

صلوٰۃ سے ہماری مراد یہ ہے۔ اس مراد کی وضاحت کے بعد صرف دعا مانگنے کو نماز نہیں کہا جاسکتا، اور آدمی نماز کی ادائیگی سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح لغت عرب میں ''زکوٰۃ'' کے معنی پاک کردینے کے ہیں۔ آپ ہاتھوں پر پانی ڈال کر دھو کر پاک کرلیں، زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ یہ ہزاروں روپے کی زکوٰۃ نکالنے کے معنی کہاں سے نکال لئے۔ لغت میں تو اس کا کہیں پتہ نہیں۔ یہاں بھی قرآن کریم نے زکوٰۃ کا لفظ تو لغت عرب سے لیا، مگر اس کے معنی خود متعین کئے کہ اگر تمہارے پاس اتنا مال، روپیہ پیسہ ہو، اور اس پر ایک پورا سال بھی گزر جائے تو اس مال سے خاص مقدار کی رقم اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکالنا زکوٰۃ کہلاتا ہے۔ تو زکوٰۃ کے لغوی معنی جتنے بھی ہوں، مراد وہی عرفی معنی ہی ہیں، جو قرآن کریم نے مراد لئے ہیں۔ اللہ جل شانہ نے بہت سے الفاظ لغت عرب کے لئے، ان میں اپنے معنی ڈالے، وہی مرادی معنی ہوتے ہیں۔ معلم ان ہی معانی کو سمجھاتا، بتاتا اور ان کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر مرادی معنی ضروری نہ ہوتے، لغوی معنی ہی کافی ہوتے، تو اتنا کافی ہوتا کہ حضرت جبریل علیہ السلام قرآن مجید کا نسخہ لاتے، بیت اللہ کے چھت پر رکھ دیتے اور اعلان کردیتے۔ اے لوگو! تم روحانی مریض ہو، یہ تمہارے لئے نسخہ شفاء ہے۔ تم زبان داں ہو، عربی سمجھتے ہو، اس کتاب کو دیکھ دیکھ کر اپنا علاج کرلیا کرو، پھر پیغمبر مبعوث کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ مگر مسائل کہیں بھی لغت سے حل نہیں ہوا کرتے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، وہ لغت سے اللہ تعالیٰ کی مراد متعین کر کے لوگوں کو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے، اور اللہ کے نزدیک اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ (۴)

❁

اکیسویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ سزگین، محمد فواد، تاریخ علوم اسلامیہ ج/ ا ص/ ۴۱،
۲۔ ابن خیر الاشبیلی فہرستہ ص/ ۱۵۷۔۱۶۴
۳۔ حمادۃ محمد ماہر، المصادر العربیۃ والمعربۃ ص/ ۱۸۲۔۱۸۶
۴۔ قاسمی قاری محمد طیب۔ خطبات حکیم الاسلام، مرتب محمد ادریس ہوشیار پوری، کتب خانہ مجیدیہ ملتان، ص/ ۲۸۔۲۹

تمت بالخیر

www.KitaboSunnat.com

بائیسواں اصول: علم قرأت ولہجات عرب ہے

عرب کے مختلف قبائل جن کی مشترکہ زبان عربی تھی، لیکن وہ اپنے اپنے لہجے میں عربی بولا کرتے تھے اور ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ استعمالا کرتے تھے۔ ابتداء اسلام میں انہیں اپنے اپنے لہجہ میں قرآن کریم کی تلاوت کی اجازت تھی، لہجہ کی تبدیلی سے معنی میں تبدیلی نہیں ہوتی تھی، لیکن بعد میں قرآن کریم لکھنے کے لئے معیاری گرامر ولہجہ لغت قریش مقرر کیا گیا، اس لئے کہ آپ ﷺ کا تعلق اسی سے تھا اور دیگر لہجوں میں تلاوت کی اجازت بھی دے دی گئی۔

علم قرأت ولہجات کا ارتقاء: صحابہؓ سے تابعینؒ کی بڑی تعداد نے علم قرأت حاصل کیا، ان کے تلامذہ اور اپنے اپنے علاقوں میں فن قرأت کے مرجع ومقتدیٰ قرار پائے۔ چنانچہ مدینہ میں سعید بن المسیب، عروہؒ، سالمؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، سلیمان عطاؒ (یہ دونوں یسار کے بیٹے تھے)، معاذ بن الحارثؓ القاری، عبدالرحمانؒ بن ہرمزالاعربی، ابن شہابؒ زہری، مسلم بن جندبؒ، زید بن اسلمؒ، مکہ میں عبید بن عمرؒ، عطا ابن ابی رباح، طاؤسؒ، مجاہدؒ، کرمہؒ، ابی ملیکہؒ، کوفہ میں علقمہؒ، الاسودؒ، مسروقؒ، عبیدہؒ، عمرو بن شرجیلؒ، حارث بن قیسؒ، ربیع بن خثیمؒ، عمرو بن میمونؒ، ابوعبدالرحمان اسلمیؒ، زرین جشؒ، عبیدہ بن فضیلہؒ، سعید بن جبیر۔ ابراہیم نخعیؒ، شعبیؒ ابوعالیہؒ، ابورجاءؒ، نصر بن عاصمؒ، یحیٰی بن یعمرؒ حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ اور قتادہؒ، دمشق میں مغیرہ بن ابی شہاب المخزومیؒ، خلید بن سعدؒ وغیرہ(۱) آئمہ قرأت میں حسب ذیل علماء ممتاز ومعروف ہوئے۔

مدینہ میں: ابوجعفر یزید بن القعقاع، ان کے بعد شیبہ بن نصاع اور ان کے بعد نافع بن نعیم۔

مکہ میں: عبداللہ بن کثیر، حمید بن قیس الاعرج اور محمد بن ابی معیص

کوفہ میں: یحیٰی بن وثاب، عاصم بن ابی النجود، سلیمان بن مہران الاعمش اور ان

کے بعد حمزہ اور کسائی کا دور دورہ رہا۔

بصرہ میں: عبداللہ بن ابی اسحاق، عیسیٰ بن عمر، ابوعمرو بن العلاء اور عاصم الجحدری، ان کے بعد یعقوب الحضرمی کا شہرہ رہا۔

دمشق میں: عبداللہ بن عامر، عطیہ بن قیس الکلاعی، اسماعیل بن عبداللہ بن المہاجر، یحییٰ بن الحارث الزمادی اور ان کے بعد شریح بن الحضرمی امام فن ہوئے۔(۲)

علم قرأت کے امام: فن قرأت کے مذکورہ بالا اساطین میں حسب ذیل سات حضرات کو فن قرأت کے امام کی حیثیت سے زیادہ مقبولیت وشہرت حاصل ہوئی۔

۱۔ نافع بن عبدالرحمان بن ابی نعیم مدنی م ۱۶۹ھ انہوں نے تقریباً ۷۰ قراء تابعین سے قرأت کا سبق لیا۔

۲۔ عبداللہ بن کثیر الدارمی، مکی م ۱۲۰، انہوں نے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن السائبؓ سے قرأت حاصل کی۔

۳۔ ابوعمرو بن العلاء بن عمار بصری م ۱۵۴ھ انہوں نے صرف تابعینؒ سے قرأت حاصل کی۔

۴۔ ابوعمران عبداللہ بن عامر الیحصبی قاضی دمشق م ۱۱۸ھ انہوں نے ابودرداؓ اور عثمان غنیؓ کے تلامذہ سے قرأت سیکھی۔

۵۔ ابوبکر عاصم بن النجود ابن بہدلۃ کوفی م ۱۲۷ھ، انہوں نے تابعین سے قرأت پڑھی۔

۶۔ حمزہ بن حبیب بن عمارہ کوفی م ۱۵۷ھ، انہوں نے عاصم، اعمش، سبیعی اور منصور وغیرہ سے قرأت پڑھی۔

۷۔ علی بن حمزہ النحوی الکسائی م ۱۸۹ھ، انہوں نے حمزہ اور ابوبکر بن عیاش سے قرأت پڑھی۔(۳) قرأت کی بنیاد بھی دراصل حدیث نبوی ﷺ ہے۔

لہجوں کی سند: صحیح مسلم و بخاری کی ایک روایت میں حضرت ابی بن کعبؓ سے اس طرح مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ جو بنوعقار کے تالاب کے پاس تھے۔

فاتاہ جبرئیل علیہ السلام فقال ان اللّٰہ یامرک ان تقرا

متک القرآن علی حرف، فقال اسال اللّٰہ معافاتہ و مغفرتہ و ان امتی لا تطیق ذلک ثم اتاہ الثانیۃ فقال ان اللّٰہ یامرک ان تقرا امتک القرآن علی حرفین فقال أسال اللّٰہ معافاتہ و مغفرتہ و ان امتی لا تطیق ذلک، ثم جاء ہ الثالثۃ فقال انّ اللّٰہ بأمرک ان تقرا امتک القرآن علی ثلاثۃ احرف فقال اسال اللّٰہ معافاتہ و مغفرتہ و ان امتی لا تطیق ذلک ثم جاء ہ الرابعۃ فقال: ان اللّٰہ یا مرک ان تقرا امتک القرآن علی سبعۃ اجرف فایما حرف قرء وا علیہ فقد اصابوا(۴)

پس حضور ﷺ کے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کی (ساری) امت قرآن کریم کو ایک ہی حرف پر پڑھے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں، میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے، پھر جبرئیل علیہ السلام دوبارہ آپ ﷺ کے پاس آئے، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کی امت قرآن کریم کو دو حروفوں پر پڑھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں، میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے، پھر وہ تیسری بار آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کی امت قرآن کریم کو تین حروف پر پڑھے، آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں، میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے، پھر وہ چوتھی بار آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کی امت قرآن کریم کو سات حروف پر پڑھے، پس وہ جس حرف پر پڑھیں گے ان ان کی قرآت درست

ہو گی۔

بعض دوسرے علماء مثلاً حافظ ابن جریر طبریؒ نے فرمایا کہ مذکورہ حدیث میں سات حروف سے مراد قبائل عرب کی سات لغات ہیں، چونکہ اہل عرب مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے، اور ہر قبیلہ کی زبان عربی ہونے کے باوجود دوسرے قبیلہ سے تھوڑی تھوڑی مختلف تھی، اور یہ اختلاف ایسا ہی تھا، جیسے ایک بڑی زبان میں علاقائی طور پر تھوڑے تھوڑے اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان مختلف قبائل کی آسانی کے لئے قرآن کریم سات لغات پر نازل فرمایا، تا کہ ہر قبیلہ اسے اپنی لغت کے مطابق پڑھ سکے۔ (۴)

علم قرأت ولہجات کا تدوینی آغاز: پہلی صدی ہجری کے نصف آخر کا ذکر ہے کہ مدینہ، کوفہ اور بصرہ میں بعض تابعین کی درسگاہوں میں قرأت کی تعلیم دی جاتی تھی، لیکن کسی ماخذ سے علم قرأت میں کسی قدیم ترین کتاب کا پتہ نہیں چلتا۔ عرب قبائل اپنے اپنے قبیلے کے لب ولہجہ کے مطابق قرآن پاک کی قرأت کرتے رہے اور یہی کیفیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی رہی۔ اس طرح بہت سی قرأت کا ظہور ہوا۔ بعض تابعین نے ایک آیت کی پانچ مختلف قرأتوں سے ادا کرنے کی اہمیت بھی بتلائی۔

علم قرأت میں قدیم ترین کتاب جس سے ہم آشنا ہیں وہ یحیٰ بن یعمر (م ۸۹ھ/ ۷۰۷ء) کی ''کتاب فی القرأت'' ہے۔ جو واسط میں لکھی گئی تھی اور اس میں مشہور مصاحف کے اختلافات جمع کئے گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک بنیادی ماخذ کے طور پر متداول رہی۔ موضوع پر ایک اور قدیم کتاب عبداللہ بن اعمر الیحصی (م ۱۱۸ھ/ ۷۲۶ء) کی ''اختلافات مصاحف الشام والحجاز والعراق'' ہے۔ ایک فہرست کے مطابق اسی زمانے میں العاصم کی کتاب ''الجمع'' بھی ہم تک پہنچی ہے۔

اسی زمانے میں قطع، وصل، وقف اور ھجاء اور رسم المصاحف کے بارے میں عبداللہ بن عامر نے ''کتاب المقطوع والموصول'' لکھی، شیبہ بن انصاح المدنی (م ۱۲۰ھ/ ۷۴۷ء) نے جو کہ ابوعمرو بن العلاء کے استاد تھے، ''کتاب الوقوف'' تالیف کی۔ خود ابوعمرو بن العلاء کی ''کتاب الوقف والا بتداء'' پانچویں صدی ہجری تک متداول رہی، کیونکہ خطیب بغدادی نے دمشق میں اس کی روایت کی اجازت حاصل کی تھی۔ قرآن پاک کی

آیات کی تعداد میں قدیم ترین کتابیں جن سے ہم آشنا ہیں، وہ امام حسن بصری (م ۱۱۰ھ/ ۷۲۸ء) کی ''کتاب العدد''، عاصم الجحدری (م ۱۲۸ھ/ ۷۴۵ء) اور ابوعمرو یحییٰ ابن الحارث الذماری (م ۱۴۵ھ/ ۷۶۲ء) کی کتابیں ہیں۔ الذماری نے رسم المصحف، یعنی قرآن کریم کے ہجاء میں ایک کتاب لکھی۔

اموی عہد میں قرأت اور قواعد میں تطبیق کی بھی مساعی ہوئیں۔ محمد بن عبدالرحمٰن بن محیص (م ۱۲۳ھ/ ۷۴۰ء) کی کتاب ''اختیار فی القراءۃ علی مذاہب العربیہ'' علی بن عساکر بن مرجب البطائحی (م ۵۷۲/ ۱۱۷۶ء) کی کتاب ''الخلاف بین قرارۃ عبداللہ بن عامر و بین قرأۃ ابی عمرو بن العلاء عبداللہ بن کثیر، عاصم، حمزہ وغیرہ ہے۔

سیبویہ نے اگرچہ بصرہ میں شائع قرأت پر اعتماد کیا ہے، لیکن وہ دمشق کے سوا دوسرے شہروں میں رواج پذیر قراءتوں سے بھی آگاہ تھے، جبکہ ابوعبید قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ/ ۸۳۴ھ) نے بصرہ اور کوفہ کے نحویوں کے درمیان ترجیحی طریقہ اختیار کیا۔ ان کے علاوہ ان کے معاصر ابوحاتم سجستانی نے علم قرأت میں اپنی پسند اور انتخاب کو رواج دیا۔ اس کی بنیاد مقامی مختلف قرأتوں کی تعداد پر نہ تھی، بلکہ ان کی قدر و قیمت میں منحصر تھی۔

قرأت کاملہ کے جمع و ترتیب سے قرات السبع والصحیحہ کے فن کا ظہور ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس فن کے بانی ابوبکر بن مجاہد تھے جو کتاب السبع کا مولف تھا۔

ابوبکر بن مجاہد نے کتاب السبعۃ میں صرف مندرجہ ذیل قاریوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ عبداللہ بن عامر الشامی (م ۱۱۸ھ/ ۷۳۶ء)، ۲۔ ابن کثیر المکی (م ۱۲۰ھ/ ۷۳۸ء)، عاصم الکوفی (م ۱۲۷ھ/ ۷۳۸ء)، ۴۔ ابوعمرو بن العلاء البصری (م ۱۴۵ھ/ ۷۷۰ء) ۵۔ حمزۃ الکوفی (م ۱۵۶ھ/ ۷۷۳ء)، ۶۔ نافع المدنی (م ۱۶۹ھ/ ۷۸۵ء) ۷۔ الکسائی الکوفی (م ۱۸۹ھ/ ۸۰۴ء)

وقت گزرنے کے ساتھ مندرجہ ذیل تین قاریوں کی بھی قرائتیں شامل کرلی گئیں۔

۸۔ ابوجعفر یزید بن القعقاع الخضری المدنی (م ۲۱۰ھ/ ۷۴۷ء)، ۹۔ یعقوب الحضرمی البصری (م ۲۰۵ھ/ ۸۲۱ء)، ۱۰۔ خلف الکوفی (م ۲۲۹ھ/ ۸۴۴ء)

اس طرح دس قرأت کا ظہور ہوا۔ ان کے بعد اور چار قاریوں کی قراتوں کا اضافہ ہوا اور وہ یہ تھیں۔

۱۱۔ الحسن البصری (م ۱۱۰ھ/ ۷۲۸ء) ۱۲۔ الاعمش الکوفی (م ۱۴۸ھ/ ۷۶۵ء)،
۱۴۔ یحییٰ بن المبارک الیزیدی البصری (م ۲۰۲ھ/ ۸۱۴ء)
اس طریقے سے چودہ قرأتیں مرتب ہوئیں۔ (۶) جو سترہ تک پہنچ گئیں۔

اہم قرأ اور ان کی تصانیف: قرأت اور لہجات کے بہت سے ماہرین تھے جن میں سے بیس قرأ کا ذکر ابن قتیبہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ (۷) ان قراء میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ ابن عامر

عبداللہ بن اعمر بن یزید الیحصبی، دمشق کے رہنے والے تھے، ۲۱ھ/ ۶۴۱ء یا ۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار تابعین کی اولین نسل میں ہوتا ہے۔ وہ قرات السبع الصحیحہ کے عالم تھے اور عمر میں سب سے بڑے قاری تھی۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے مقابلے میں ابن عامر کی قرات کو ترجیح حاصل رہی ہے۔ ولید بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں ابن عامر دمشق کے قاضی بھی رہے۔

تصانیف: ابن الندیم نے الفہرست، ص ۲۶ مین ان سے دو کتابیں منسوب کی ہیں، کتاب اختلاف مصاحف، الشام والحجاز والقرآن، کتاب المقطوع والموصول فی القرآن۔
ابن عامر کی قرات علمائے مابعد کی توجہ کا مرکز بنی رہی۔ اس سلسلے میں ہمیں علی بن عساکر بن المرجب الطائحی (م ۵۷۲ھ/ ۱۱۷۶ء کی کتاب "الخلاف بین قرأت عبداللہ بن عامر، بین قرأت ابی عمرو بن العلا ہم تک پہنچی ہے۔ دیکھئے الصفدی (نکت الحمیان) ص ۲۱۴، السیوطی (بغیہ الوعاۃ) ص ۲۴۳، اس کتاب کی قلمی نسخہ بورسہ میں ہے۔

۲۔ عبداللہ بن کثیر

عبداللہ بن کثیر بن المطلب الداری صحیح قرات سبعہ کے ایک رکن تھے۔ ۴۵ھ/ ۶۶۵ءمیں مکہ میں پیدا ہوئے۔ بہت سے صحابہؓ سے قرات کی سماعت کی، قرات کے علاوہ عربیت کے بھی عالم تھے، مکہ میں قاضی بھی رہے۔ اور وہیں ۱۲۱ھ/ ۸۳۸ء میں انتقال کیا۔ (۱۰)

تصانیف: علی بن عساکر بن مرجب البطائحی (م ۵۷۲ھ/ ۱۱۷۶ء) (ذکر الخلاف بین روایۃ عبداللہ بن کثیر و بین قراۃ ابی عمرو بن العلاء) در بورسہ، ابوعمرو الدانی (قراۃ ابن کثیر)، در کتاب خانہ بورسہ، عبدالرحمان بن ابی القاسم (۱۰۸۲ھ - ۱۲۷۱ء) (رسالہ قراۃ ابن کثیر)۔

۳۔ عاصم

عاصم بن ابی النجود، بہدلہ، فن قرات السبع الصحیح کے ایک رکن تھے، کوفہ میں زندگی گزاری، حدیث کے عالم تھے، حدیث کا سماع متعدد تابعین سے کیا تھا۔ اس کے علاوہ قرات قرآن کے بھی عالم تھے، ۱۲۷ھ/ ۷۴۵ء میں انتقال کیا۔ (۱۱)

تصانیف: جمع عاصم، مخطوطہ، (اوراق ۱۔۶۹)، مفرد عاصم، مورخہ ابوعمرو حفص بن سلیمان (م ۱۸۰ھ/ ۷۹۶ء) شاگرد عاصم، علی بن عساکر بن المرجب (م ۵۷۲ھ/ ۱۱۷۶ء) (ذکر الخلاف بین قراۃ ابی بکر بن البہدلہ عاصم، او بین قراۃ ابی عمرو بن العلاء) مخطوطہ بروسہ (اوراق ۳۸ تا ۴۰۔۷) بروایۃ عاصم مؤلفہ ابوالقاسم احمد بن جعفر ابناحمد، ادریس غافقی (م ۵۶۹ھ/ ۱۱۷۲ء) مخطوطہ دارالکتب التیموریہ، قاہرہ دیکھئے بروکلمان، ۵۷۲/۲۲/۱، محمد بن باقی الحنبلی (م ۱۱۲۶ھ/ ۱۷۱۴ء) (فیض الودود بقراۃ حفص بن عاصم بن ابی النجود، مخطوطہ دار الکتب التیموریہ، قاہرہ) اس کتاب کو مصنف کے ایک شاگرد ابراہیم بن اسماعیل العدوی نے ابواب کے اعتبار سے ''القواعد السنیہ فی قراۃ حفص بن عاصم من طریق الشاطبیہ کے نام سے مرتب کیا تھا۔

قرآن کریم آپ ﷺ پر نازل ہوا، اور جب آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے تو ایسا ممکن نہیں کہ آپ ﷺ ان لہجوں کو خود نہ سمجھتے ہوں، صحابہؓ کو اجازت دے دیں۔ اس کا واضح مطلب ہے کہ آپ ﷺ کو ان تمام لہجوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزانہ طور پر ملکہ و کمال عطا کر دیا گیا ہو۔

بائیسویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ قاسمی، محمد سعود عالم فن قرأت کا ارتقاء، ماہنامہ الاشرف کراچی، فروری ۲۰۰۰ء ص/۱۳۴
۲۔ سیوطی الاتقان ص/ ۹۷
۳۔ زرقانی مناہل العرفان ج/ ۱ص/ ۹
۴۔ طبری، تفسیرات جریر ج/ ۱ص/ ۱۵
۵۔ سزگین، محمد فواد، تاریخ علوم اسلامیہ ج/ ۱ص/ ۴۱۔۴۲

تمت بالخیر

تیئیسواں اصول: علم آثار قدیمہ ہے

سیرت نگار کو آثار قدیمہ (آرکیالوجی) کا بھی علم ہونا چاہئے اس لئے کہ عہد حاضر میں قدیم کتبات، آبادیاں اور ان کے آثار، سکے، استعمال کی اشیاء تاریخ کی تدوین میں اہم رول ادا کر رہی ہیں۔

سیرت طیبہ سے علم آثار کا تعلق: آپ ﷺ کی سیرت کا وہ حصہ جس میں آپ ﷺ کی خیبر میں آمد قلعہ کے فتح ہونے، ایک موقع پر دوران سفر آپ کا ایک وادی سے تیزی سے گزرنا اور صحابہؓ کو بتانا یہاں وہ قوم تھی جس پر عذاب نازل ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے تھوڑی دیر بھی اس جگہ ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا، یہ جگہ کون سی تھی، یہاں کون سی قوموں کے آثار موجود تھے، یہ علم ہمیں علم آثار قدیمہ سے حاصل ہوتا ہے۔

قصص الانبیاء میں انبیاء کے نزول کا محل وقوع آبادی، قدامت، بود و باش زیر بحث آتے ہیں، اس علم کی مدد سے بہتر تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔

آرکیالوجی سے قصص الانبیاءؑ کو بہتر انداز میں سمجھا اور سمجھایا جاسکتا ہے؟ جبکہ قرآن کریم بھی فاقصص القصص کہہ کر قصے بیان کرنے کا حکم دے رہا ہے اور قصہ میں فرد کے ساتھ اس کے متعلقات مکان رہائش استعمال کی اشیاء سب شامل ہیں۔ مکۃ المکرمۃ، آب زمزم، صفا و مروہ کی تاریخ آثار قدیمہ کی تاریخ ہے یہ تاریخ بھی نبی کی ذات سے جڑی ہوئی ہے۔ اس لئے اس علم سے بھی استفادہ ہونا چاہئے۔

مولانا عبدالرؤف داناپوری نے اس علم سے استفادہ کو چند شرائط سے مشروط کیا ہے، لکھتے ہیں۔

> یورپ نے تاریخ امم کی تحقیق کا ایک جدید طریقہ جاری کیا ہے، یعنی کتبات وآثار وغیرہ سے وہ مختلف ملکوں کی تاریخ مرتب کر رہے ہیں۔ ایسی مرتب کی ہوئی تاریخ کا جہاں شرائع سے تعلق ہو وہاں بالکل اعتبار کے قابل نہیں ہیں، اگرچہ اس کو صحیح معلومات کا

بہت قوی ذریعہ سمجھا جاتا ہے اس کی کئی وجوہ ہیں۔ اوّل یہ کہ اس کا انتظام زیادہ تر ایسے ہاتھوں میں ہے جو اصولاً مذاہب ہی کے خلاف ہیں۔ دوئم گو کتبات و آثار کو اس طریق تحقیق کی بنیاد قرار دی جاتی ہے۔ مگر اس بنیاد پر فرضی اور قیاسی نتائج کی ایک عمارت تیار کر لی جاتی ہے۔ اور قیاسات میں ہمیشہ تغیر و تبدل ممکن ہے۔ سوم کتبات و آثار جس پر اس عمارت کی بنیاد ہوتی ہے، اس میں بہت دھوکہ ہو سکتا ہے۔ چہارم جدید کتبات اور جدید آثار کا دریافت کرنا دولت اور شہرت کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس لئے جدید معلومات حاصل کرنے میں بہت کچھ کارستانیاں کی جاتی ہیں۔ ہاں اگر ثقہ اور متدین غیر متعصب لوگ ایسے آثار و کتبات پر اپنی شہادتیں بیان کریں تو قبول کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ مگر یہ مشکل ہے اس لئے کہ ان لوگوں کے اخلاقی حالات کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

قوم عاد اور آثار قدیمہ: قرآن کریم میں قوم عاد اور قوم ثمود کا حال بہت جگہ ہے۔ قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے اور قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام، یہ دونوں قومیں بہت قدیم ہیں۔ ان کا معتبر تاریخی حال کچھ معلوم نہیں۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت زبردست قومیں تھیں۔ عاد کی نسبت سورہ اعراف میں ہے کہ یہ لوگ نوح علیہ السلام کے بعد تھے اور بڑے طاقتور تھے۔ اور سورۃ الشعراء میں ہے کہ بلندیوں کی جگہ انہوں نے بڑی بڑی یادگاریں بنائی تھیں۔ محلات ایسے مستحکم اور مضبوط بنا رہے تھے کہ شاید ہمیشہ دنیا میں رہنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ ان کے اختیارات بڑے وسیع اور گرفت بہت سخت تھی۔ خدا نے جانور، اولاد، باغ، اور چشمے عنایت کئے تھے۔ سورۂ والفجر میں تصریح ہے کہ ان کا شہر ارم تھا۔ جس کے مکانات عالی شان تھے۔ اس کے عماد اور ستون ایسے تھے کہ ان کے مثل دنیا کے کسی شہر میں نہ تھا۔ سورۂ الاحقاف میں مذکور ہے کہ یہ لوگ احقاف میں تھے۔ احقاف ریگ کے بلند ٹیلوں کو کہتے ہیں، یہاں مراد یمن ہے۔ اور ارض مہرہ اور عمان کا درمیانی حصہ۔ اسی میں خدا فرماتا ہے کہ ہم نے اُن کو کان، آنکھ، اور دل دیا تھا۔ یعنی وہ بڑے بیدار، ہوشیار، اور دلیر تھے۔

قوم ثمود اور آثار قدیمہ: قوم ثمود کی نسبت سورۂ اعراف میں ہے کہ یہ قوم قوم عاد کے بعد اُن کی قائم مقام اور خلیفہ تھی۔ زمین کی حکومت ان کی تھی۔ نرم زمین پر انہوں نے قصور و

محلات تیار کئے تھے۔ اور پہاڑوں کو کاٹ کر اُس میں مکانات بنا رہے تھے۔ سورۃ الشعراء میں ہے کہ اِن کے پاس باغ، چشمے، اور کھیتیاں، کھجور کے درخت تھے، جس کے خوشے ٹوٹے پڑتے تھے۔ بڑے خوش وخرم اور بڑے چین و آرام سے تھے۔ سورۃ الحجر میں ان کو اصحاب الحجر کہا گیا ہے۔ اور سورۂ والفجر میں ان کی جگہ وادی القریٰ بتائی گئی ہے۔ مقام حجر اور وادی القریٰ دونوں جگہیں قریب ہی قریب ہیں۔

بخاری ومسلم کی روایتیں ہیں کہ تبوک جاتے وقت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجر میں پہنچے تو اُس کو آپ ﷺ نے دیار ثمود بتایا۔ منہ پر کپڑا ڈال لیا۔ اور وہاں سے نکل جانے میں جلدی کی۔ وہاں کا پانی پینے کو منع کر دیا۔ وہاں کے پانی سے صحابہؓ نے آٹا گوندھا تھا۔ اس کو پھینکدینے یا اونٹوں کو کھلا دینے کا حکم دیا۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ثمود کے باقیات کی نشانیاں رسول اللہ ﷺ کے وقت میں موجود تھیں۔ حجاز ریلوے کا ایک اسٹیشن مدائن صالح اسی مقام حجر میں ہے اور ثمود کے مکانات و آثار اب تک اس کے قریب موجود تھیں۔

صحیح طور پر کچھ معلوم نہیں کہ ان قوموں کی حکومت کتنے دنوں تک رہی۔ ان میں کتنے بادشاہ ہوئے اور انہوں نے کیسی حکومت کی، عرب میں جو روایتیں زبانی مشہور تھیں۔ اور مفسرین اور اصحابِؓ سیر نے جو حالتیں اُن روایات سے جمع کی ہیں وہ مبالغہ آمیز ہیں، لیکن جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا خود قرآن کریم کے الفاظ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت متمدن اور ترقی یافتہ قومیں تھیں۔ سورۂ فرقان کی ایک آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عاد، ثمود اور اصحاب الرس کے درمیان اور بھی بہت سی قومیں ہوئی ہیں۔ یہ سب قومیں خدا اور رسول ﷺ کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک اور ناپید ہوگئیں اُن کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔ (اصح السیر ص/۳۲۔۳۳)

چوبیسواں اصول: اسلامی معلومات عامہ کا علم ہے

سیرت نبوی ﷺ پر لکھنے والے کی جرنل نالج یعنی عام معلومات بہتر ہونی چاہئے اور سیرت نبوی ﷺ کے ماخذ کے طور پر ایسے کتابوں سے استفادہ کرنا چاہئے جن میں عام اسلامی معلومات کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہو، یہ معلومات مختلف شکلوں میں ہمارے پاس موجود ہیں، جیسے ابن قتیبہ (۲۱۱۳ھ) کی المعارف اس میں آدم سے لے کر عہد نبوی ﷺ کے بعد تک کی اہم معلومات جزئیات کی شکل میں جمع کر دی گئی ہیں۔ اسی طرح المحبر أبي جعفر محمد حبیب ابن میہ الہاشمی البغدادی (م ۲۴۵ھ) ۵۱۷ صفحات پر دارالمعارف عثمانیہ دکن سے ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں عہد نبوی ﷺ خلفاء راشدینؓ انکی اولادوں حتی کہ اولادوں کی ماؤں تک کا نسب ہے، کہ کس کی ماں کردتھی۔ کس کی ایرانی اور کس کی عربی تھی۔ مواخات کس کی کس کے ساتھ ہوئی، عرب کے موسم کیسے تھے کون کون مختون (ختنہ کے ساتھ) پیدا ہوا جیسی عجیب، وغریب جزئی معلومات جمع کر دی گئیں ہیں، اسی طرح عبدالحی کتانی کی التراتیب الاداریۃ دو جلدوں میں معلومات واستخراج مسائل کے حوالہ سے سیرت النبی کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔

کچھ کتابیں اوائل کے عنوانات سے لکھی گئی ہیں کہ کون سا کام کس عہد میں کس نے سب سے پہلے کیا یا کون سی بات نبی کریم ﷺ کے سامنے سب سے پہلے کس نے کی جیسے جمعہ سب سے پہلے کہاں پڑھا گیا۔ کس نے پڑھایا پہلا مؤذن کون تھا۔ کہاں اذان دی پہلا شہید کون تھا، وغیرہ اس موضوع پر محب الدین أبي الولید محمد بن شحنۃ کی روض المناظر فی علم الاوائل اواخرسنین کی ترتیب پر سید محمد مہنی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوچکی ہے۔ علی اصغر چودھری کی اردو میں عہد نبوی کے نادر واقعات (اولیات کی بنیاد پر) کا مجموعہ ہے۔ سید ھاشم الخطیب کی کتاب الاوائل فی الاسلام أبي ھلال العسکری کی دو جلدوں میں الاوائل ولید قصاب کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

سیرت پر عام معلومات کی تصانیف: اسی طرح کچھ کتابیں سیرت طیبہ پر عام معلومات مہیا کرتی ہیں جیسے:

۱۔ الآثار النبوية، لأحمد تيمور باشا (۱۹۳۰ء)

۲۔ الآثار النبوية، صلاح الدين المنجد

۳۔ تبرک الصحابة بآثار الرسول صلى الله عليه وسلم، لمحمد طاهر بن عبد القادر الكردى المكى (۱۹۸۰م)

۴۔ ازهار الكمامة في أخبار العمامة، ونبذه في ملابس المخصص بالاسراء والامامة، لابى العباس احمد بن محمد المقرى (۱۰۴۱ھ)

۵۔ رسالة في حبيب قميص النبي ﷺ، للحافظ السيوطي (۹۱۱ھ)

۶۔ تركة النبي والسبل التى وجهها فيها، لحماد بن اسحاق الأردى (۲۶۷ھ)

۷۔ رسالة و فد خُدام الرسول و مواليه، لمحمد بن عبد الرحمن السخاوى (۹۰۲ھ)

۸۔ خادم النعل الشريف، للحافظ السيوطي (۹۱۱ھ)

۹۔ روضة الصفا في وصف نعال المصطفى، لأحمد سليماني زاده الطرابلسي، الفها برسم خزانة السلطان عبد المجيد الثاني

۱۰۔ فتح المتعال في وصف النعال، لأحمد بن محمد المقرى (۱۰۴۱ھ)

۱۲۔ مثال نعل النبى ﷺ، ليوسف بن اسماعيل النبهانى (۱۳۵۰ھ)

۱۳۔ النفحات العنبرية فى نعل خير البريه، لأحمد بن محمد المقرى (۱۰۴۱ھ)

۱۴۔ أقضية الرسول عليه الصلاة والسلام، لظهير الدين على بن عبدالرزاق المرغينانى (۶۰۲ھ)

۱۵۔ أقضية النبي صلى الله عليه وسلم، لمحمد بن فرج المالكى

القرطبی المعروف بابن الطلاع (۴۹۷ھ)

۱۶۔ بلوغ السول من أقضية الرسول، لابن قيم الجوزية محمد بن أبي بكر (۷۵۱ھ)

۱۷۔ آلات النبی وسلاحه

سیرت کا عام معلومات سے تعلق: سیرت نگاری کے لئے ایک اصول عام معلومات کا بہترین ہونا ہے، یعنی ایک شخص جتنی زیادہ معلومات رکھتا ہوگا، وہ سیرت کو اتنا زیادہ تقابلی مطالعہ کے ساتھ نکھار کر پیش کرے گا مثلاً اگر کوئی شخص آپ ﷺ کے منصب نبوت پر لکھتا ہے اسی کے ساتھ اس کا وسیع مطالعہ ہے وہ دیگر مدعیان نبوت ان کے طریقہ واردات کا اپنی کتاب میں ذکر کرکے تجزیہ کرے گا تو بہت بہتر انداز میں آپ ﷺ کی نبوت کو ثابت کر سکے گا۔ اگر آپ ﷺ کے اسلحہ پر مقالہ لکھ رہا ہے تو اسی وقت بہتر لکھ سکے گا جب اسے دنیا میں رائج اسلحہ اور اس کی اقسام پر تفصیلی مطالعہ ہو۔

لہٰذا سیرت نگار جس پہلو پر لکھنا چاہتا ہے اس پہلو پر پہلے سے موجود کتب کا مطالعہ کرے تاکہ جامع تجزیہ پیش کر سکے۔

تمت بالخیر

پچیسواں اصول: علم التقویم والتوقیت ہے

سیرت طیبہ ﷺ کے حوالہ سے ہمیں جن واقعات کا علم ہوتا ہے ان میں سے بیشتر واقعات کے وقوع پر متعدد روایات ملتی ہیں، حتی کہ آپ ﷺ کب پیدا ہوئے؟ اور کب وفات پائی؟ اسی پر دس سے زیادہ آراء ہیں، ایسا کیوں ہوا میں اس کی معقول وجہ بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے ایک سبب علم تقویم سے بعد کا نتیجہ ہے۔

علم التقویم کی تعریف: ''کسی بھی تاریخی واقعہ کے وقوع کے دن مہینہ اور سال کے تعین اور بیان کو اس واقعہ کی توقیت کہا جاتا ہے۔'' اگر کسی واقعہ کی توقیت میں مؤرخین و سیرت نگاروں کے درمیان اختلاف ہو تو اسے توقیتی تضاد کہا جاتا ہے۔ ایسے تضادات دور کرنے کے لئے ضروری ہے شمسی وقمری تقاویم اور ان کی باہم تحویل کے قواعد سے متعلق بنیادی معلومات حاصل ہوں، تاکہ حسابی تخریجات شکوک وشبہ سے بالاتر رہے۔

اسلام سے پہلے اہل مدینہ یہودی قبائل کی عبرانی تقویم کی طرز پر خالص قمری کے بجائے قمریہ شمسی تقویم استعمال کرتے تھے۔ جسے آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ہمیشہ کے لئے منسوخ فرمادیا۔ اور قمری تقویم کو جاری رکھا، جس کا آغاز ہجرت نبوی ﷺ سے ہوتا ہے، یہی وجہ ہے اسے ہجری تقویم کہا جاتا ہے۔

آج دنیا میں ہجری تقویم کے ساتھ گریگورین عیسوی تقویم جاری ہے۔ جسے شمسی تقویم کہا جاتا ہے۔

دونوں تقویموں کا فرق یہ ہے، قمری تقویم کی بنیاد زمین کے گرد چاند کی ماہانہ گردش پر اور ہر مہینہ کا آغاز نئے چاند سے ہوتا، عہد حاضر کی رصدگاہیں اس کی پیش گوئی بھی کرتی ہیں جو تقریباً درست ہوتی ہے۔

سیرت نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم تقویم سے آگاہ ہو، عیسوی و ہجری تاریخوں میں مطابقت وتحویل کرسکے۔ مسلمانوں میں ہجری تقویم کی جگہ شمسی تقویم کا رواج

ہے۔ حالانکہ ہجری تقویم اصل ہے، اور فطرت کے مطابق ہے۔ اس لئے کہ بقیہ تمام تقویمیں ظن وتخمین کی بنیاد پر ہی۔

اسلام سے پہلے رومی تقویم، گریگورین تقویم، عبرانی تقویم کا رواج رہا ہے، اور ان تقویموں میں کفریہ شرکیہ ناموں کا رواج رہا ہے۔ جبکہ ہجری تقویم کے نام شرک، نجوم پرستی شخصیت پرستی سے مبرا ہیں۔ البتہ ہجری تقویم میں عہد نبوی ﷺ تک مشرکین مکہ "نسئ" کی رسم کے نام سے گڑبڑ کرتے تھے۔ کبھی کسی مہینہ کو مؤخر کر لیتے کسی کو مقدم لیکن حجۃ الوداع کے موقع پر ہمیشہ کے لئے یہ سلسلہ ختم ہوگیا ہے۔ البتہ ہمیں سیرت نگاروی میں مدد حاصل کرنے کے لئے یہودیوں کی عبرانی تقویم کا علم بھی ہونا چاہئے تاکہ قدیم قرآن کریم کی بیان کردہ تاریخی واقعات کو سمجھا جاسکے اور آپ ﷺ سے منسوب باتوں کا تجزیہ کیا جاسکے، مسلم مفکر البیرونی نے اپنی کتاب الآثار الباقیہ میں عبرانی تقویم سے استفادہ کیا ہے۔ یہ بھی مصنوعی تقویم ہے۔ لیکن ہجری تقویم سے نزدیک ہے۔ اس فن پر مختلف حضرات نے کام کیا ہے، ہجری اور شمسی کے کلینڈر تیار کئے ہیں۔

۱۔ عبدالقدوس ہاشمی کی تقویم تاریخی

۲۔ ضیاء الدین لاہوری کی جوہر تقویم یہ بہت آسان اور جامع ومختصر ہے۔

۳۔ عبدالرحمٰن گیلانی کی الشمس والقمر بحسبان

۴۔ پروفیسر ظفر احمد کا مضمون توقیتی تضادات کا جائزہ

۵۔ بوہری تقویم یہ عہد فاطمی میں فاطمیوں نے تیار کرائی بوہری آج بھی اس کے مطابق چلتے ہیں۔

علم توقیت یا فن تاریخ گوئی: یہ بھی دراصل تقویم کا حصہ ہے۔ اصطلاح میں اسے فن تاریخ گوئی کہتے ہیں۔

کوئی لفظ یا فقرہ یا عبارت یا مصرعہ بیت کا اس طرح تجویز کیا جائے کہ اس کے مکتوبی حروف کے عددوں سے بحساب جمل سن اور سال کسی واقعہ، شادی پیدائش یا وفات کے معلوم ہوں۔

یہ فن بہت قدیم ہے، نثر و نظم دونوں میں جاری ہوتا، اس کی بنیاد یہ حروف ہجا ہیں۔

ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، ثخذ، ضظغ، عربوں نے اسے عبرانی سے اخذ کیا ہے اس سے دو صورتوں میں تاریخیں نکالی جاسکتی ہیں۔

۱۔ صوری، ۲۔ معنوی

اس فن پر بھی متعدد کتابیں لکھیں گئی ہیں۔

۱۔ منشی انوار حسین کی مخص تسلیم، اسکا ترجمہ ملہم تاریخ کے نام سے بھی ہے۔

۲۔ عبدالعزیز کی غرائب الجمل،

۳۔ میر نادر علی کی گنجینۂ تواریخ

۴۔ فرمان فتح پوری کی فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت ایسی کتابیں ہیں جن سے استفادہ کرکے سیرت نگاری کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

انہی الفاظ پر میں اپنی کتاب مکمل کرتا ہوں اور دعاء گو ہوں مجھ سمیت جن حضرات نے اس کی تکمیل میں حصہ لیا اللہ تعالیٰ سب کو دنیاوی و آخروی اجر عظیم عطاء فرمائے۔

﴿آمین﴾

صنم کدہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لاالہ میں ہے
وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ وخشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے

درخواست

نبی اکرمؐ، شفیع اعظمؐ دکھے دلوں کا پیام لے لو
تمام دنیا کے ہم ستائے کھڑے ہوئے ہیں سلام لے لو

شکستہ کشتی ہے تیز دھارا نظر سے روپوش ہے کنارا
نہیں کوئی ناخدا ہمارا، خبر تو عالی مقام لے لو

عجیب مشکل میں کارواں ہے نہ کوئی جادہ نہ پاسباں ہے
بشکل رہبر چھپے ہیں رہزن، اٹھو ذرا انتقام لے لو

قدم قدم پہ ہے خوف رہزن زمیں بھی دشمن فلک بھی دشمن
زمانہ ہم سے ہوا ہے بدظن، تمہیں محبت سے کام لے لو

کبھی تقاضا وفا کا ہم سے، کبھی مذاق جفا ہے ہم سے
تمام دنیا خفا ہے ہم سے خبر تو خیر الانام لے لو

یہ کیسی منزل پہ آگئے ہیں، نہ کوئی اپنا نہ ہم کسی کے
تم اپنے دامن میں آج آقا تمام اپنے غلام لے لو

یہ دل میں ارماں ہے اپنے طیب مزار اقدس پہ جا کے اک دن
سناؤں ان کو میں حال دل کا کہوں میں ان سے سلام لے لو

صلاح الدین ثانی

مصادر و مراجع

عربی کتابیات

۱. اثارة الترغيب والتشويق إلى المساجد الثلاثة والبيت العتيق وبليا زيارة بيت المقدس، محمد بن اسحاق الخوارزمی، نزار مصطفیٰ مكة المكرمة سعودی عرب، ۱۹۸۸ء

۲. أخبار مكة شرفها الله تعالیٰ وماجآء فيها من الآثار، ابوالوليد محمد بن عبداللّٰه الأزرقی (۲۲۴ھ)، تحقيق رشدی الصالح، ۱۲اجزاء منشورات دارالثقافة، مكه المكرمة ۱۹۷۸ م

۳. أخلاق النبی ﷺ وآدابه، الحافظ أبی محمد عبدالله بن محمد بن جعفر بن حبان الأصبهانی المعروف بابن الشيخ، (ت ۳۶۹ھ) تحقيق احمد مرسی، محمد عثمان منشورات مؤسة الأهرام، القاهرة (۱۴۰۱ھ)

۴. اسد الغابة فی معرفة الصحابة، محمد بن محمد بن عبدالكريم بن عبدالواحد الشيبانی المعروف ابن الاثير الملقب عزالدين، (۶۳۰ھ) تحقيق محمد ابراهيم البناء ۱۷ جزاء، دارالشعب، القاهرة

۵. الاستيعاب فی معرفة الاصحاب، ابن عبدالبر، (۳۶۸-۴۶۳ھ) اجزاء تحقيق علی محمد البجاوی، مكتبة نهضة مصر۔

۶. الاصابة فی تمييز الصحابة، ابن حجر العسقلانی (۷۷۳۔ ۸۵۲) منشورات دارالكتب العلمية، بيروت لبنان

۷. الاعلام، خيرالدين الزركلی، بيروت، (۱۳۹۰ھ)

۸۔ الاعلام قاموس تراجم لاشهرالرجال والنساء من العرب، والمستعربين والمستشرقين، خير الدين الزركلي، الطبة الثانيه، بيروت

۹۔ الاعلان التوبيخ لمن ذم اهل التاريخ، محمد عبدالرحمن بن محمد شمس الدين السخاوى (م۱۴۹۷ھ)، مترجم الدكتور صالح احمد العلى محقق فرانز روزنثال، مؤسة الرسالة بيروت ۱۹۸۶ء

۱۰۔ الباعث الحثيث شرح اختصار علوا الحديث للحافظ ابن كثير، احمد بن محمد شاكر، القاهرة

۱۱۔ البداية والنهاية، عماد الدين اسماعيل بن عمر بن كثير القرشى الدمشقى، القاهرة، ۱۳۵۱ھ

۱۲۔ التاريخ الكبير، امام بخارى، حيدر آباد، الهند، سنة، (۱۳۶۱ھ)

۱۳۔ الجواهر المضية فى طبقات الحنفية، عبدالقادر بن محمد القرشى، حيدر آباد، (۱۳۳۳ھ)

۱۴۔ الحمودى، شهاب الدين ابن عبدالله ياقوت، معجم الادباء، بيروت

۱۵۔ الدر رالكمين بذيل العقد الثمين فى تاريخ البلد الأمين، النجم جعفر بن فهد (۸۱۲ ـ ۸۸۵ھ) تحقيق فهيم شلتوت، مركز البحث العلمي جامعة أم القرى، مكة المكرمة

۱۶۔ الدر الكامنة فى أعيان المائة الثامنة، ابن حجر العسقلانى، القاهره ۱۹۶۶ء

۱۷۔ الدررفى اختصار المغازى والسير، ابن عبدالبر، دارالكتب العلمية، بيروت، طبع اول ۱۹۸۴ء

۱۸۔ الرسالة المستطرفة، محمد بن جعفر الكتانى، طبع پاکستان

۱۹۔ الروض الأنف فى تفسير السيرة النبوية لابن هشام، ابوالقاسم

عبدالرحمن بن عبداللہ بن احمد الخثعمی (۵۰۸ ۔ ۵۸۱ھ) تعلیق طٰہٰ عبدالرؤف ۴ اجزاء، منشورات دارالفکر

۲۰۔ السراج الوہاج فی الاسراءِ وَالمعراج، ابواسحاق محمد بن ابراهیم النعمانی الشافعی (ت ۸۱۹ھ) تحقیق عبدالقادر احمد عطا منشورات مکتبة القرآن، (۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء)

۲۱۔ السیر والمغازی، محمد بن اسحاق المطلبی (ت ۱۵۱ھ/ ۷۶۸م) تحقیق د سهیل زکار، دارالفکر، الطبعة الاول، ۱۳۹۸ھ

۲۲۔ السیرة النبویة، الذهبی، تحقیق عمر عبدالسلام تدمری، منشورات دارالرسالة، بیروت لبنان ۱۹۸۹ء

۲۳۔ السیرة النبویة، ابن هشام، (ت ۲۳۰ھ) تحقیق احمد حجازی السقا، ۴ أجزاء، دارالتراث العربی، القاهره

۲۴۔ السیرة النبویة، عماد الدین الواسطی، (مخطوط) مکة المکرمة مکتبة الشیخ محمد الرشیدی

۲۵۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، عیاض بن موسیٰ قاضی، دارالکتب العلمیه بیروت

۲۶۔ الشمائل المحمدیة، ابوعیسی محمد بن سورة الترمذی، (۲۰۹۔۲۷۹ھ) منشورات دارالمطبوعات الحدیثة، جدة (۱۹۸۶ء)،

۲۷۔ الطبری، ابی جعفر محمد بن جریر، قاهره، مصر، ۱۹۷۶ء

۲۸۔ العقدالفرید، ابن عبدربه (۲۴۶ ۔ ۳۲۸ھ) تحقیق محمد سعید العریان منشورات دارالفکر، دمشق ۱۹۴۰ء)

۲۹۔ الفخر المتوالی فیمن انتسب للنبی ﷺ من الخدم والموالی، السخاوی، تعلیق، مشهور حسن محمود سلیمان، مکتبة المنار، اردن، (۱۴۰۷ھ)

۳۰. الفصول فی سیرۃ الرسول، ابن کثیر، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان

۳۱. الفہرست، ابن الندیم، (ت ۳۸۰ھ/ ۹۹۰م) تحقیق رضاتجدد طہران (۱۹۷۱ء)

۳۲. الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعۃ، محمد بن علی الشوکانی، السنۃ المحمدیہ، قاہرہ، مصر، ۱۹۶۰ء

۳۳. القاموس المحیط، فیروزابادی، الحسینیۃ، ۱۳۳۰ھ

۳۴. الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، منشورات دارالکتاب العربی، بیروت، (۱۴۰۰ھ۔ ۱۹۸۰ء)

۳۵. اللالی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعہ جلال الدین السیوطی، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۹۸۱ء

۳۶. المحدث الفاضل بین الراوی والواعی، حسن بن عبدالرحمن الزامہرمزی، دارالفکر، بیروت، ۱۹۷۱ء

۳۷. المختصر الذی فی سیرۃ النبی ﷺ، عبدالعزیز بن محمد بن ابراھیم بن جماعۃ ۶۹۴ ۔ ۷۶۶ھ) تحقیق محمد عبدالحمید، السعدنی، منشورات مکتبۃ القرآن، القاہرۃ (۱۹۹۰م)

۳۸. المصنف، عبدالرزاق الضعانی، تحقیق حبیب الرحمن الاعظمی، بیروت، ۱۹۷۲ء

۳۹. المصنف فی الآحادیث والآثار، ابن ابی شیبہ، تحقیق عبدالخالق افغانی، الدار السلفیہ بیروت، ۱۹۸۱ء

۴۰. المعارف، ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ الدینوری، (۲۱۳ھ ۔ ۲۷۶) تحقیق د، ثروت عکاشۃ، منشورات دار المعارف، القاہرۃ

۴۱۔ المعجم المفهرس لالفاظ الحدیث النبوی ﷺ، اے جے ویستک، دارالدعوۃ، استنبول، ۱۹۸۸ء

۴۲۔ المغازی، محمد بن واقد (ت ۲۰۷ھ) ۱۳ جزأ، تحقیق د، مارسون جونسون، مطبوعات الأعلمی، بیروت

۴۳۔ المغازی، النبویۃ ﷺ، ابن شہاب الزہری، (۵۱ ۔ ۱۲۴ھ) تحقیق دسول زکار، دارالفکر، دمشق، (۱۴۰۱ھ)

۴۴۔ المناسک وأماکن طرق الحج ومعالم الجزیرۃ، ابراھیم بن دیسم الحربی (ت ۲۸۲ھ) تحقیق حمد الجاسر، منشورات دارالیمامۃ الریاض ۱۳۸۹ھ

۴۵ المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، ۵ ۔ ۱۰، ابوالفرج عبد الرحمن بن الجوزی، حیدرآباد دکن ۱۳۵۷ھ

۴۶۔ المنجد فی اللغۃ والاعلام، دارالمشرق، بیروت

۴۷۔ المواھب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ، ابراھیم البیجوری، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

۴۸۔ الوفابأ حوال المصطفیٰ ﷺ، ابن الجوزی، (۵۱۰ ۔ ۵۹۷) تعلیق محمد زھری النجار، دو اجزاء، المؤسۃ السعیدۃ، ریاض

۴۹۔ الوافی بالوفیات، مصورۃ فی مجمع اللغۃ العربیۃ دمشق وما طبع فی المعھدالالمانی

۵۰۔ إمتاع الإسماع بما للنبی من الأحوال والأموال والحفدع والمتاع، تقی الدین احمد المقریزی (م ۸۴۵ھ) تحقیق محمد عبدالحمید، دارلکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۹ء

۵۱۔ أنساب الأشراف، البلاذری، (ت ۲۷۹ھ)، تحقیق، محمد حمید اللّٰہ، دارالمعارف، قاھرۃ

۵۲. ایضاح المکنون فی الدین علی کشف الظنون اسمٰعیل بن محمد البغدادی، استنبول ترکی، ۱۹۴۵ء

۵۳. بیت المقدس والمسجد الاقصی، دراسة تاریخیة موثقة، محمد حسن شراب دارالقلم دمشق، الطبعة الاولیٰ ۱۹۹۴ء

۵۴. تاج العروس من شرح جواهر القاموس، محمد المرتضٰی الزبیدی، قاهره، مصر، ۱۳۰۶ھ

۵۵. تاریخ الأدب العربی، بروکلمان، القاهرة ۱۹۶۲ء

۵۶. تاریخ التراث العربی، فواد سیزگین، القاهرة ۱۹۷۸ء

۵۷. تاریخ بغداد، ۱ ـ ۱۴، ابوبکر احمد بن علی الغلیب البغدادی، القاهره، ۱۳۴۹ھ

۵۷. تاریخ خلیفه بن خیاط ، تحقیق الدکتوراکرم العمری، دمشق، ۱۹۷۷م

۵۹. تذکرة الحفاظ ۱ـ۵، محمد بن احمد بن عثمان الذهبی، حیدرآباد دکن، ۱۳۳۳ھ

۶۰. تذکرة الموضوعات، ملاعلی قاری، طبع، دارالسعادة، استنبول ۱۳۰۸ھ

۶۱. تذکرة الموضوعات، محمد طاهر بن علی الهندی العتنی، المکتبة القیمة، بمبئی

۶۲. ترکه النبی ﷺ والسبل التی وجهها فیها، حماد ابن اسحاق بن اسماعیل، تحقیق د اکرم ضیاء العمری، طبعة الاولیٰ ۱۹۸۴م)

۶۳. تعجیل المنفعة بزوائد رجال الأئمة الاربعة، ابن حجر عسقلانی، مطبوعه الهند

۶۴. تلقیح فهوم اهل الاثر، الوفاء باحوال المصطفیٰ، ابن الجوزی،

المکتبه النوریه الرضویة، لاهور ۱۹۷۷ء
۶۵. تهذیب الاسماء واللغات، للنووی، بیروت
۶۶. تهذیب التهذیب، احمد بن علی بن حجر العسقلانی، حیدرآباد دکن، ۱۳۲۷ھ
۶۷. تهذیب التهذیب، الحاکم محمد بن عبداللہ الحافظ النیساپوری، معرفة علوم الحدیث، بیروت
۶۸. الجامع الصحیح بشرح النووی، مسلم بن الحجاج القشیری، قرطبة الطبة الثانیه دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء
۶۹. الجرح والتعدیل، عبدالرحمن بن أبی حاتم الرازی، طبع الهند، سنة ۱۳۸۱ھ
۷۰. جوامع السیرة، ابن حزم، دارالکتب العلمیة، بیروت ۱۹۸۵ء
۷۱. حجة اللہ علی العالمین فی معجزات سیدالمرسلین ﷺ، یوسف بن اسماعیل البنهانی (ت ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء) تحقیق محمد مصطفیٰ أبو العلأ، منشورات مکتبة الجندی، القاهره
۷۲. حسن المحاضرة فی أخبار مصر والقاهرة، جلال الدین السیوطی، طبع مصر، سنة ۱۳۲۷ھ
۷۳. حلیة الأولیاء، أبی نعیم الاصفهانی، طبع مصر
۷۴. خصائص النبی، ابن ملقن، مکتبه چیتربٹی ڈبلن آئرلینڈ
۷۵. دائرة المعارف الاسلامیه طبع بیروت
۷۶. دراسات فی السیرة النبویة، محمد سرور ابن تالیف زین العابدین، دارالارقم، ۱۹۸۶ء
۷۷. دلائل النبوة، ابونعیم الاصبهانی، دارالمعرفة بیروت
۷۸. دلائل النبوة، الإمام البیهقی (ت ۴۸۵ھ) دارالنصر للطباعة

مصر، القاهرہ ۱۳۸۹ھ

۸۹. زادالمعادفی ھدی خیر العباد محمد ﷺ خاتم النبیین و امام المرسلین، ابن القیم (۶۹۱ - ۷۵۱ھ) ۴ جزاء، نشر المکتبة المصریة، القاھرة

۹۰. سبل الھدی والرشادفی سیرة خیر العباد ﷺ، محمد بن یوسف الصالحی الشامی (ت ۹۴۲ھ) تحقیق لج مصطفی عبدالواحد ۱۰ ھ۴/ ج/۲، ۱۳۹۴ھ

۹۱. سنن ابن ماجہ، تحقیق محمد فواد عبدالباقی، طبع مصر ۱۵۸۲ء

۹۲. سنن الدارمی، ابی محمد عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی، طبع دمشق ۱۳۴۹ھ

۹۳ یسر أعلام النبلا ۱۔۱۳، محمد بن احمد بن عثمان الذھبی، مصورة فی مجمع اللغة العربیة دمشق

۹۴. سیرة الصادق الامین محمد رسول اللہ ﷺ، ابن حزم (۳۸۴-۴۵۶) مکتبة الایمان للطبع والنشر، الاسکندریہ

۹۵. سیرة النبویة، ابوالحسن علی ندوی، دارصادر، بیروت

۹۶. شذرات الذھب، ۱۔۸، عبدالحئی بن العماد الحنبلی، القاھرة ۱۳۵۱ھ

۹۷. شرح نخبة الفکر، ملاعلی قاری، ط، بیروت ۱۳۹۸ھ

۹۸. الشمائل، للترمذی، ط: دمشق

۹۹. صحیح مسلم، القشیری، ابوالحسین مسلم بن الحج، مصطفیٰ البابی الحلبی

۱۰۰. صفوة الصفوة، امام ابن الجوزی، ط حیدرآباد الھند، ۱۳۵۵ھ

۱۰۱۔ طبقات، ابن سعد، طبعة دارالتحریر، القاهرہ ۱۹۶۸ھ

۱۰۲۔ طبقات الحفاظ، سیوطی، ط مطبعة الاستقلال، القاهرہ ۱۹۷۳ء

۱۰۳۔ طبقات الشافعیة البکریٰ، سبکی، ط، الحلیبی

۱۰۴۔ طبقات الشافعیة ۱۔۲، جمال الدین عبدالرحیم الأسنوی، بغداد ۱۳۹۰ھ

۱۰۵۔ طبقات الکبریٰ ۱۔۹، محمد بن سعد، بیروت ۱۹۶۰ م

۱۰۶۔ عیون الأثر فی فنون المغازی والشائل والسیر، فتح الدین محمد بن محمد بن محمد بن عبداللّٰہ بن محمدبن یحییٰ بن سید الناس (۶۷۱۔ ۷۳۴) منشورات دارالمعرفة، بیروت

۱۰۷۔ فتح الباری، ابن حجر، عسقلانی، دارالفکر، بیروت ۱۹۹۲ء

۱۰۸۔ فتح الملهم، عثمانی، شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد، مدینہ پریس، بجنور ہندوستان

۱۰۹۔ قواعد التحدیث، جمال الدین قاسمی، من فنون مصطلح الحدیث، قاهرہ، مصر ۱۹۶۱ء

۱۱۰۔ کتاب الاعتبار فی بیان الناسخ و المنسوخ من الاثار، ابوبکر محمد بن موسیٰ بن حارج، حیدرآباد دکن انڈیا، ۱۳۵۹ھ

۱۱۱۔ کتاب الأ ربعین فی مناقب أمهات المؤمنین، أبی منصور عبدالرحمن بن عساکر (۵۵۰۔ ۶۲۰ھ) تحقیق محمد احمد عبدالعزیز، مکتبة التراث الاسلامی، مصر قاهرة (۱۹۹۰م)

۱۱۲۔ کتاب الوفاة، وفاة النبی ﷺ، النسائی، (۲۲۵۔ ۳۰۳ھ) تحقیق محمد السعید زغلول، مکتبة التراث الاسلامی (۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء)

۱۱۳۔ کتاب دلائل النبوة، ابوبکر جعفر بن محمد الفربابی، دارالحرم،

مکة المکرمہ ۱۹۸۶ء

۱۱۴. کتاب مغازی رسول اللّٰہ، محمد بن عمر الواقدی، موسة الاعلمی بیروت لبنان

۱۱۵. کتاب نسب قریش ابوعبداللّٰہ المعصب بن عبداللّٰہ الزبیری، (۱۵٦۔۲۳٦ھ) دارالمعارف، مصر (۱۳۹٦ھ/ ۱۹۷٦ء)

۱۱٦. کشاف اصطلاحات الفنون، محمد علی تھانوی، کلکتہ، ۱۸٦۲ء

۱۱۷. کشف الظنون، حاجی خلیفہ، استانبول، ۱۹۴۱م

۱۱۸. کفایة الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب، المعروف بلتان

۱۱۹. الخصائص الکبریٰ، السیوطی، (۸۴۹ ۔ ۹۱۱ھ) منشورات دارالکتاب العربی

۱۲۰. لسان العرب، محمد بن مکرم الافریقی ابن منظور، دارصادر، بیروت

۱۲۱. لسان المیزان، ۱ ۔ ۷، احمد بن علی بن حجر العسقلانی، حیدرآباد دکن، ۱۳۳۰ھ

۱۲۲. مختصر سیرت رسول ﷺ، محمد بن عبدالوہاب، انصار السنة المحمدیہ لاہور

۱۲۳. مسند الإمام احمد، ط القاہرة ۱۳۱۳ھ

۱۲۴. معجم البلدان، یاقوت بن عبداللّٰہ المحموی، لیبزغ، ۱۸۷۰م

۱۲۵. معجم المؤلفین تراجم مصنفی الکتب العمربیة، ۱۔۱۴، عمررضا کحالة دمشق، ۱۳۷٦ ۔ ۱۳۸۱ھ

۱۲٦. معجم الادباء، یاقوت حموی، بیروت، ۱۹۲۳ء

۱۲۷. معجم انصحابة، أبی الحسین عبدالباقی، بن القانع البغدادی

الحنفی (م ۳۵۱) تحقیق خلیل ابراهیم قوتلائی، مکتبه نزار مصطفی مکة ۱۹۹۸ء، (یہ جامعہ ازہر سے پی ایچ ڈی مقالہ ہے)

۱۲۸. موسوعة اطراف الحدیث النبوی الشریف، محمد السعید بن ابوهاجر، الطبعة الاولی، بیروت، ۱۹۸۹ء

۱۲۹. موسوعة نظرة النعیم، فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، تحت اشراف صالح بن عبداللّٰه دارالوسیلة للنشر المملکة العربیة السعودیة جده

۱۳۰. میزان الاعتدال، ط حلبی، ۱۹۶۳م والسعادة ۱۳۳۵ھ،

۱۳۱. نزة النظر فی توضیع نحبة الفکر، نورالدین عتر، الصباح، دمشق، ۱۹۹۲ء

۱۳۲. نصب الرایة، عبداللّٰه بن یوسف الزیلعی، دارالمامون الطبة الاولی، ۱۹۳۸ء

۱۳۳. وفاء الوفاء بأخبار دارالمصطفی، نورالدین علی بن احمد النمودی، (ت ۹۱۱ھ) تحقیق محمد محیی الدین عبدالمحید، منشورات دارالحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان (۱۹۵۵ء)

۱۳۴. وفیات الاعیان، ۱۔۸، احمد بن محمد لمعروف ابن خلکان، تحقیق دکتور احسان عباس، بیروت ۱۹۷۳م

۱۳۵. هدیة العارفین فی اسماء المصنفین، اسمٰعیل بن محمد البغدادی، استنبول ترکی ۱۹۶۰ء

اردو کتابیات

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب ۱۹۸۰ء، لاہور

۲۔ اردو میں میلاد النبی ﷺ، محمد منظر عالم صدیقی فکشن ہاؤس لاہور، ۱۹۹۸ء

۳۔ اردو نثر میں سیرت رسول، خالد، ڈاکٹر انور محمود، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۸۹ء

۴۔ اصول الحدیث ومصطلحات وعلوم، ڈاکٹر خالد علوی، الفیصل اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۸ء

۵۔ التحدیث فی علوم، الحدیث، ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۰ء

۶۔ القاموس الجدید، مولانا وحید الزماں کیرانوی، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۹۰ء

۷۔ المعارف اردو، ابن قتیبہ، قدیمی کتب خانہ کراچی

۸۔ تاریخ علوم اسلامیہ، محمد فواد سزگین، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۱۹۹۶ء

۹۔ تاریخ مدینہ، عبدالعبود، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

۱۰۔ تاریخ مکہ، عبدالمعبود، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

۱۱۔ تدوین حدیث، مولانا مناظر احسن، گیلانی، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۹۷ء

۱۲۔ تدوین سیر ومغ اری، مبارکپوری، قاضی اطہر، شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء

۱۳۔ جدید نسیم اللغات، امروہوی، قائم رضا نسیم،

۱۴۔ رسول رحمت، ابوالکلام آزاد، غلام علی اینڈ سنز

۱۵۔ رسول مبین محمد احسان الحق سلیمانی، مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۹۳ء

۱۶۔ سیرت المصطفیٰ، مولانا محمد ادریس کاندھوی، مکتبہ عثمانیہ، بیت الحمد جامعہ اشرفیہ لاہور، ۱۹۸۵ء

۱۷۔ سیرت النبی ﷺ کے مصادر و مراجع ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر اسلامیہ یونیورسٹی

بہاولپور ۱۹۹۴ء

۱۸۔ سیرۃ النبی ﷺ، علامہ شبلی نعمانی، مکتبہ مدینہ اردو بازار، لاہور، ۱۴۵۸ھ/ ۱۹۸۸ء

۱۹۔ سیاسی وثیقہ جات عہد نبوی تا خلافت راشدہ مترجم ابو یحییٰ خان نوشہروی مصنف ڈاکٹر حمید اللہ، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۰ء

۲۰۔ سیرت سرور عالم، ابوالاعلیٰ مودودی، ادارۂ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۷۸م

۲۱۔ صحابہ کرامؓ کی نعت گوئی، ابوالفتح، ڈاکٹر، محمد صغیر الدین، اظہار سیرت، ۱۹۷۹ء

۲۲۔ عربوں کی تاریخ کا مطالعہ، جمال الدین، رگ سنگ، کانپور انڈیا، ۱۹۷۳ء

۲۳۔ عجالہ نافعہ، شاہ عبدالعزیز محدث، مترجم شارح ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی، نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۱۹۶۴ء

۲۴۔ فیروز اللغات فیروز الدین فیروز سنز لمیٹڈ ۱۹۴۵ء

۵۔ مغازی رسول اللہ ﷺ، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ، اعظمی، ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، لاہور، ۱۹۸۷ء

۲۶۔ مطالعہ سیرت کی ضرورت اور عصر حاضر، ڈاکٹر حافظ محمد سلیم، کاروان ادب، لاہور، ۱۹۸۹ء

۲۷۔ مسلمان مؤرخین کا اسلوب تحقیق، محمد سعید صدیقی، قائم اعظم لائبریری، لاہور، ۱۹۸۸ء

۲۸۔ نوادرات، اسلم جیراجپوری، طلوع اسلام ٹرسٹ، لاہور طبع دوم، ۱۹۸۹ء

English Books

1 - Chambers Encyclopaedia, oxford, 1967.

2- Daven Port, John Ian Apology for the Muhammad and the Quran, Lahore, R-R, 1975

3- Encyclopaedia Americana, New York, Edition. 1947.

4- Encycloopaedia Britannica, 9th Edition, 1984.

5- Encycloopaedia of Religion and Ethics, Edinburgh, 1967.

6- Gibbon, Edwardi the Decline and Fall of the Roman Empire, New York.

7- Hittx, Philip, K/history of the Arabs, hong Kong, 1970.

8- John Bagot/ the Life and Times of Muammad New york, 1971.

Muhammad Encyclopedia of Seerah by Dr. Abdullah -o- Massef Seerah Fourn dation London.

Scott, S.P/ History of Moorish Empire in Europe, Philadelphia, 1904.

Watt, W.Montgomery/ Muammad at Madina. Oxford, 1956.

حکومتِ پاکستان کی طرف سے ایوارڈ یافتہ کتاب